Scanend and PDF by Qamar Abbas

پیش لفظ

یقین مانیں:

ہم آج اپنی ملی تاریخ کے نہایت حساس موڑ پر کھڑے ہیں۔

——— ایسے موڑ پر، جہاں ہم سے چند ہی قدموں پر موت کی دیوی اپنا دامن پھیلائے بڑی بیقراری سے ہمارا انتظار کر رہی ہے۔

سوال یہ ہے کہ: آخر ہم اس مقام تک کیسے پہنچے؟

اس لیے کہ:

ہم نے یہ بات یکسر فراموش کر دی کہ ہمارے وطن عزیز ——— پاکستان کو انگریزوں اور ہندوؤں نے ایک تھالی میں رکھ کر ہمیں پیش نہیں کیا تھا بلکہ اس کے عوض ——— ہمارے ازلی دشمن نے ہم سے ہماری ہزاروں بہوبیٹیاں چھین لیں اور ہمارے لاکھوں مسلمان بھائیوں کو جام شہادت پلایا۔

اور ——— سچی بات تو یہ ہے کہ:

وہ قوم جس نے ایک طویل اور اعصاب شکن لڑائی لڑ کر، یہ قطعۂ زمین حاصل کیا۔

——— وہ اس کی بقا کے لیے اپنے گھوڑوں کو ہر دم تیار اور اپنی تلواروں کو تیز رکھتی،

لیکن ——— اس کے برعکس:

ہم نے اپنی غیرت کو داؤ پر لگا دیا ———: اپنے ازلی دشمن کی طرف ہمیشہ دوستی کا ہاتھ بڑھاتے رہے۔

visit http://urdulibrary.paigham.net/

for all type of books

and visit http://quraniscience.com/

to read scientific Facts in Quran

Scanned and PDF by Co

—— اپنے گھوڑوں کو عوامی اُمنگوں کے کچلنے میں مصروف رکھا اور اپنی تلواروں کو زنگ آلود ہونے کے لیے مستقل طور پر نیاموں میں بند کر دیا۔ —— کیا زندہ قوموں کا یہی شعار ہے؟

ہم نے سمجھا کہ شاید کسی وقت اقوام متحدہ کے ارباب بست و کشاد کے سامنے اپنا دامن پھیلانے سے ہم اُن کے دل پگھلا دیں، مگر —— یہ کیسے ممکن ہے کہ جس مُنہ کو ہمارے خون کی چاٹ لگی ہو، اُس کے نزدیک بھی ہماری التجائیں کبھی بار آور ثابت ہوں؟

○

"وطن کی مٹی! گواہ رہنا" میں انہی خطرات کی نشاندہی کی گئی ہے —— قابل مصنف نے اپنی گزشتہ تحریروں کی طرح ایک مرتبہ پھر قوم کو آئینہ دکھانے کی کوشش کی ہے:

اُنہوں نے نہایت پُرکشش پیرائے میں سفاک اور کینہ پرور دشمن کے چہرے پر پڑے نقاب کو تھوڑا سا سرکا کر آپ کو ماضی قریب میں اُس کے دل سے آگاہ کیا ہے اور —— حقیقت تو یہ ہے کہ ماضی قریب میں وطن عزیز کے دولخت ہونے کی داستان کو جس اچھوتے انداز میں اُنہوں نے پیش کیا، یہ یقیناً اُنہی کا حصہ ہے۔

"را" کے کرداروں کو جس خوبی سے اُنہوں نے نوکِ قلم میں پرویا وہ تو قابلِ تحسین ہے ہی لیکن بطور "را" کی سربراہ، بھارت کی وزیرِ اعظم نے جو کردار ادا کیا اُس کی خبر بھی وہی پہلی بار ہمیں دے رہے ہیں۔

سچ تو یہ ہے کہ اس "کتاب" کو لکھ کر فاضل مصنف نے احقوں کی جنت میں بسنے والوں کی آنکھوں سے پٹی اُتار کر اُنہیں تصویر کے ایسے رُخ سے آشنا کرنے کی کوشش کی ہے جو واضح بھی ہے اور بھیانک بھی۔

—— لیکن تصویر کا اصلی روپ یہی ہے!

مجھے یقین ہے کہ مصنف کی مساعی رنگ لائیں گی؛

ہم صحیح سمجھ کر آگے قدم بڑھائیں گے، اس لیے کہ، مومن ایک سوراخ سے بار بار نہیں ڈسا جاتا ——

"وطن کی مٹی! گواہ رہنا" ایک کہانی بھی ہے اور وطنِ عزیز کی خاطر جانوں کا نذرانہ پیش کرنے والوں کا ایک پیام بھی —— یہ دراصل ایک شمع ہے جو راہوں کا تعین کرتی ہے۔

—— ایسی راہوں کا:

جہاں سے قافلے گزرتے ہیں اور آخر اپنی منزلوں تک جا پہنچتے ہیں۔

شیخ محمد احسن

مارچ ۱۹۸۶ء

Scanned and PDF by Qamar Abbas

انتساب

میں اپنی یہ حقیر کاوش
مرحوم مقبول جہانگیر کے نام منسوب کرتا ہوں
جنہوں نے مجھے انگلی پکڑ کر چلنا سکھایا۔

visit
http://urdulibrary.paigham.net/

for all type of books

and visit http://quraniscience.com/

to read scientific Facts in Quran

ڈبل کراس

"شیر خان اگلے تین دنوں میں کسی بھی روز تمہیں پھانسی دے دی جائے گی!!
مجھے افسوس ہے لیکن یہ سب کچھ تمہاری ہٹ دھرمی کا نتیجہ ہے۔ ایسا ایک روز ہونا ہی تھا۔" جیل سپرنٹنڈنٹ ڈوبلے نے جذبات سے عاری لہجے میں اُسے مخاطب کیا۔

رات کو اُس کی جیل میں آمد کوئی نئی بات تو نہیں تھی لیکن اس طرح اچانک "پھانسی کوٹھڑیوں" کی طرف وہ کسی خاص مقصد ہی سے آیا کرتا تھا۔ "چکر حوالدار" اور جیل کا دیگر عملہ اُس کے پیچھے پیچھے دُم ہلاتا یہاں تک آیا تھا اور اب سب دست بستہ "صاحب دان" اُس کے دائیں بائیں کھڑے تھے۔ اُن کی نظریں سپرنٹنڈنٹ ڈوبلے کی طرح خان پر جمی تھیں۔ جس کے ہونٹ ڈوبلے پر نظر پڑتے ہی پھیل گئے تھے اور اُس کی مسکراہٹ جوں کی توں برقرار تھی۔ حالانکہ اُن کے خیال میں ابھی تک خان کو غش کھا کر گر جانا چاہیئے تھا لیکن وہ ہمیشہ کی طرح آج بھی آہنی چٹان کی طرح اُن کے سامنے ڈٹ کر کھڑا اُن کے عزائم کا تمسخر اُڑا رہا تھا۔

"آپ کا شکریہ ڈوبلے صاحب۔ میں بھی روز روز کی بک بک سے تنگ آ گیا ہوں اب یہ کھیل ختم ہی ہو جانا چاہیئے۔ آپ لوگوں کو کبھی میری بے گناہی کا یقین نہیں آئے گا اور پھر مرنا تو ایک روز ہے ہی ——"

ڈوبلے اس کے برملا جواب سے تلملا کر رہ گیا۔

"خان تم ابھی بچے ہو! تم نے مرنے کی صرف باتیں سُنی ہیں کسی کو مرتے ہوئے دیکھا نہیں۔ خصوصاً پھانسی کے کسی مجرم کو ـــــ بڑی اذیت ناک موت ہوتی ہے۔ بڑی دیر میں تڑپ تڑپ کر سسک سسک کر جان نکلتی ہے اکثر مجرم تو تین تین گھنٹے تک لٹکے رہتے ہیں سولی پر۔ یہ جو تم چمک رہے اس غبارے کی ہوا بس اب نکلنے ہی والی ہے....." اُسے باقاعدہ غصہ آگیا تھا۔ اُس کی توقعات کے برعکس خان ابھی تک اپنے قدموں پر جو کھڑا تھا۔

"مسٹر دوبے! اگر تم اپنے ان پالتو کتوں کے سامنے ذلیل نہیں ہونا چاہتے تو یہاں سے دفع ہو جاؤ ـــــ اور اپنے اُن آقاؤں کو جن کے اشارے پر تم دم ہلاتے ہوئے یہاں چلے آئے ہو جا کر صرف یہ بتا دو کہ خان مر جائے گا مگر اُس کا بیان نہیں بدلے گا۔ ـــــ نہیں بدلے گا۔ خواہ مخواہ وہ لوگ تمہاری بھی رات کی نیندیں حرام کر رہے ہیں! پچھلے آٹھ ماہ تک مجھے مسلسل ذہنی اور روحانی عذاب دے کر بھی وہ لوگ مجھ سے نہ اگلوا سکے تو اب کیا لے لیں گے وہ مجھ سے ـــــ؟ اول تو میں "پاک سپائی" ہوں نہیں اور ـــــ اگر ہوں بھی تو اُن سے کہہ دینا کہ وہ مجھ سے مزید آٹھ سال بلکہ آٹھ صدیوں تک کچھ نہیں اگلوا سکتے ـــــ کچھ نہیں....." اُس کے ہونٹ غصے سے کپکپا رہے تھے اور جبڑوں کی ہڈیاں اُبھر آئی تھیں۔

دوبے جیل ڈپارٹمنٹ میں حوالدار سے ترقی کرتے ہوئے سپرنٹنڈنٹ کے عہدے تک پہنچا تھا۔ وہ بھارتی جیلوں کا مانا ہوا افسر تھا۔ بڑے بڑے بدمعاش اس کا نام سن کر کانوں کو ہاتھ لگایا کرتے تھے۔ جس جیل میں غنڈہ گردی کا خطرہ ہوتا حکومت اُس کا تبادلہ اُسی جیل میں کر دیا کرتی تھی۔ اُس نے زندگی میں ہارنا تو کبھی سیکھا ہی نہیں تھا۔ لیکن اس پچیس چھبیس سال کے "پاکستانی جاسوس" نے اُسے اپنے نظریات بدلنے پر مجبور کر دیا تھا ـــــ وہ مسلسل آٹھ مہینے "مارچ سنٹروں" میں تفتیش کاٹنے

کے بعد یہاں پہنچا تھا۔ اُس کی آمد سے ایک روز پہلے ہی "سی آئی بی" کے تین اعلیٰ افسروں نے دوبے کے سامنے اُس کا مکمل کچا چٹھا جو صرف اُن کی "اطلاعات" کی حد تک تھا، بیان کر چکے تھے اور یہ بھی بتا چکے تھے کہ وہ "ان اطلاعات" میں سے کسی ایک کی تصدیق اُس کی زبانی نہیں کروا سکے۔

انہوں نے دوبے کو بطور خاص یہ بات سمجھا دی تھی کہ یہ "چھوکرہ" ٹک کر بیٹھنے والا نہیں اگر اُسے ذرا سی بھی سہولت مل گئی تو وہ اپنی سی کر گزرے گا۔

"ٹنڈن صاحب!" ـــــ خان کے "کیس انچارج" کی بات پر دوبے نے قہقہہ لگا کر خان کی تصویر پر بڑی حقارت بھری نظر ڈالتے ہوئے کہا ـــــ "میں نے بڑے بڑے بدمعاش سیدھے کر دیے، یہ دو ٹکے کا مُلا، اس کی جمال ہی کیا ہے کہ ایک جھٹکا بھی برداشت کر لے ـــــ جیل کی مار بڑی بُری شے ہے۔ بڑے بڑوں کے کس بل نکل جاتے ہیں مہاراج جی!" ـــــ

ٹنڈن نے بے یقینی کی سی کیفیت سے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا ـــــ "دوبے صاحب! اگر آپ ہماری کوئی بھی مدد کر سکیں تو یہ سرکار کی بڑی مہان خدمت ہو گی۔"

○

اگلے روز پولیس گارد کی سخت نگرانی میں جب آٹھ ماہ کی چیرہ دستیوں کا شکار خان اس کمرے میں پہنچا تو اس آدھ موئے انسان پر ایک نظر حقارت ڈال کر دوبے نے بڑے فخر سے کہا، "یہی ہے وہ سُورما ـــــ ابھی دیکھتا ہوں سالے کو ـــــ"

اُسے کر تو اپنی ترنگ میں جو جی میں آیا وہ کہہ گیا لیکن جواب میں خان نے مغلظات کا جو طوفان اُگلا۔ اُس نے دوبے کو تو پاگل ہی کر دیا تھا ـــــ وہ وحشی درندوں کی طرح اُس وقت اُس پر پیدبرسا تا رہا جب تک کہ اس کے بازو شل نہ ہو گئے۔ ہر ضرب پر اُس کو نئی گالی سے نوازا جاتا ـــــ اور آخر بے بس ہو کر اُس نے

Scanend and PDF by: Qamar Abbas

"چکر حوالدار" منگا مل کو بُلایا اور حکم دیا۔

"لے جاؤ اس لونڈر کو اور اس کا دماغ ٹھیک کر کے میرے سامنے پیش کرو۔"

منگا مل اُسے اپنے ساتھیوں کی مدد سے گھسیٹتا ہُوا "چکر" میں لے گیا ——

ڈیوڑھی سے خان کے "پھانسی کوٹھڑی" میں پہنچنے تک اُسے تین "پھنٹیاں" مل چکی تھیں، لیکن منگا مل چکرا کر ہی تو رہ گیا۔

"بھگوان جانے یہ شخص کس مٹی کا بنا ہے مہاراج جی!" اُس نے تن کر سیدھے کھڑے ہوتے ہُوئے کُوبے کے سامنے اپنی بے بسی ظاہر کرتے ہوئے کہا "ہم نے اس کے مُنہ پر گندگی مَل کر، ہاتھ پیر باندھ کر کوٹھڑی میں پھینک دیا ہے" ——

اُس نے اپنی کارروائی سے اپنے افسرِ اعلیٰ کو مطلع کیا۔

"دفع ہو جاؤ!" —— اُس نے غصّے سے مٹھیاں بھینچیں۔ "گدھے تم سے ایک معمولی مسلمان چھوکرا قابو نہیں آ رہا —— جاؤ اور ریٹائرمنٹ لے کر کوئی مندر سنبھال لو پنڈت جی!" غصّے سے کھولتے ہُوئے اس نے پنڈت منگا مل چکر حوالدار کو حکم دیا، "اُسے کھول کر ڈنڈا بیڑی لگا دو" ——

آٹھ دن تک تو خان کو اُن لوگوں نے "ڈنڈا بیڑی" لگا کر بند کر رکھا تھا۔ یہ اُن کے نزدیک جیل کی سخت ترین سزا تھی، لیکن کیا مجال جو اُس کے پائے ثبات میں ذرا سی بھی لغزش آئی ہو۔

آٹھویں دن جب روایت کے مطابق "صاحب کا دورہ" آیا تو پھانسی کوٹھڑیوں میں بند سکھ قیدیوں نے سوال اٹھایا، کہ اگر خان کی بیڑی نہ کھولی گئی تو وہ بھوک ہڑتال کر دیں گے۔

کم از کم اس "حساس احاطے" میں انہوں نے انسانی درندگی اور بربریت کا اس سے زیادہ بدترین مظاہرہ اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

اور سپرنٹنڈنٹ کے لیے یہ کوئی "معمولی" دھمکی" نہ تھی۔ یوں بھی وہ آٹھ دن سے زیادہ مسلسل بیڑی لگا بھی نہیں سکتا تھا! اُس نے انہی قدموں پر کھڑے کھڑے پنڈت منگا مل کو حکم دیا کہ وہ خان کا ڈنڈا بیڑی اُتار کر اُسے بیڑی پہنا دے!!

خود اُس نے خان والی کوٹھڑی کے سامنے رُکنے کی ہمت بھی نہیں کی تھی اور بیڑی سے اپنا راؤنڈ مکمل کر کے "پھانسی احاطے" سے باہر نکل گیا تھا۔

○

چکر حوالدار منگا مل جب اپنے ساتھ مشقتی "لوہار پنجے" والے کو لے کر اُس کی بیڑیاں اُتارنے آیا تو خان کے ہونٹوں پر ہمیشہ جیسی طنزیہ مسکراہٹ حسبِ معمول چپکی ہوئی تھی۔

"بس....." اُس نے حوالدار کا تمسخر اُڑایا۔

خان کے مُنہ سے نکلے صرف ایک لفظ نے ہی اُس کے تن بدن میں آگ لگا دی تھی! اس طرح تو کبھی بڑے سے بڑے بدمعاش نے بھی اُس کا مضحکہ نہیں اُڑایا تھا۔ منگا مل چکا کھڑا رہا۔ وہ "پرانا ملازم" تھا اور بخوبی جانتا تھا کہ معاملہ اس سے بھی آگے جا سکتا ہے۔ جب کوئی قیدی اپنی سی کرنے پر آ جائے تو وہ کچھ بھی کر سکتا ہے۔ خان کی نہ صرف بیڑی بدلی گئی بلکہ پھانسی احاطے میں بند سزائے موت کے قیدیوں کی دھمکی پر جو اب خان کو "ہیرو" کا درجہ دینے لگے تھے جیل حکام کو خان کے لیے جیل سے "سپیشل ڈائیٹ" منگوانی پڑی۔

○

پہلی مرتبہ وہ آج خان کے دو بدو کھڑا ہو کر رات کی تاریکی میں اُس سے لڑ مرا تھا۔ اُس نے یہ ڈرامہ "اٹیلی جنس" حکام کی ہدایت پر کھیلا تھا لیکن اب بڑی شدت سے اُسے اپنی نسبی کا احساس ہو رہا تھا۔

وہ بڑی تیزی سے بغیر کچھ کہے سُنے لمبے لمبے ڈگ بھرتا اپنے دفتر میں آ گیا تھا۔ اُس کے جسم پر لرزہ طاری تھا۔ رات کے گیارہ بج چکے تھے اور ساری جیل پر موت کا سناٹا طاری تھا۔ کچھ سوچ کر اُس نے فون اٹھایا اور انٹیلی جنس کے اعلیٰ افسر ٹنڈن کا نمبر ڈائل کیا۔

ٹنڈن پچھلے اٹھائیس گھنٹے سے ایک خصوصی کیس کے سلسلے میں مسلسل جاگ رہا تھا اور ابھی اُس کی آنکھ لگے بمشکل آدھ گھنٹہ ہی گزرا تھا کہ اچانک گھنٹی کی کرخت آواز نے اُسے نیند سے بیدار کر دیا! پہلے تو اُسے کچھ سمجھ ہی نہ آئی، آنکھوں میں گھس آنے والی تیز جلن نے اُس کا دماغ ماؤف کر دیا اور جب وہ کچھ سمجھنے کے قابل ہُوا تو اُس کا جی چاہا کہ فون اٹھا کر دیوار سے دے مارے لیکن سوچ کر کہ کہیں کسی بڑے افسر کا نہ ہو، وہ اپنے ارادے کو عملی جامہ نہ پہنا سکا۔

"ہیلو" ــــ وہ فون کان سے لگاتے ہی دھاڑا۔

"میں دُوبے بول رہا ہُوں" ــــ دوسری طرف سے بولنے والے کی آواز اتنی اُونچی تھی کہ ٹنڈن کو بالکل لاشعوری طور فون کو کان سے پرے کرنا پڑا۔

"کیا بات ہے ــــ اتنی رات گئے کیا مصیبت آ گئی؟" اُس نے پھاڑ کھانے والے لہجے میں دُوبے کو جواب دیا۔

"بات وات کچھ نہیں ــــ تم سب لوگ جاؤ جہنم میں۔ میں تمہارا ماتحت نہیں کہ تمہارے اشاروں پر ناچتا رہوں۔ سمجھے تم....."

اُس کے انداز، تخاطب اور باتوں نے ٹنڈن کو پاگل ہی تو کر دیا تھا ــــ

"شٹ اپ" چلا کر اُس نے فون کریڈل پر پٹخ دیا۔

دوسری طرف دُوبے نے بھی اُسے باقاعدہ گالیوں سے نوازتے ہُوئے اپنا فون بند کر دیا تھا۔

Scanend and PDF by Qaisar Abbas

رات وقت کے سینے پر پاؤں دھرتی ہولے ہولے اپنے انجام کی طرف رینگ رہی تھی۔ بادلوں کے وہ منتشر ٹکڑے جنہوں نے سرِ شام ہی آسمان کو سیٹنا شروع کر دیا تھا، اب اجتماعی شکل میں چاند کے گرداگرد آہنی فصیل کی طرح تن گئے تھے۔ ایک زوردار دھاڑا چانک ہی آسمان کے سینے سے بلند ہوئی اور ٹپ ٹپ بوندیں گرنے لگیں۔ جلد ہی ان بوندوں نے موسلا دھار بارش کی شکل اختیار کر لی ــــ بوڑھا آسمان شاید پھانسی کوٹھڑیوں میں بند اس جواں مرد کی حالتِ زار پر آنسو بہا رہا تھا، یا پھر اُس سے خان کی یہ بے بسی دیکھی نہ گئی اور اب وہ گرج گرج اور برس برس کر اپنے غم و غصے کا اظہار کر رہا تھا۔

خان اپنی کوٹھڑی کے سلاخوں والے دروازے سے آن لگا تھا۔ اُس کے سامنے مختصر سے احاطے پر موسلا دھار بارش کا رقص اُسے خاصی لطافت فراہم کر رہا تھا:

"وہ بھی تو ایک ایسی ہی رات تھی جب آج سے قریباً اڑھائی سال پہلے اُس نے موت کی اس طویل اور اندھی شاہراہ پر پہلا قدم رکھا تھا۔"

اپنی ٹریننگ کے خاتمے پر جب وہ پہلی مرتبہ اہم مشن پر روانہ ہو رہا تھا تو اُس بوڑھے صوبیدار میجر نے جو اُس کا انسٹرکٹر بھی تھا اُسے کہا تھا۔

"بیٹا! اصل میں ایک ہی بات یاد رکھنا چاہیے۔"

"وہ کیا سر؟" نجانے اُس نے کیوں خلافِ اصول اُس سے یہ سوال کیا۔

"دیکھو بچے! یہ جسم جو ہے نا ــــ یہ کچھ بھی نہیں، کچھ حیثیت نہیں اس کی۔ زندہ رہنے والی چیز تو روح ہے بچے! اگر زندگی میں کبھی دونوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا پڑے تو جسم کو کبھی اولیت نہ دینا۔ اس پر لگے داغ اور اذیت کے تمام نشانات کبھی نہ کبھی اپنی موت مر جاتے ہیں۔ لیکن روح کا معاملہ بالکل الگ

Scanned and PDF by Qamar Abbas

ہے۔ بالکل جُدا ـــــ اُسے کبھی وفادار نہ ہونے دینا ورنہ ساری زندگی جہنم کا ایندھن بنے رہو گے۔ کیونکہ تمہارا ضمیر خوش قسمتی سے زندہ ہے۔"

بوڑھے صوبیدار میجر نے کتنے آسان لفظوں میں عابد خان کو یہ نقطہ سمجھا دیا تھا ـــــ اور اُس نے کبھی اپنے انسٹرکٹر کی اس بات کو نہ بھلایا۔

○

دونوں سویلین لباس ہی میں اُس سرحدی اسٹیشن تک آئے تھے ـــــ اُن کے ساتھ یہاں بمشکل آٹھ دس سواریاں اُتری تھیں۔

بوڑھے انسٹرکٹر نے اسٹیشن کے ایک کونے میں لگے نل پر مُنہ ہاتھ دھونے کے بہانے اُس وقت تک انتظار کیا جب تک تمام سواریوں نے اپنا راستہ نہ ناپ لیا۔

"آؤ چلیں ـــــ" اُس نے اپنی بوڑھی اور جہاندیدہ نظروں سے ماحول پر ایک طائرانہ نظر ڈالنے کے بعد اُسے مخاطب کیا۔

دونوں ریلوے لائن عبور کر کے شہر کی متضاد سمت میں چلنے لگے۔ بوڑھا انسٹرکٹر اُسے دو تین میل کھیتوں کے بیچوں بیچ پیدل چلاتا اُس "ڈاک بنگلے" تک لے آیا جو انہی مقاصد کے لیے عموماً زیرِ رہتا تھا۔

ڈاک بنگلے پر اُن کا استقبال ایک درمیانی عمر کے مضبوط اور گٹھے ہوئے جسم کے مالک کرنل نے کیا۔ صوبیدار کی دونوں ایڑیاں کسی میکانکی عمل کے تحت اُس کی شکل پر نظر پڑتے ہی آپس میں جُڑ گئی تھیں۔

"کم آن مائی بوائے! ویل کم ٹو یو" ـــــ انہوں نے گرم جوشی سے پہلے عابد خان سے مصافحہ کیا پھر اُسے گلے لگا کر اس کی کمر پر تھپکی دے کر خود سے الگ کر کے "کیسا پٹھا ہے صوبیدار صاحب! ٹھیک ہے نا؟"

"ایک دم ٹھیک ہے سر!" ـــــ صوبیدار کی ایڑیاں پھر آپس میں مل گئیں۔

"ویل ڈن ـــــ ویل ڈن" ـــــ انہوں نے عابد خان کے بازوؤں کی مچھلیاں ٹٹولتے ہوئے صوبیدار کو شاباش دی۔

جب وہ کرنل صاحب کے ساتھ ایک کمرے میں داخل ہوا تو صوبیدار باہر ہی رک گیا تھا۔ کمرے کے وسط میں رکھے میز پر ایک نقشہ پہلے سے بچھا تھا اور چھت سے لٹکتے بلب کی زرد روشنی دن کے وقت بڑے عجیب اور بے ڈھنگے طریقے سے اس کا احاطہ کر رہی تھی۔ سالوں پہلے کے تعمیر شدہ ڈاک بنگلے کی اُونچی چھت اور کمرے کے ماحول کا جائزہ عابد خان نے اپنی ٹریننگ کے مطابق اندر داخل ہوتے ہی لے لیا تھا۔

کرنل صاحب نے اُسے ایک کونے میں پڑے بیلچے سے سجائے گئے صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ اُن کے کمرے میں داخل ہونے کے چند ہی منٹ بعد ایک نوجوان چائے کے برتن بڑے سلیقے سے سجا کر لے آیا تھا۔ چائے نوشی کے دوران کرنل اُس سے بڑے دوستانہ ماحول میں بے تکلفی سے باتیں کرتے رہے۔ عابد کو توقع تھی کہ وہ اُس کی ٹریننگ سے متعلق سوالات کر کے اس کا ناطقہ بند کر دیں گے۔ کیوں کہ اس سے پہلے ہر ملاقات پر یہی ہوا تھا۔ لیکن آج خلافِ توقع انہوں نے اس موضوع کو بالکل نہیں چھیڑا تھا۔

"آئیے مسٹر اوزکار پوری! چائے کا دَور ختم ہوتے ہی انہوں نے خان کو اس کی پی ٹی ٹیم سے مخاطب کیا ـــــ "اب کچھ باتیں آپ کے کام سے متعلق بھی ہو جائیں؟"

دونوں نے اسی میز کا ایک ایک کونہ سنبھال لیا تھا جس پر بچھے ایک بڑے سے نیلے رنگ کے نقشے پر مختلف جگہ سُرخ پنسل سے دائرے لگائے گئے تھے۔

وہ بڑی تیزی سے بغیر کچھ کہے سُنے لمبے لمبے ڈگ بھرتا اپنے دفتر میں آگیا غصّے سے اُس کے جسم پر لرزہ طاری تھا۔ رات کے گیارہ بج چکے تھے اور ساری جیل پر موت کا سناٹا طاری تھا۔ کچھ سوچ کر اُس نے فون اٹھایا اور انٹیلی جنس کے اعلیٰ افسر ٹنڈن کا نمبر ڈائل کیا۔

ٹنڈن پچھلے اٹھائیس گھنٹے سے ایک خصوصی کیس کے سلسلے میں مسلسل جاگ رہا تھا اور ابھی اُس کی آنکھ لگے بمشکل آدھ گھنٹہ ہی گزرا تھا کہ اچانک گھنٹی کی کرخت آواز نے اُسے نیند سے بیدار کر دیا! پہلے تو اُسے کچھ سمجھ ہی نہ آئی، آنکھوں میں گھس آنے والی تیز جلن نے اُس کا دماغ ماؤف کر دیا اور جب وہ کچھ سمجھنے کے قابل ہُوا تو اُس کا جی چاہا کہ فون اٹھا کر دیوار سے دے مارے لیکن سوچ کر کہ کہیں کسی بڑے افسر کا نہ ہو، وہ اپنے ارادے کو عملی جامہ نہ پہنا سکا۔

"ہیلو" ــــ وہ فون کان سے لگاتے ہی دھاڑا۔

"مَیں دُوبے بول رہا ہُوں" ــــ دوسری طرف سے بولنے والے کی آواز اتنی اُونچی تھی کہ ٹنڈن کو بالکل لاشعوری طور فون کو کان سے پرے کرنا پڑا۔

"کیا بات ہے ــــ اتنی رات گئے کیا مصیبت آگئی"؟ اُس نے پھاڑ کھانے والے لہجے میں دُوبے کو جواب دیا۔

"بات وات کچھ نہیں ــــ تم سب لوگ جاؤ جہنم میں۔ مَیں تمہارا ماتحت نہیں کہ تمہارے اشاروں پر ناچتا رہوں۔ سمجھے تم....."

اُس کے انداز تخاطب اور باتوں نے ٹنڈن کو پاگل ہی تو کر دیا تھا ــــ

"شٹ اَپ" چلا کر اُس نے فون کریڈل پر پٹخ دیا۔

دوسری طرف دُوبے نے بھی اُسے باقاعدہ گالیوں سے نوازتے ہُوئے اپنا فون بند کر دیا تھا۔

Scanend and PDF by: Qamar Abbas

رات وقت کے سینے پر پاؤں دھرتی ہولے ہولے اپنے انجام کی طرف رینگ رہی تھی۔ بادلوں کے وہ منتشر ٹکڑے جنہوں نے سرِشام ہی آسمان کو سمیٹنا شروع کر دیا تھا، اب اجتماعی شکل میں چاند کے گرداگرد آہنی فصیل کی طرح تن گئے تھے۔ ایک زوردار دھماکا اچانک ہی آسمان کے سینے سے بلند ہوئی اور ٹپ ٹپ بوندیں گرنے لگیں۔ جلد ہی ان بوندوں نے موسلا دھار بارش کی شکل اختیار کر لی ــــ بوڑھا آسمان شاید پھانسی کوٹھڑیوں میں بند اس جواں مرد کی حالتِ زار پر آنسو بہا رہا تھا، یا پھر اُس سے خان کی یہ بے بسی دیکھی نہ گئی اور اب وہ گرج گرج اور برس برس کر اپنے غم و غصّے کا اظہار کر رہا تھا۔

خان اپنی کوٹھڑی کے سلاخوں والے دروازے سے آن لگا تھا۔ اُس کے سامنے مختصر سے احاطے پر موسلا دھار بارش کا رقص اُسے خاصی لطافت فراہم کر رہا تھا:

"وہ بھی تو ایک ایسی ہی رات تھی جب آج سے قریباً اڑھائی سال پہلے اُس نے موت کی اس طویل اور اندھی شاہراہ پر پہلا قدم رکھا تھا"۔

اپنی ٹریننگ کے خاتمے پر جب وہ پہلی مرتبہ اہم مشن پر روانہ ہو رہا تھا تو اُس بوڑھے صوبیدار میجر نے جو اُس کا انسٹرکٹر بھی تھا اُسے کہا تھا۔

"بیٹا! اصل میں ایک ہی بات یاد رکھنا چاہیے"۔

"وہ کیا سر؟" نجانے اُس نے کیوں خلافِ اصول اُس سے یہ سوال کیا۔

"دیکھو بچے! یہ جسم جو ہے نا ــــ یہ کچھ بھی نہیں، کچھ حیثیت نہیں اس کی۔ زندہ رہنے والی چیز تو روح ہے بچے! اگر زندگی میں کبھی دونوں میں سے کسی ایک کو انتخاب کرنا پڑے تو جسم کو کبھی اولیت نہ دینا۔ اس پر لگے داغ اور اذیت کے تمام نشانات کبھی نہ کبھی اپنی موت مر جاتے ہیں۔ لیکن روح کا معاملہ بالکل الگ

Scanend and PDF by: Qamar Abbas

ہے۔ بالکل جدا ـــــ اُسے کبھی وفادار نہ ہونے دینا ورنہ ساری زندگی جہنم کا ایندھن بنے رہو گے۔ کیونکہ تمہارا ضمیر خوش قسمتی سے زندہ ہے۔"

بوڑھے صوبیدار میجر نے کتنے آسان لفظوں میں عابد خان کو یہ نقطہ سمجھا دیا تھا ـــــ اور اُس نے کبھی اپنے انسٹرکٹر کی اس بات کو نہ بھلایا۔

○

دونوں سویلین لباس ہی میں اُس سرحدی اسٹیشن تک آئے تھے ـــــ اُن کے ساتھ یہاں بمشکل آٹھ دس سواریاں اُتری تھیں۔

بوڑھے انسٹرکٹر نے اسٹیشن کے ایک کونے میں لگے نل پر مُنہ ہاتھ دھونے کے بہانے اُس وقت تک انتظار کیا جب تک تمام سواریوں نے اپنا راستہ نہ ناپ لیا۔

"آؤ چلیں ـــــ" اُس نے اپنی بوڑھی اور جہاندیدہ نظروں سے ماحول پر ایک طائرانہ نظر ڈالنے کے بعد اُسے مخاطب کیا۔

دونوں ریلوے لائن عبور کر کے شہر کی متضاد سمت میں چلنے لگے۔ بوڑھا انسٹرکٹر اُسے دو تین میل کھیتوں کے بیچوں بیچ پیدل چلاتا اُس "ڈاک بنگلے" تک لے آیا جو انہی مقاصد کے لیے عموماً زیرِ زمین رہتا تھا۔

ڈاک بنگلے پر اُن کا استقبال ایک درمیانی عمر کے مضبوط اور گٹھے ہوئے جسم کے مالک کرنل نے کیا۔ صوبیدار کی دونوں ایڑیاں کسی میکانکی عمل کے تحت اُس کی شکل پر نظر پڑتے ہی آپس میں جُڑ گئی تھیں۔

"کم آن مائی بوائے! ویل کم ٹو یو ـــــ" انہوں نے گرم جوشی سے پہلے عابد خان سے مصافحہ کیا پھر اُسے گلے لگا کر اس کی کمر پر تھپکی دے کر خود سے الگ کر کے "کیسا پٹھا ہے صوبیدار صاحب! ٹھیک ہے نا؟"

"ایک دم ٹھیک ہے سَر!" ـــــ صوبیدار کی ایڑیاں پھر آپس میں مِل گئیں۔

"ویل ڈن ـــــ ویل ڈن" ـــــ انہوں نے عابد خان کے بازوؤں کی مچھلیاں ٹٹولتے ہوئے صوبیدار کو شاباش دی۔

جب وہ کرنل صاحب کے ساتھ ایک کمرے میں داخل ہوا تو صوبیدار باہر ہی رک گیا تھا۔ کمرے کے وسط میں رکھے میز پر ایک نقشہ پہلے سے بچھا تھا اور چھت سے لٹکتے بلب کی زرد روشنی دن کے وقت بڑے عجیب اور بے ڈھنگے طریقے سے اس کا احاطہ کر رہی تھی۔ سالوں پہلے کے تعمیر شدہ ڈاک بنگلے کی اُونچی چھت اور کمرے کے ماحول کا جائزہ عابد خان نے اپنی ٹریننگ کے مطابق اندر داخل ہوتے ہی لے لیا تھا۔

کرنل صاحب نے اُسے ایک کونے میں بڑے سلیقے سے سجائے گئے صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ اُن کے کمرے میں داخل ہونے کے چند ہی منٹ بعد ایک مؤدب بیرا چائے کے برتن بڑے سلیقے سے سجا کر لے آیا تھا۔ چائے نوشی کے دوران کرنل اُس سے بڑے دوستانہ ماحول میں بے تکلفی سے باتیں کرتے رہے۔ عابد کو تو یہ اُمید تھی کہ وہ اُس کی ٹریننگ سے متعلق سوالات کر کے اس کا ناطقہ بند کر دیں گے۔ کیوں کہ اس سے پہلے ہر ملاقات پر یہی ہوا تھا۔ لیکن آج خلافِ توقع انہوں نے اس موضوع کو بالکل نہیں چھیڑا تھا۔

"آئیے مسٹر اونکار پوری! چائے کا دَور ختم ہوتے ہی انہوں نے خان کو اُس کی نئی شناخت سے مخاطب کیا ـــــ "اب کچھ باتیں آپ کے کام سے متعلق بھی ہو جائیں۔"

دونوں نے اسی میز کا ایک ایک کونہ سنبھال لیا تھا جس پر بچھے ایک بڑے سے نیلے رنگ کے نقشے پر مختلف جگہ سُرخ پنسل سے دائرے لگائے گئے تھے۔

"مسٹر پوری!" ــــ کرنل نے ایک نشان زدہ جگہ پر انگلی لگائی ــــ "یہاں سے تمہیں سرحد عبور کرنا ہے اور یہ ہیں وہ گاؤں جو اس راستے پر آئیں گے۔" انہوں نے یکے بعد دیگرے چار پانچ مزید نشان زدہ جگہوں کی نشاندہی کی ــــ "تمہارا گائیڈ کوشش کرے گا کہ تمہیں ہنگامے اور شور شرابے سے محفوظ رکھ کر ہی "کمسر" تک پہنچا دے۔ لیکن ضروری نہیں کہ ایسا ہی ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اُن کی فورسز راستے پر کہیں ڈیپلائے ہو گئی ہوں اور تمہیں راستہ بدلنا پڑے، یا ان دیہاتوں میں سے ہو کر گزرنا پڑے۔" انہوں نے رک کر ایک نظر عابد خان کے منحوس چہرے پر ڈالی جس کی آنکھیں نقشے پر گڑی ہوئی تھیں۔

"یہ سارا ایریا بڑا "حساس" ہے" ــــ انہوں نے انگلی کو یکے بعد دیگرے تین چار جگہ رکھ کر "حساس ایریا" کی نشاندہی کی۔ "مائی بوائے! لائن آف کنٹرول سے "لائن آف ایکچوئل کنٹرول" تک تمہاری راہنمائی تمہارا گائیڈ کرے گا، لیکن اپنی حفاظت کو کبھی نہ بھلانا۔ خدا کے بعد تمہارا بہترین ساتھی تمہارا اپنا اعتماد ہے۔ اپنی صلاحیتوں کو ہمیشہ جگائے رکھنا۔ راستے میں یا دورانِ قیام ایک لمحے کی غفلت بھی تمہیں کہاں سے کہاں لے جا سکتی ہے۔ اس کا شاید تم اندازہ بھی نہ کر سکو۔"

ایک مرتبہ پھر سلسلہ گفتگو روک کر انہوں نے سگار سلگایا اور اُس کا دھواں منہ اوپر کو کے کمرے کی چھت کی طرف پھینکنے کے بعد دوبارہ اُس سے مخاطب ہوئے۔

"تھوڑی دیر کے بعد تمہاری ملاقات تمہارے گائیڈ نتھا سنگھ سے کروا دی جائے گی۔ میرا خیال ہے ٹریننگ کی کسی بات کو اب دہرانا اچھا نہیں لگتا۔" وہ مسکرائے اور اُسے تھپکی دے کر اپنے ساتھ دوسرے کمرے میں لے گئے۔ دوسرے کمرے میں صوبیدار کے ساتھ ایک اکہرے بدن اور درمیانی عمر

"اس کا نام نتھا سنگھ ہے۔" اُنہوں نے اُس کا تعارف نتھا سنگھ سے کروایا۔ "اور یہ ہے اُونکار پوری۔" اُنہوں نے نتھا سنگھ کو اُس کی طرف متوجہ کیا۔

"ست سری اکال جی" نتھا سنگھ نے ہاتھ باندھ کر پرنام کیا۔

"ست سری اکال" ــــ خان نے بھی وہی عمل دہرایا۔

وہ جانتا تھا: جس طرح اُس کے صحیح نام کا علم نتھا سنگھ کو نہیں ہے اُسی طرح اُسے بھی نتھا سنگھ کا نام غلط بتایا گیا ہے۔

اُس کے بوڑھے انسٹرکٹر نے اُسے یہی بتایا تھا: "بچے! ہمیشہ خود کو چھپا کر دوسروں کی اصلیت کو جاننے کی کوشش کرو! یہی ہے ہمارے کھیل کا اوّلین اُصول۔"

"تم لوگ گپ شپ لگاؤ! ابھی ڈیڑھ دو گھنٹے باقی ہیں۔" کہہ کر کرنل صاحب صوبیدار کے ساتھ باہر نکل گئے۔

"ہم کب تک کمسر پہنچ جائیں گے؟" خان نے خود ہی سلسلہ گفتگو جاری کرنے کی تمہید باندھی۔

"اگر پرماتما نے خیر رکھی اور کوئی مشکل راستے میں نہ پڑ گئی، تو صبح پہلی بس پر ہم "ہندوال کوٹ" سے کمسر چلے جائیں گے۔" نتھا سنگھ نے بات مکمل ہوتے ہی اپنی قمیص کی اوپر والی جیب سے بیڑیوں کا بنڈل نکالا اور ایک بیڑی باہر نکال کر اس کی طرف بڑھا دی۔ خان سگریٹ نہیں پیتا تھا لیکن وہ اپنی شخصیت کے کسی بھی پہلو سے نتھا سنگھ کی آگاہی کا خطرہ بھی مول نہیں لے سکتا تھا۔ اُس نے اطمینان سے بیڑی نکال کر عادی بیڑی نوشوں کی طرح اُس کے ایک کنارے کو دانتوں سے توڑا اور اپنے ایک ہاتھ کی ہتھیلی پر ٹھونک کر دونوں انگلیوں میں پھنسا لیا۔

ماچس کی جس تیلی سے نتھا سنگھ نے بیڑی سُلگائی تھی، اُسی تیلی سے اُس نے خان کی بیڑی کے مُنہ پر شعلہ سجا دیا۔ خان کی عقابی نظروں نے بخوبی جائزہ لے لیا تھا کہ بیڑی کا بنڈل بھارت کا بنا ہُوا ہے۔

نتھا سنگھ اس کھیل کا شاید پرانا کھلاڑی تھا کہ اُس کی کوئی بات "مخالف اصول" نہیں تھی۔ اب تک زیادہ باتیں اُسی نے کی تھیں۔ خان تو صرف سوالات کرتا رہا تھا۔ اُس سرحدی علاقے کے متعلق جہاں سے انہوں نے سرحد پر نقب لگانی تھی۔ راستے میں آنے والے دیہات، نہریں، ریلوے لائن، ایئر بیس، پکے کچے راستے، سب ہی کچھ تو اُس نے نتھا سنگھ سے پوچھ لیا تھا۔

اُس کے گائیڈ نے ابھی تک کوئی سوال اُس کی ذات سے متعلق نہیں کیا تھا۔ خان اُس کی مجبوری کو سمجھتا تھا۔ دو آدمی جب پہلی مرتبہ ملیں تو عموماً سلسلہ گفتگو تعارف ہی سے شروع ہوتا ہے جبکہ یہاں تعارف شجرِ ممنوعہ تھا۔

○

تھوڑی دیر بعد کرنل صاحب دوبارہ آ گئے اس مرتبہ انہوں نے دونوں کے ساتھ ایک مرتبہ پھر چائے کا کپ "شیئر" کیا۔ پھر نتھا سنگھ تو وہیں رہ گیا جبکہ خان کو کرنل صاحب دوسرے کمرے میں لے گئے۔ یہاں اُسے کپڑے تبدیل کرنا تھے اور اب وہ روپ دھارنا تھا جس روپ میں اُسے سرحد عبور کرنی تھی۔

صوبیدار کی موجودگی میں کرنل صاحب نے اُس کے تمام کپڑے اُتروا دیے تھے اُس کے جسم پر صرف ایک زیرِ جامہ رہ گیا تھا۔ دونوں نے باری باری اُن کپڑوں کو چیک کیا جو خان نے پہنے تھے۔ کپڑوں پر خصوصی طور سے بھارتی علاقے کی لانڈری کی مہر لگائی گئی تھی اور دونوں نے اس بات کا سخت تنقیدی نظروں سے جائزہ لیا تھا کہ ان کپڑوں میں سے کسی پر کوئی ایسی معمولی سی نشانی بھی باقی نہ رہے جو خان

Scanned and PDF by

کے پاکستانی ہونے پر دلالت کرے۔

اُسے پہننے کے لیے جو بنیان دی گئی تھی اُس میں مختلف خانے بنا کر بھارتی کرنسی نوٹ سلے ہُوئے تھے۔ زادِ راہ کے لیے الگ سے کچھ نوٹ اس کے ہاتھ میں تھمائے گئے دس پندرہ منٹ بعد جب عابد خان اُس کمرے سے برآمد ہُوا تو وہ مکمل "اوتکار پوری" بن چکا تھا۔

ہاتھ میں پکڑے کپڑے کے تھیلے میں اُس نے کچھ افیون رکھی ہوئی تھی بطور احتیاط اُسے فی الوقت "سمگلر" کے روپ میں سرحد عبور کروائی جا رہی تھی تاکہ خدانخواستہ گرفتاری کی صورت میں اُسے "جاسوس" کے بجائے "سمگلر" سمجھا جائے۔

کرنل صاحب اُسے ایک کونے میں لے گئے اور انہوں نے دوبارہ اُس سے وہ "سیف سگنل" دہرائے جو اُس نے اپنے گائیڈ کے ہاتھ اپنے "سیف اسٹیشن" پہنچنے پر اُن کی طرف بھیجنے تھے۔ اچانک خطرے کی صورت میں اپنائی جانے والی تیار شدہ پلاننگ پر بھی اور وہ کور سٹوری جس کے ساتھ عابد خان عرف اوتکار پوری کو سرحد عبور کروائی جا رہی تھی۔

اپنی تشفی کرنے پر انہوں نے صوبے دار صاحب کو قریب آنے کا اشارہ کیا اور "ایجنٹ" کی کامیاب ٹریننگ پر انہیں مبارکباد دے کر انہوں نے گرم جوشی سے عابد خان سے معانقہ کیا: "او۔ کے بوائے! مَیں تمہاری کامیابی کے لیے خدا سے دعاگو ہوں ــــ گڈ لک" ــــ انہوں نے مسکرا کر خان کی پیٹھ تھپتھپائی اور لمبے لمبے ڈگ بھرتے اُس "واپسی" کی طرف چل دیے۔ جس کے باہر ایک مستعد سفید پوش اُن کے لیے دروازہ کھولے کھڑا تھا۔

○

جب وہ نتھا سنگھ کے ساتھ جیپ میں بیٹھ کر جسے صوبیدار خود چلا رہا تھا

Scanned and PDF by Qamar Abbas

سرحدی پوسٹ کی طرف روانہ ہوا تو سورج اُن کے دائیں ہاتھ دُور تک پھیلے درختوں کے جھنڈ میں ڈوب رہا تھا۔ عابد خان قریباً گردن موڑے درختوں کے اُس سلسلے کے پیچھے جھانک رہا تھا جہاں سرمئی شام پر اچانک سیاہی غالب آنے لگی تھی۔

بادل اچانک ہی پورب کی سمت سے آئے اور انہوں نے بڑی تیزی سے سارے آسمان کو ڈھانپ لیا۔ دیکھتے دیکھتے جیپ کی ونڈسکرین دھندلا گئی۔ اونٹ پر بارش کے قطروں کا رقص اور اُس سے بلند ہوتی آوازوں نے عابد خان کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔

"بہت خوش قسمت ہو بچے!" ــــ صوبیدار نے وائپر مشین کا بٹن دباتے ہوئے اُس کی طرف کن انکھیوں سے دیکھا ــــ "ایک تو یوں بھی دیوالی کی رات ہے تمہارے یار شراب کے نشے میں بدمست اوندھے پڑے ہوں گے اور اُس پر یہ بارش ــــ عطیۂ خداوندی ہے بچے! خدا تجھے اپنی امان میں رکھے۔"

ڈاک بنگلے سے سرحدی پوسٹ تک کا فاصلہ انہوں نے قریباً دو گھنٹے میں طے کیا! بارش برس برسا کر اب تھم چکی تھی۔ نتھا سنگھ پچھلی سیٹ پر چپ چاپ بیٹھا تھا۔ اس دوران اُس نے ایک لفظ بھی مُنہ سے نہیں نکالا تھا جبکہ عابد خان اور صوبیدار صاحب آپس میں ایک آدھ بات کبھی کبھی کرتے آئے تھے۔

جیپ "پکٹ" سے قریباً آدھا میل دُور ہی روک کر صوبیدار نیچے اُتر آیا۔ اُس نے عابد کو وہیں بیٹھے رہنے کا اشارہ کیا۔ جیپ سے اُتر کر اُس نے پکٹ کی سمت ٹارچ جلا بجھا کر اُن لوگوں کو اپنی آمد سے مطلع کیا۔

چند ہی منٹ بعد پکٹ انچارج اُس کے سامنے کھڑا تھا۔ کسی اجنبی کو اُس طرف آتے دیکھ کر عابد خان نے اپنے کندھے پر رکھی چادر سے اپنا چہرہ قریباً ڈھانپ لیا تھا۔ اُسے بتایا گیا تھا کہ "رینجرز" کو اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر مُلک کی

حفاظت کے لیے سرحد عبور کرنے والے ایجنٹوں سے غائبانہ عشق ہوتا ہے اور وہ اپنے کسی بھی ایجنٹ کی شکل دیکھنا یا اُس سے مصافحہ کرنا اپنے لیے باعثِ عزت جانتے ہیں۔

اس کی شخصیت کو پوشیدہ رکھنے کے لیے اُس کے انسٹرکٹر نے انتہائی احتیاطی تدابیر اختیار کی تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ وہ پکٹ پر بھی نہیں گیا تھا۔ "پکٹ انچارج" اپنے عقیدتمندانہ جذبات پر قابو نہ رکھ سکا۔ اور وہ تمام احتیاطیں بالائے طاق رکھ کر بھی چلتا ہُوا جیپ تک آ گیا تھا۔ عابد خان نے اپنا چہرہ ننگا کیے بغیر اپنا ہاتھ اُس سے مصافحہ کے لیے باہر نکال دیا۔ جسے اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر پکٹ انچارج نے پہلے گرم جوشی سے دبایا پھر اُن پر بے اختیار جُھک کر بوسہ دیا۔

"تم جو کوئی بھی ہو میرے بیٹے اس مُلک کی آنکھیں ہو ــــ خدا ان آنکھوں کی حفاظت کرے۔ میری خوش قسمتی ہے کہ تم لوگوں کے ساتھ سرحد تک چلنے کا اعزاز مجھے میسّر آ رہا ہے۔ اللہ تمہیں اپنی امان میں رکھے۔"

وہ عابد کا ہاتھ چھوڑ کر اُلٹے قدموں پیچھے ہٹ گیا۔ عابد کے ہونٹ لرزے اور محض "شکریہ" کا لفظ کہہ کر اُس نے خاموشی اختیار کر لی۔ پچھلی سیٹ پر بیٹھا نتھا سنگھ ماحول سے بالکل بے نیاز دکھائی دے رہا تھا۔ اُس نے بھی عابد خان کی طرح اپنا چہرہ پگڑی کے پلّو سے ڈھانپ رکھا تھا۔

"باہر آؤ بچے!" ــــ صوبیدار نے اُس کے قریب پہنچ کر سرگوشی کی۔

عابد اپنے کپڑے کے تھیلے سمیت باہر آ گیا۔ اُن کے سفر کا آغاز ہونے والا تھا۔ اب اُس کا بوڑھا انسٹرکٹر جس نے جی جان سے چھ ماہ تک اُسے تربیت کے کٹھن مراحل سے گزارا تھا۔ اُس سے الوداعی کلمات کہنے جا رہا تھا۔ عابد خان ڈاک بنگلے سے یہاں تک صرف یہی ایک بات سوچتا آ رہا تھا کہ اس "الوداعی لمحے" پر اس

کا ردِ عمل کیا ہوگا؟

اُس کا محترم اُستاد اُسے کیا کہے گا؟ وہ خود اس سے کیا باتیں کرے گا؟ دونوں ایک دوسرے سے کیا کہہ سُن کر الگ ہوں گے ـــــ اور اب وہ لمحہ آن پہنچا تھا۔ نتھا سنگھ ابھی تک جیپ کے اندر ہی بیٹھا تھا۔ صوبیدار اُس کا ہاتھ پکڑے اُسے جیپ سے چند فٹ دُور لے گیا۔ وہ مُنہ ہی مُنہ میں کچھ قرآنی آیات کا وِرد کر رہا تھا۔ ایک جگہ رُک کر اُس نے خان پر پھونک ماری، پھر دوبارہ کچھ پڑھا اور شفقت بھری نظروں سے دیکھتے ہُوئے اُس پر پھر پھونکا۔

"میرے بچے! ہمیں اب الگ ہونا ہے میرا رواں رواں خدا سے تمہاری کامیابی اور واپسی کے لیے دعا گو ہے۔ تم خوش قسمت ہو کہ یہ سعادت تمہیں نصیب ہو رہی ہے ـــــ بچے! معلوم نہیں اب زندگی میں کتنی دیر بعد ملاقات ہوگی۔ میں یہاں رہوں گا بھی یا کہیں اور چلا جاؤں گا۔ میری ایک آخری بات غور سے سُن لینا۔ موت سے فرار نہیں ـــــ مرنا دُنیا کی بڑی تلخ سچائی ہے لیکن کسی عظیم مقصد کے حصول کی راہ میں موت آجائے تو اس سے بڑی خوش قسمتی اور کیا ہوگی۔"

عابد خان کے ہونٹ لرزے: "اوکے سر۔"

اُس نے بڑی مشکل سے اپنی جذباتی حالت پر قابو پایا ہوا تھا۔ پچھلے چھ ماہ تک وہ دونوں ایسے انجانے لیکن بے حد مضبوط رشتے میں بندھے رہے تھے کہ ایک بے نام سا تعلق دونوں کے درمیان بندھ چلا تھا۔ اس تعلق کی مضبوطی کا اندازہ عابد خان کو آج اس وقت ہُوا تھا، جب اُس کا بوڑھا اُستاد اُس سے الوداعی ملاقات کر رہا تھا۔ اُسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اُس کی کوئی انتہائی عزیز شے اُس سے چھن رہی ہو ـــــ یہ لمحے اُس پر بڑے شاق گزر رہے تھے۔

قریبی جھاڑیوں میں ہونے والی سرسراہٹ نے اُسے ایکدم چوکنا کر دیا لیکن

Scanned and Proof by: Qamar Abbas

اپنے انسٹرکٹر کو صورتِ حال سے لاتعلق دیکھ کر وہ مطمئن ہو گیا۔

"چہرہ چھپا لو ـــــ!" صوبیدار نے سرگوشی کی۔

دوسرے ہی لمحے اُن کے نزدیک دو مستعد رینجرز اپنے کمپنی کمانڈر سمیت موجود تھے۔

"تیار جوان" ـــــ صوبیدار نے خالص فوجی لہجے میں اُنہیں مخاطب کیا۔

"جی صاحب" ـــــ دونوں کی ایڑیاں مل گئیں۔

"آؤ بچے" ـــــ صوبیدار صاحب اُس کا ہاتھ پکڑ کر دوبارہ جیپ کے نزدیک چلے گئے۔ نتھا سنگھ کو انہوں نے باہر آنے کے لیے کہا اور اپنی جیب سے "وکس" کی ڈبیا نکال کر کھولی، ایک گولی انہوں نے اپنے ہاتھ سے عابد خان کے مُنہ میں ڈال دی اور دو تین گولیاں نکال کر اُس کی جیب میں ڈال دیں۔

"نتھا سیماں بچے کو پھولوں پر چلا کر لے جانا" ـــــ اُن کا لہجہ خاصا جذباتی ہو رہا تھا۔

زمین پر بیٹھ کر انہوں نے عابد خان کے پاؤں میں پہنے کینوس کے جوتوں کے تسموں پر ہاتھ پھیر کر چیک کیا اور کھڑے ہو گئے۔

"اگر وقت محسوس ہو تو اُتار دینا۔" آخری لمحے تک وہ اپنے عزیز شاگرد پر کامل نظر رکھے ہُوئے تھے۔

رینجرز اب اُن کے نزدیک آ گئے تھے۔ صوبیدار صاحب نے ہاتھ پر بندھی گھڑی کے ڈائل پر نظر ڈالی۔ پھر عابد خان کے دونوں گال اپنے ہاتھوں سے تھپتھپا کر اُسے اپنے سینے سے چمٹایا۔ انہوں نے خان کے ماتھے پر بوسہ دے کر اُسے خود سے الگ کیا۔ اُس کے دونوں کندھوں پر ہاتھ رکھ کر اُس کی آنکھوں میں جھانکا۔ مسکراہٹ اپنے چہرے پر لا کر انہوں نے خان کو "فی امان اللہ" کہا اور دوبارہ اُس

Scanend and PDF by: Qamar Abbas

وہ رُک کر ایک نظر مُڑ کر اُس کی طرف دیکھ کر اپنا اطمینان کر لیتا ـــــ انہیں دس پندرہ میل تک پیدل راستے طے کرنا تھا۔ اُس کے اندازے کے مطابق اُن لوگوں نے بمشکل تین چار میل کا راستہ ہی طے کیا تھا کہ نتھا سنگھ زمین پر بیٹھ گیا۔

یہ اس بات کا اشارہ تھا کہ خان رک جائے وہ اُس سے کسی معاملے میں مشاورت کرنا چاہتا تھا۔ خان فوراً جُھک گیا اور جُھکا جُھکا ہی اس کے نزدیک آکر اُس کے قریباً ساتھ لگ کر بیٹھ گیا۔ اُس نے خان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر سامنے کی سمت اشارہ کیا۔ بہت دُور اُس کی انگلیوں کی سیدھ میں کبھی کبھی کوئی شعلے یا چنگاریاں اُسے پھُوٹتے ہوئے دکھائی دے رہی تھیں۔ آسمان پر کہیں کہیں اِکا دُکا تارہ بھی جھلملاتا ہوا نظر آنے لگا تھا ـــــ بادل اب پھٹ کر ٹکڑیوں کی شکل میں پھیل رہا تھا۔ لیکن چاند کو بہرحال اُنھوں نے اپنے دامن میں چھپا رکھا تھا۔

"کیا ہے یہ؟" خان نے اُس کے کان میں سرگوشی کی۔

"سامنے ڈھوک دال گاؤں ہے۔ یہاں سے قریباً سوا ڈیڑھ کوس میرے" نتھا سنگھ بولا "لوگ شاید دیوالی منا رہے ہیں ـــــ ہم دوسرا راستہ اختیار کر لیتے ہیں" خان نے اپنی رائے پیش کی۔

"نہیں" نتھا سنگھ اس کی طرف جُھکا "سب سے محفوظ راستہ یہی ہے۔ دیوالی کی وجہ سے دوسری طرف "پیشل ناکے" بھی لگ سکتے ہیں۔ وہ لوگ جانتے ہیں کہ آج بہت سے لوگ "بارڈر توڑیں گے ـــــ"

"پھر کیا کیا جائے؟"

میرا خیال ہے کہ سامنے کھیت میں بیٹھ کر تھوڑی دیر انتظار کرتے ہیں"

"ٹھیک ہے" ـــــ نتھا سنگھ کے ساتھ وہ ابھی کسی بھی معاملے پر جرح کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔

نتھا سنگھ اُٹھ کر کھڑا ہو گیا جب کہ خان اپنی جگہ بیٹھا رہا۔ نتھا سنگھ بڑے محتاط قدموں پر چلتا ہوا اُس کھیت تک پہنچا، جسے اُن دونوں کی جائے پناہ بننا تھا۔ اندر گھس کر اُس نے حالات کا بنظرِ عمیق جائزہ لیا اور ایک کُنج عافیت تاڑنے کے بعد واپس خان کے پاس پہنچ گیا۔

خان سے کچھ فاصلے ہی پر رُک کر اُس نے ہاتھوں کے مخصوص اشارے سے اُسے "محفوظ سگنل" دیا اور قریب آنے کا اشارہ کیا۔ عابد خان دبلے قدموں چلتا ہوا اُس کے پاس پہنچ گیا۔ پھر وہ نتھا سنگھ کے تعاقب میں کھیت میں گھس گئے۔ ایک جگہ قدرے خلا دیکھ کر نتھا سنگھ نے اپنے تھیلے سے چادر نکال کر بچھا دی۔ دونوں وہیں بیٹھ گئے۔

○

نتھا سنگھ نے جیب سے بیڑی کا بنڈل نکال کر ایک بیڑی اُس کی طرف بڑھا دی ـــــ "شکر نا میں سفر میں رات کے وقت بیڑی نہیں پیتا" عابد خان نے کہا اور وہ سوچنے لگا: "اُس نے بیڑی کیوں سلگائی ہے، جبکہ کسی محفوظ مقام پر پہنچنے سے پہلے گائیڈ کو سگریٹ نوشی کی ممانعت کی جاتی ہے"

"کون پروا کرتا ہے ایسے ضابطوں کی۔ پھر یہ کوئی پڑھا لکھا جاسوس تو ہے نہیں ہے تو جاہل سا سمگلر جو پاکستان انٹیلی جنس کے لیے کام کر رہا ہے" اُس نے سوچا اور ذہن میں پیدا ہونے والے شبہات کا وہیں گلا گھونٹ دیا۔

نتھا سنگھ نے دونوں ہاتھوں کی اوٹ میں بڑی احتیاط سے سر پر پگڑی کا سایہ کر کے بیڑی سلگائی۔ اُس کا بیڑی سلگانے کا طریقہ اتنا محفوظ تھا کہ عابد خان کے ذہن سے رہے سہے خدشات بھی نکل گئے۔ وہ مطمئن ہو کر بیٹھ گیا۔

"شکر نا مہاراج جی!" نتھا سنگھ نے بیڑی کا لمبا کش لے کر اُسے ہاتھوں میں

Scanned and PDF by Qamar Abbas

چھپائے ہوئے کہا۔

"ہم جیسی لوگ ہیں نشہ پانی کے بغیر ایک قدم نہیں چل سکتے۔"

"کوئی بات نہیں۔" خان نے جوابی سرگوشی کی۔

"آپ کا شاید یہ پہلا مشن ہے۔" اُس نے اچانک ہی سوال داغ دیا۔

عابد خان نے بڑی اُلجھی ہوئی نظروں سے اُس کی طرف دیکھا لیکن وہ کسی اور طرف دیکھ رہا تھا۔ یہ سوال بالکل خلافِ توقع تھا۔ وہ ضوابط کی مکمل خلاف ورزی کرنے لگا تھا۔

"میں سمجھا نہیں۔ کیا کہہ رہے ہو تم؟"

"بڑا مت مانو پوری صاحب۔" نتھا سنگھ نے شاید اُس کا موڈ پہچان لیا تھا۔ "ہمارا آپ کا ساتھ تو اب بڑا لمبا ہوگا۔ ٹریننگ کی ہر بات پر عمل نہیں کیا جاتا۔ ہمیں ایک دوسرے کو اعتماد میں تو لینا ہی پڑتا ہے۔ ممکن ہے میں آپ کے کسی کام آسکوں۔ آپ کی کوئی مدد کرسکوں۔۔۔۔"

"بہت دھنوادی ہوں میں تمہارا نتھا سنگھ!" عابد خان کی سرگوشی خاصی تیز تھی۔ "لیکن ہم دونوں بہرحال ایک معاہدے کے پابند ہیں اور میرے خیال سے بہتر یہی ہے کہ ہم معاہدے کا احترام کریں۔"

"ٹھیک ہے مہاراج جی! ٹھیک ہے! جیسی آپ کی اچھیا (مرضی)۔" بڑی مکاری سے اس نے بات کا پانسہ پلٹ دیا۔

دونوں تقریباً آدھ گھنٹہ خاموش بیٹھے رہے۔

"میرے خیال سے اب چلنا چاہیئے؟" خان بولا۔

"ٹھیک ہے پوری صاحب۔" نتھا سنگھ نے کہا اور اُٹھ کھڑا ہوا۔

دونوں باہر آگئے۔

ڈھولن وال کی روشنیاں جوں کی توں برقرار تھیں۔ نتھا سنگھ کسی سوچ میں پڑ گیا۔ وہ دونوں جنگلی گھاس کے ایک وسیع سلسلے کے بیچ کھڑے تھے جو اُن کے گرداگرد میلوں تک پھیلتا چلا گیا تھا۔

"میں ذرا حالات کا جائزہ لے لوں۔" نتھا سنگھ نے اچانک ہی کسی فیصلے پر پہنچتے ہوئے کہا۔

"یار کس چکر میں پڑ گئے ہو، ہم کوئی دوسرا راستہ اپنا لیتے ہیں۔" خان نے بے تکلفی سے اپنے اور اُس کے درمیان پیدا ہونے والے تناؤ کو کم کرنا چاہا۔

"پوری صاحب! آپ کو ممبئی تک پہنچانا میری ذمہ داری ہے۔" اُس نے فیصلہ کن لہجے میں خان کو وارننگ دی۔

واقعی وہ ممبئی تک اُس کی "حفاظت" کم از کم اس حد تک کرنے کا پابند تھا کہ اُسی راستے پر سفر کرے جس کا انتخاب نتھا سنگھ کرے۔ خان چپکا ہو رہا۔

"تم یہاں اس برجی کے پاس بیٹھو۔" نتھا سنگھ نے ایک برجی کی طرف اشارہ کیا۔ "میں آدھ گھنٹے تک لازماً واپس آجاؤں گا۔ میرے خیال سے رات اسی گاؤں میں گزارتے ہیں۔ یہاں میرے "جوڑی دار" موجود ہیں۔"

وہ جانے کے لیے مڑا لیکن پھر رُک کر خان کے نزدیک بیٹھ گیا۔ "ایک چکر چلانا پڑے گا۔" اُس نے سرگوشی کی۔

"کیا؟"

"ڈھولن وال کے باہر ہی میرے یار کیسر سنگھ کی حویلی ہے میں تمہارا تعارف "نئی پارٹی" کی حیثیت سے کراؤں گا اور اُسے بتاؤں گا کہ ہم "مال" لے کر جس پارٹی کے لیے آئے تھے وہ لوگ "اٹ" (جہاں سمگلر آپس میں ملاپ کر کے "مال" کا تبادلہ کرتے ہیں) پر نہیں آسکے اور اُسے بتاؤں گا کہ میں نے تم لوگوں کو راضی کر لیا ہے کہ "مال"

کا "معاملہ" کیسر سنگھ سے طے کریں۔ یہ لالچ دے کر ہم اُس کے پاس رات گزار لیں گے۔ تم یوں کرو کہ مجھے یہ افیون دے دو جو تمہارے پاس ہے۔ یہی اُسے دکھا کر لالچ دوں گا اور کہہ دیں گے کہ باقی مال صبح" ناکے اٹھنے کے بعد آدمی لے کر آئے گا۔ صبح ہم اُس کے بیدار ہونے سے پہلے نکل جائیں گے۔ میں اُسے ذرا زیادہ پلا دوں گا یوں بھی آج دیوالی کی رات ہے نا اس نے پہلے بھی پی رکھی ہوگی۔"

ایک لمحے کے لیے خان نے کچھ سوچا اور اپنے تھیلے سے افیم نکال کر اُسے تھما دی۔ اُس لمحے اس کے لیے سوا اس کے اور کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہ نتھا سنگھ کی ہر ہاں میں ہاں ملائے اور بس۔

○

نتھا سنگھ کو گئے دس پندرہ منٹ ہونے کو آئے تھے اور خان کی تیس سوچے سوچتے پھٹنے لگی تھیں۔ وہ ابھی تک کسی فیصلے پر نہیں پہنچ سکا تھا۔

"—— بچے، جو گردن کے اُوپر کُدو رکھا ہے نا، جو کچھ ہے بس اسی میں ہے اور اسی سے ہے! وہاں تمہارے لیے کوئی مجلس عاملہ نہیں ہوگی جس کے ساتھ مشورہ کر کے تم کسی نتیجے پر پہنچ سکو۔ بس تم ہو گے بچے!! اور اللہ کی ذات۔ کسی بھی نتیجے یا فیصلے پر فوراً پہنچنا ہوگا۔ اور یہ تب ہی ممکن ہے جب تمہارے اعصاب گھبرا کر جواب نہ دے جائیں۔ اپنی ذات پر اعتماد اور اللہ پر بھروسہ ہی تمہارے بہترین ہتھیار ہیں۔" بوڑھے صوبیدار میجر نے اُس کی راہنمائی کی۔

"ڈبل کراس"—— اُس نے بڑبڑاتے ہوئے نفرت سے ہونٹ سکوڑے۔

دوسرے ہی لمحے وہ بجلی کی سی پھرتی سے برجی عبور کر کے دوسری طرف پہنچ چکا تھا۔ گاؤں کے کھیتوں کی طرف جانے والے راستے پر جہاں سے ابھی نتھا سنگھ گزر کر گیا تھا وہ ہرن کی طرح قلانچیں بھرتا قریباً آدھ میل آگے نکل آیا تھا—— اگر

Scanned and PDF by Qaisar Abbas

وہ ایسا کیا تو ٹھیک ہے.... ورنہ....." اُس نے سوچا اور وہیں دُبک کر بیٹھ گیا۔

اُس کی مُراد جلد ہی بر آئی۔ دُور سے آتے قدموں کی چاپ اُس کے حساس کانوں تک بآسانی پہنچ رہی تھی لیکن یہ کیا؛ قدم دو سے بہر حال زیادہ تھے۔

"نتھا سنگھ غدار! ڈبل کراس ——" اُس نے دانت پیسے۔

ابتدا ہی میں ناموافق حالات نے اُسے خوفزدہ کرنے کے بجائے اُس کی صلاحیتوں کو جلا بخشی تھی۔ پہلے تو اس نے چُپ چاپ یہاں سے نکل جانے کا سوچا لیکن پھر رُک گیا۔ وہ نتھا سنگھ کو معاف نہیں کر سکتا تھا۔

آنے والے تین تھے۔ دو نے رائفلیں اٹھا رکھی تھیں اُن کا تعلق بی۔ ایس۔ ایف (بارڈر سیکورٹی فورس) سے تھا۔ تینوں اونکار پوری کو "ترنوالہ" جان کر بڑے اطمینان سے چلے آ رہے تھے۔ دیوالی کی رات تھی اور آنے والے دونوں کا اندازہ بتا رہا تھا کہ وہ پیئے ہوئے ہیں۔

نتھا سنگھ خان سے بمشکل پانچ چھ قدم دُور ہی رُک گیا۔ اُس نے ہاتھ کے اشارے سے اپنے ہمراہیوں کو اُس مخصوص جگہ کی نشاندہی کروائی جہاں وہ اُن کے شکار کو بٹھا کر آیا تھا۔ دونوں نتھا سنگھ کے ہاتھ پر باری باری ہاتھ مار کر آگے نکل گئے۔ انہوں نے اپنی رائفلوں کو چھتیا لیا تھا اور اب جنگی فارمیشن میں بڑی احتیاط سے گھاس کے سلسلے میں گھس کر آگے بڑھ رہے تھے۔ شاید وہ چکر کاٹ کر اچانک ہی پاکستانی جاسوس اونکار پوری کے سر پر پہنچنا چاہتے تھے۔

اُن کے لمبی گھاس میں گھستے ہی خان نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ اُس کی رگوں میں اب خون کے بجائے نفرت اور نتھا سنگھ سے انتقام کے شرارے تڑپنے لگے تھے۔ اپنے کندھے پر رکھے پرنے (چادر) کو اُس نے بل دے کر رسّی کی شکل دے لی تھی اور بلی کی طرح بے آواز پنجوں پر چلتا نتھا سنگھ کے سر پر پہنچ گیا۔

Scanend and PDF by Qamar Abbas

نتھا سنگھ کو خبر تب ہوئی جب خان نے اُس کے گلے میں پیچھے سے رسّی ڈال کر اُسے پھانسی کے پھندے کی شکل دے دی تھی۔ نتھا سنگھ اچانک بوکھلا کر زمین پر گر پڑا تھا۔ اس سے پہلے کہ اُس کے مُنہ سے کوئی معمولی سی آواز بھی نکلتی۔ رسّی چھوڑ کر خان نے بجلی کی سی پھرتی سے دونوں ہاتھوں سے اُس کی گردن کے گرد شکنجہ تان دیا۔

اُس کی تمام نفرت اور انتقام اُس کے ہاتھوں میں سمٹ آئے تھے۔ نتھا سنگھ کی آنکھیں پھیل کر پھٹنے کو آگئیں اور خان کی آنکھوں میں دہکتے انگارے اپنی انتہائی شدت کو چھونے لگے تھے۔ نتھا سنگھ تڑپا، تلملایا لیکن اُس گرفت سے نجات اُن کے لیے ممکن نہ تھی جو آہنی شکنجے کی طرح اُس کا گلا دبا رہی تھی ——— وہ بے بس بکرے کی طرح ڈکراتا ہُوا بالآخر اپنے انجام کو پہنچ گیا۔

یہ سارا عمل بمشکل تین یا چار منٹ میں تکمیل کو پہنچ گیا تھا۔ خان نے اُس کی گردن میں گڑی انگلیاں باہر کھینچیں اور کھڑے ہو کر اُس کی پسلیوں میں ٹھوکر مار کر اپنی نفرت کو تسکین دی۔

○

چند سیکنڈ کے بعد ہی وہ اس قابل ہو چکا تھا کہ صورتِ حال کی سنگینی کا احساس کر سکے۔ نتھا سنگھ کی لاش اُس نے ٹانگوں سے پکڑ کر گھاس کے اندر کی اور دُور تک اُسے گھسیٹتا چلا گیا۔ پھر اُس نے لاش کو وہیں پھینکا اور گھاس کے اندر ہی اندر سامنے والے گاؤں کی طرف تیزی سے ہاتھوں کے بل بھاگنے لگا۔

خان کی حالت اُس غضب ناک چیتے کی سی ہو چلی تھی جو ہانکا کرنے والوں کے گھیرے میں آچکا ہو۔ وہ جانتا تھا کہ بمشکل دس منٹ بعد ہی دونوں سرکاری اہلکاروں کو علم ہو جائے گا کہ "پاک سپاہی" اُن کو چکمہ دے گیا ہے اور نتھا سنگھ کی لاش بھی وہ

اگلے دس پندرہ منٹ بعد ہی دریافت کر لیں گے۔ وہاں سے پکٹ تک پہنچنے میں انہیں مزید پندرہ بیس منٹ لگیں گے۔ اس کے بعد اس علاقے پر وہ لوگ شکاری کتوں کی طرح اُس کی تلاش شروع کر دیں گے۔

اور صبح تک موقعہ واردات سے کھوجی اُس کا "کھُرا" بھی اٹھا لیں گے۔

اُس نے اس بات کا خاص خیال رکھا تھا کہ اپنے سے متعلق کوئی کھوج بھی وہ موقعہ واردات پر نہ رہنے دے تاکہ وہ لوگ کتوں کو اس کی خوشبو سے آشنائی بہم پہنچا کر اُس کے پیچھے نہ لگا دیں۔

خان کو بڑھے انسٹرکٹر کی وہ باتیں یاد آرہی تھیں جو دم رخصتیں اس نے کہی تھیں۔ اس نے ماجد خان کو بتایا تھا "بچے! یہ لانچنگ پیڈ، جس سے ہم تمہیں گرا رہے ہیں بہت محفوظ بھی ہے اور بہت خطرناک بھی۔ کبھی کبھی یہ "کوریئر" (گائیڈ) ڈبل کراس بھی کر جاتے ہیں۔ ہم مکمل چھان بین کر کے ہی آدمی گانٹھتے ہیں لیکن یہ بات کبھی نہ بھولنا کہ جو شخص چند ہزار روپے کے لیے اپنے ملک سے غداری پر آمادہ ہو جائے، وہ تمہیں بھی مزید چند ہزار روپے کی خاطر دھوکہ دے سکتا ہے۔ ہم پچھلے دو سال سے یہ لانچنگ پیڈ استعمال کر رہے ہیں اور کبھی کوئی "پارسل" غلط ایڈریس پر نہیں پہنچا ——— لیکن پچھلے تین چار ماہ سے اِدھر کچھ گڑبڑ ہو رہی ہے۔ ایک اُدھر کا کوریئر ڈبل کراس کر گیا تھا اور اُس نے ہمارا بہت پیارا ایجنٹ پکڑوا دیا ——— کچھ دن پہلے بھی ایسا ہی ایک واقعہ ہُوا تھا، اُدھر سے ایک ایجنٹ واپس آرہا تھا کہ ..... صوبیدار نے اپنی بات نامکمل چھوڑ دی تھی شاید اُسے محسوس ہونے لگا تھا کہ اُسے یہ سب کچھ خان کو نہیں بتانا چاہیئے۔

"بچے! اچھا سپاہی حالات کے مثبت سے زیادہ منفی پہلو پر نظر رکھتا ہے۔ ہمیں گائیڈ پر شک نہیں کرنا چاہیئے، لیکن اپنی آنکھیں ہمیشہ کھُلی رکھنا۔"

Scanend and Pdf by: Qamar Abbas

اُسے خوامخواہ اپنے اِس باپ کی طرح شفیق انسٹرکٹر سے ایک عقیدت سی ہو چلی تھی جو اُس کے سامنے مختلف ایجنٹوں کے تجربات دھراتے ہوئے ہمیشہ یہی کہا کرتا تھا: "بچے ان لوگوں کی "لائن" کبھی جوں کی توں نہ اپنانا، اس میں کوئی نہ کوئی جدت ضرور پیدا کرنا۔ یاد رکھو اچھا جاسوس موقعے سے صرف فائدہ ہی نہیں اُٹھاتا بلکہ مواقعے بھی خود ہی پیدا کرتا ہے۔"

خان بڑا ہونہار شاگرد تھا اس کی ٹریننگ کے خاتمے پر جب اُس کے ڈائریکٹر جنرل صاحب اُس سے ملے تھے تو صوبیدار صاحب نے اُن کے سامنے مستعد ہوتے ہوئے کہا تھا: "سر! میرا دل گواہی دیتا ہے میرا یہ شاگرد ملک و قوم اور اپنے اُستاد کا نام ضرور بلند کرے گا۔"

خان کو احساس تھا کہ اس کے انسٹرکٹر کو کتنا اعتماد ہے اُس پر آج نتھا سنگھ کو اپنے ہاتھوں موت کے گھاٹ اُتار کر اُس نے اس اعتماد پر نہ صرف صد تصدیق ثبت کر دی تھی بلکہ اُن دو ساتھیوں کی گرفتاری کا ایک طرح سے انتظام بھی کر لیا تھا۔

وہ گھاس کے اندر ہی اندر چلتا چلا جا رہا تھا۔ اپنی تربیت کے مطابق اب اُس کو "پہلی پلاننگ" ختم کر کے "دوسری سکیم" پر عمل پیرا ہونا تھا جس کے مطابق اب اس کو "آر۔ڈی" (جہاں جاسوس ملاپ کرتے ہیں) "لاپنگ سٹیشن" اور "سیف ہاؤس" کو بدلنا تھا ——— وہ سوچنے لگا:

لکسر کی بجائے اب اُس کی منزل بٹھنڈہ تھی۔

وہ جانتا تھا کہ ٹریننگ کے مطابق جب وقت پر وہ "آر۔ڈی پوائنٹ" پر نہ ملا تو "مقامی دوست" جنہوں نے اُس سے "پی۔ایم" (رابطہ) کرنا ہوگا اُسے دوسرے سٹیشن پر "ملاپ" کریں گے۔

صبح ہونے تک اس سرحدی قصبے کے چپے چپے پر بھارتی کاؤنٹر انٹیلی جنس

کا قبضہ ہونے والا تھا۔ وہ لوگ اُس کے لیے اس علاقے سے نکلنے کے تمام راستے مسدود کر سکتے تھے۔ خان سمجھتا تھا کہ بس سٹینڈ یا کوئی بھی ایسی جگہ جہاں سے کوئی بھی ذریعہ رواگی میسر آ سکے "اُن لوگوں" کی کڑی نگرانی میں ہو گی۔

صبح ہونے تک اُسے بہرحال اس قصبے سے نکل جانا تھا۔ اور خان کو یہ تک علم نہیں تھا کہ وہ اِس وقت کہاں ہے۔ کون سے راستے پر چل رہا ہے؛ وہ راستہ "محفوظ" بھی ہے یا نہیں؟

○

نتھا سنگھ پچھلے سات آٹھ ماہ سے پاکستان انٹیلی جنس کے لیے خدمات انجام دے رہا تھا۔ سنگھ کا پیشہ اُسے وراثت میں منتقل ہوا تھا۔ وہ بچہ تھا جب اُس نے پہلی مرتبہ اپنے "باپو" کے ساتھ "غیر قانونی طور پر سرحد عبور کی تھی۔ پھر ایک روز اُس کا باپ بھی اس کے چاچا کی طرح "پلس مقابلے" میں سرحد پر مارا گیا۔ وہ اپنے دونوں بھائیوں سے بڑا تھا اس لیے اب کاروبار کی ساری ذمہ داری اُس کے کندھوں پر آ پڑی تھی۔

نتھا سنگھ نے پانچ سال تک جی جان سے کام کیا۔ اُس نے کبھی "ناکہ نہیں بھرا تھا"۔ وہ اپنے باپ کی طرح ہمیشہ بغیر ناکہ دیے "اَٹ" لگایا کرتا تھا۔ ایک روز وہ قابو آ گیا۔ "رشوت" کی مار کمانے کا اُس کا اوّلین تجربہ، گو کہ بڑا جان لیوا تھا لیکن وہ "جوانوں" کی طرح اپنی جان پر بوجھ ریمانڈ جھیل گیا۔

چھوٹے بھائی کی بے وقت موت اور "دشمنی" نے اُسے مجبور کر دیا تھا کہ اب وہ بھی اس دھندے سے متعلق "کامیاب سنگھوں" کی طرح کوئی مضبوط سہارا تلاش کرے بچپن ہی سے وہ دیکھتا چلا آ رہا تھا۔ کہ بھارتی سیکورٹی کے افسران اُس کے خاندان کے ساتھ کتنا بُرا اور بہیمانہ سلوک کرتے آ رہے تھے۔ اُس کے لاشعور میں جو نفرت

Scanned and PDF by: Qamar Abbas

اپنی سیکورٹی کے خلاف پیدا ہو چکی تھی وہ کبھی نہ نکل سکی۔

سرحد پار کے اُس کے دوست "گامے" نے اُس کا تعارف پاکستانی سیکورٹی کے ساتھ کروایا۔ اُن لوگوں کے "حسن سلوک" اور "کھلے بھاؤ" نے نتھا سنگھ کو اتنا متاثر کیا کہ وہ پہلی ہی ملاقات میں اُن کے لیے "خدمات" انجام دینے پر رضامند ہو گیا۔ پھر یہ کام اُس کے لیے تھا بھی کوئی مشکل۔

بس کسی ایجنٹ کو اُدھر سے اِدھر پہنچا دینا اور کبھی کسی کو اِدھر سے اُدھر لے جانا اور اس معمولی سے کام کے مقابلے میں اُسے کتنی مراعات حاصل تھیں۔ وہ کافی عرصہ تک بڑی ایمانداری سے اپنی ڈیوٹی انجام دیتا رہا۔

ایک روز جب وہ ابھی ایک ایجنٹ کو سرحد عبور کروانے کے بعد بس پر سوار کروا کر واپس ہی لوٹا تھا تو اُس کی حویلی کے سامنے پی۔ ایس۔ ایف کی دو جیپیں آ کر رُک گئیں۔ مقامی پولیس کا عملہ بھی اُن کے ہمراہ تھا۔ اُن لوگوں نے بغیر وجہ بتائے اُسے گرفتار کر لیا۔ بات اگر مقامی تھانے تک ہی رہتی تو نتھا سنگھ اُسے آسانی سے سنبھال لیتا۔ لیکن اس مرتبہ وہ لوگ اُسے سیدھے "امرتسر انٹروگیشن سنٹر" لے گئے تھے۔

نتھا سنگھ نے کئی تفتیشیں کاٹی تھیں لیکن اس سنٹر میں ایک ہفتے کے ریمانڈ ہی نے اُسے توڑ کر رکھ دیا۔ وہ اپنے "صدق" پر آخری دم تک قائم رہتا لیکن اُس کے کیس انچارج ڈی۔ ایس۔ پی شرما نے ہار ماننا سیکھا ہی نہیں تھا۔ ریمانڈ ختم ہونے سے دو روز پیشتر ہی وہ لوگ اُس کی اکلوتی بہن کو لے آئے۔

جب زنجیروں میں بندھے نتھا سنگھ کے سامنے اس کی بہن کو نیم برہنہ حالت میں لایا گیا اور ڈی۔ ایس۔ پی نے ایک قطار میں کھڑے سٹاف کے مشٹنڈوں کی طرف اشارہ کر کے اُسے سنگین حالات پیش آنے کی وارننگ دی تو نتھا سنگھ کو یوں

لگا جیسے اُس کا سارا وجود مٹی ہو کر رہ گیا ہو۔

شرما نے بڑا اوچھا لیکن انتہائی بھرپور وار کیا تھا۔ اس کے پیچھے قطار میں کھڑے مشٹنڈے سپاہی جس طرح بھوکی اور کھا جانے والی نظروں سے اُس کی بہن جیتو کو گھور رہے تھے، وہ منظر نتھا سنگھ جیسے خاندانی بدمعاش کو پاگل کر دینے کے لیے کافی تھا۔ اُس نے بارہ روز مسلسل دن رات مار کھائی — اور اپنے جُرم کا اقرار نہیں کیا تھا لیکن جیتو کو سامنے دیکھ کر دوسرے ہی منٹ میں وہ پگھل کر رہ گیا۔

"شرما! میں ہار گیا" اُس نے ٹوٹتی اور ڈوبتی آواز سے ڈی۔ ایس۔ پی کو مخاطب کیا "اپنے ان بھیڑیوں کو یہاں سے دفع کر دو! جیتو کو چھوڑ دو! میں اقبال جُرم کرتا ہوں"

شرما نے نتھا سنگھ کی ہار کو پرماتما کی طرف سے گھنٹ جاتے ہوئے فوراً اپنے "لازموں" کو وہاں سے "دفع" ہو جانے کے لیے کہا اور حوالدار کو حکم دیا کہ وہ نتھا سنگھ کو کھول کر اُس کے دفتر میں لے آئے۔

نتھا سنگھ دفتر میں پہنچا تو جیتو اس کے گلے لگ کر ہچکیاں لے لے کر رو دی۔ اُس روز نتھا سنگھ کو شدت سے احساس ہوا کہ وہ صرف سمگلر اور بدمعاش ہی نہیں ایک بہن کا بھائی بھی ہے۔

"جیتو! کاش تو نے میری ماں کے بطن سے جنم لیا ہوتا" اُس نے دل ہی دل میں کہا اور اپنی بہن کو خود سے الگ کر دیا۔

"شرما صاحب! پہلے جیتو کو یہاں سے نکالو اور مجھے گیتا پر حلف دو کہ آئندہ کبھی ایسی "ذلیل حرکت" نہیں کرو گے۔ اس کے بعد میں اگلی بات کروں گا ——" اُس نے ڈی۔ ایس۔ پی کو مخاطب کیا۔

شرما نے چند لمحے کے لیے گردن جھکا کر کچھ سوچا۔ وہ نتھا سنگھ کی ناراضی کا خطرہ

Scanned and FC by Qamar Abbas

اب مول نہیں لے سکتا تھا۔ اُسے اِس بات پر فخر تھا کہ جو کام بڑے بڑے جغادری افسر نہ کر سکے، وہ "کمانڈو" اُس کے ہاتھوں انجام پا گیا ـــــ اُس نے نتھا سنگھ کو اغوا کر کے تمام پرانے افسروں کا ریکارڈ توڑ دیا تھا۔

"ٹھیک ہے نتھا سیاں" اُس نے نتھا سنگھ کی آنکھوں میں جھانکا۔

انٹروگیشن سنٹر کے باہر والے مندر سے اُس نے "مقدس گیتا" منگوائی اور اُس پر ہاتھ رکھ کر حلف دیا کہ اگر نتھا سنگھ اُن لوگوں کی مرضی کے مطابق کام کرتا رہا تو وہ کبھی جیتو پر دوبارہ ہاتھ نہیں ڈالیں گے۔

جیتو کو نتھا سنگھ کے سامنے اُس کے ماموں کے ساتھ وہاں سے رخصت کر دیا گیا۔ اُس ماموں کو بھی وہ لوگ جیتو کے ساتھ ہی باندھ لائے تھے۔ نتھا سنگھ کے لیے وہیں سگریٹ اور شراب منگوا لی گئی اور وہ طوطے کی طرح بولنے لگا۔

○

تیسرے ہی روز اُس نے ایک "پاک سپائی" کو جس نے اپنا مشن مکمل ہونے پر اس کے ساتھ پار جانا تھا۔ بھارتی سیکورٹی کے ہاتھوں گرفتار کروا دیا۔ یہ کام اتنی چالاکی اور ہوشیاری سے کیا گیا کہ اُس پر کسی کو پاکستان میں شک ہی نہ ہو سکا۔

نتھا سنگھ کی ڈور اب بھارتی آرمی انٹیلی جنس کے ایک میجر کے ہاتھوں میں تھما دی گئی تھی۔ جس کی ہدایت پر وہ پاکستانی انٹیلی جنس کے لیے بظاہر اتنی ہی مستعدی اور جی جان سے کام کرتا۔ جس طرح وہ اب تک یہ خدمات انجام دیتا آیا تھا۔ اس دوران بڑی ہوشیاری سے اُس نے ایک اور "شکار" اُن لوگوں کے ہاتھوں پکڑوا دیا تھا۔

وہ اس طرح دوہرا فائدہ حاصل کر رہا تھا۔ پاکستان کی طرف سے تو اُسے اطمینان تھا ہی اب اپنی طرف بھی کوئی اُس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا۔ اس علاقے میں دو اڈے جھنڈوں

کی گرفتاری کی وجہ سے اُس کا پنجگ پیڈ سے بھنٹوں کو پار کروانے والے دوسرے گائیڈز کی طرح وہ بھی پاکستان انٹیلی جنس کی لسٹ میں "زیرِ نگرانی" آ گیا تھا۔ لیکن اُس کے "نئے استاد" بڑے کائیاں تھے انہوں نے نتھا سنگھ کو پاکستانی انٹیلی جنس کی نظروں میں کبھی مشکوک نہ ٹھہرنے دیا۔

○

اُونکار پوری اُس کا تیسرا شکار ہوتا لیکن وہ خود اُس کا شکار ہو چکا تھا۔

اس مرتبہ پاکستان انٹیلی جنس نے بطورِ احتیاط اُسے پہلی پکٹوں سے ہٹ کر نئی پکٹ سے کراس کروایا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ نتھا سنگھ کو وہاں اپنی شناخت کروانے کے بعد ہی مدد میسر آئی تھی۔

جس پکٹ پر وہ "اطلاع" لے کر پہنچا تھا وہاں دیوالی کا تہوار اپنے پورے جوبن پر تھا۔ نزدیکی دیہات سے پکٹ والے "لڑکیاں" اور "شراب" لے آئے تھے۔ آج کی رات اُنہیں کوئی پوچھنے والا نہیں تھا۔ وہ لوگ شراب کے نشے میں دھت باری باری شباب کی رنگینیوں سے دل بہلا رہے تھے۔ جب نتھا سنگھ کباب میں ہڈی بن کر وہاں پہنچ گیا۔

پہلے تو انہوں نے اُسے خوب گالیوں سے نوازا اور اُسے باندھنے پر تُل گئے۔ لیکن جب نتھا سنگھ نے انہیں "کمپنی ہیڈ کوارٹر سے رابطہ کرنے اور اُس علاقے میں سرگرم عمل آرمی انٹیلی جنس یونٹ کے میجر گپتا کا حوالہ دیا تو اُن کے ہوش ٹھکانے آئے۔

پکٹ پر موجود فیلڈ ٹیلیفون کے ذریعے اُس کی بات میجر گپتا سے کروائی گئی جس نے نتھا سنگھ کو دیوالی کا تحفہ "اُونکار پوری کی شکل میں پیش کرنے پر اُس کا یہ شکریہ ادا کیا۔ اُس نے پوسٹ انچارج کو فون پر اپنی شناخت کروانے کے بعد حکم دیا تھا کہ اگر اُن لوگوں نے کوئی کوتاہی کی تو وہ اُن سب کو معطل کر کے کورٹ مارشل لگوا دے گا۔

پکٹ انچارج کا دل پکٹ پر بنے واحد کمرے سے جہاں جشن دیوالی اپنے نقطۂ انتہا کو چھو رہا تھا، باہر آنے کو بالکل نہیں چاہتا تھا۔ جس ناٹک کے ذریعے انہوں نے لڑکیاں منگوائی تھیں اُس نے بھی پورا پورا حق نمک ادا کیا تھا۔

وہ خود کو راجہ اندر سمجھتا ہوا شباب کی رنگینیوں سے لطف اندوز ہو رہا تھا جب اُس کا حوالدار ہانپتا ہوا بغیر کسی جھجک کے اُس حجلۂ عروسی میں گھس آیا۔

"سَر! سَر! اُدھر پھُوٹن پر کوئے میجر گپتا ہووے۔"

میجر گپتا کا نام ہی اُس کے ہوش ٹھکانے میں لانے کے لیے کافی تھا، وہ جھٹکے سے اُٹھا۔

"یس سَر!" ــــــ اُس نے بمشکل اپنی آواز پر قابو پا کر کہا۔

"کہاں مرے ہُوئے تھے؟" میجر گپتا دھاڑا۔

"سس سَر! پیٹرول بھیج رہا تھا ــــــ" اُس کی زبان لڑکھڑا گئی۔

"میرا آدمی جیسا کہے ویسا ہی کرو۔ خبردار شکار ہاتھ سے نکلنے نہ پائے....." اُس نے فون پر ہی پکٹ انچارج کو ہدایات اور احکامات جاری کیے۔

"حرامخور! گدھا....." اُس نے فون نیچے رکھتے ہی میجر گپتا کو بے نقط سُنا دیں۔

"حوالدار!" ــــــ اُس نے ایک طرف کھڑے حوالدار کو بُلایا۔ "دو جوان اِس کے ساتھ بھیج دو۔ خبردار کوئی گڑبڑ نہ ہونے پائے ــــــ سالوں نے آج ہی مزا تھا۔ کمبخت دیوالی کی رات کو بھی چین نہیں لینے دیتے۔"

حوالدار کو حکم دے کر وہ بڑبڑاتا ہوا اُسی کمرے میں گھس گیا۔ جہاں سے تھوڑی دیر پہلے بادل نخواستہ اُسے اُٹھ کر باہر آنا پڑا تھا۔

○

حوالدار پر بڑی عجیب بپتا آن پڑی تھی۔ اُسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کس کس کو

Scanend and PDF by Qamar

تھا سنگھ کے ساتھ جانے کو تیار کرے۔ وہاں تو پکٹ کے مختلف کونوں کھدروں میں جوان "دیوالی منا رہے تھے"؛ کچھ دیوالی میں مصروف تھے اور باقی اپنی باری کے منتظر۔

بہرکیف کسی نہ کسی طرح اُس نے دو سپاہیوں کو تیار کیا اور نتھا سنگھ کے ساتھ بھیج دوبارہ دیوالی کی برکتوں سے لطف اندوز ہونے لگا۔

دونوں سپاہی میجر گپتا کے نام سے بخوبی واقف تھے اور معاملے کی نزاکت سے بھی انہیں احساس تھا۔ لیکن نشے کا تھوڑا بہت اثر ابھی باقی تھا! نتھا سنگھ کو گپتا کا آدمی جان کر حوالدار نے روانگی سے پہلے دو چار پیگ چڑھا دیے تھے۔

دونوں سپاہی جب نتھا سنگھ کو پیچھے چھپا کر اُس مخصوص برجی کے پاس پہنچے جہاں پاکستانی جاسوس کے بھائی سعید قلعی کی ہوئی پتھر کی برجی اُن کا منہ چڑا رہی تھی۔

پہلے تو دونوں نے آنکھیں مل کر یقین کرنا چاہا کہ وہ کہیں ابھی تک نشے میں تو نہیں ہیں۔

"نکل دے گیا سالا!" بالآخر ایک کو ہوش آیا۔

"کیا مطلب؟" پہلا حیران تھا کہ یہ کس طرح ممکن ہے۔

"نکل گیا۔"

"آؤ اُدھر اطلاع کریں۔ ابھی دُور نہیں گیا ہو گا۔"

دونوں بڑی افراتفری میں واپس مڑے۔ وہ سیدھے اُس جگہ پہنچے جہاں نتھا سنگھ کو چھوڑ گئے تھے۔ لیکن یہ کیا؟ ــــــ نتھا سنگھ بھی غائب!

"وہ بھی گیا ــــــ" پہلے کے مُنہ سے اچانک ہی نکل گیا۔

"کیا ہگڑے یار ــــــ دونوں ہی غائب!" دوسرے کو تو بالکل ہی سمجھ نہیں آ

"وہ ـــــ وہ اُسے بھی جاتے جاتے ـــــ گولی گھونٹ کر....."

اُس کی بات نامکمل ہی تھی کہ میجر کی زبان بے دریغ چل پڑی۔ وہ جنونی کی طرح فون پر دھاڑتے ہوئے اُسے گالیاں دے رہا تھا۔

"میں ..... میں تم سب کو شوٹ کر دوں گا۔ شوٹ کر دوں گا۔" اُس کے غصے کی حالت میں کوئی ڈھنگ کی بات بھی نہیں نکل رہی تھی ـــــ "فوراً علاقے کو گھیرے میں لے لو ـــــ سرحد کی طرف بھاگو ـــــ" اُس نے پھر گالیوں کا سلسلہ وہیں سے جوڑ لیا۔ جہاں سے ٹوٹا تھا۔

فون کریڈل پر رکھ کر اُس نے کمپنی ہیڈ کوارٹر سے لائن ملائی اور ڈیوٹی پر موجود کمپنی کمانڈر کو جس کی آواز شراب کے نشے سے بوجھل ہو رہی تھی حکم دیا کہ ریزرو میں موجود تمام جوانوں کو سرحد کی طرف بھیج کر ناکہ بندی کرے۔

یہ بات تو اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتی تھی کہ اتنے زبردست دلیرانہ اقدام کے بعد بھی یہ پاکستانی ایجنٹ بجائے واپس بھاگنے کے بھارت میں موجود رہے گا ـــــ وہ بالآخر آرمی انٹیلی جنس کا میجر تھا۔ اس امکان کو بھی نے نظر میں رکھا تھا اور احتیاطاً کچھ جوانوں کی ڈیوٹی اُدھر بھی لگا دی۔

خود بڑی تیزی سے جیپ چلاتا ہوا اپنے اردلی کے ساتھ ڈھولن وال کی طرف اُڑا چلا جا رہا تھا۔ بی۔ ایس۔ ایف کے کمپنی ہیڈ کوارٹر سے شراب کے میں دھت سپاہی اور چھوٹے افسر میجر گپتا کو گالیاں دیتے بادلِ نخواستہ وردی پہن کر اپنی رائفلیں سنبھالے ٹرکوں اور جیپوں میں سوار ہو رہے تھے۔

میجر گپتا جب سے اس علاقے میں انٹیلی جنس ڈیوٹی پر آیا تھا۔ اُس نے اُن لوگوں کو نچا رکھا تھا ـــــ عام حالات میں بھی وہ اُن کی جان کو آیا رہتا تھا جبکہ آج تو ظالم نے انتہا کر دی تھی۔

Scanned and PDF by Qamar Abbas

اُس نے "بے چارے ملازموں" کی دلیالی کو بالکل بدمزہ کر دیا تھا۔

○

ڈاک بنگلے کی میز پر پھیلا نیلے رنگ کا نقشہ اس کی آنکھوں کے سامنے پھیلتا چلا گیا۔

کرنل صاحب کی "انگلی" ڈھولن وال" اور اُس کے گرداگرد مختلف مقامات پر لگے سرخ دائروں پر یکے بعد دیگرے بجتی اور اُٹھتی چلی گئی۔ اس علاقے کے چپے چپے کو نقشے کی مدد سے انہوں نے خان کے ذہن میں نقش کر دیا تھا۔ لیکن رات کے اس عالم میں جب کوئی سمت کی بھی صحیح طور سے نشاندہی نہیں کر سکتا تھا وہ کوئی بھی اندازہ لگانے سے قاصر تھا۔

رات ٹوٹ ٹوٹ کر وقت کی گود میں گر رہی تھی۔ آسمان کھلنے لگا تھا۔ بادلوں کے ٹکڑے پھٹ کر تحلیل ہونے لگے تھے۔ تارے اب ایک ایک کر کے نمایاں ہو رہے تھے اور خان اپنے ٹریننگ کلاس روم میں پہنچ گیا۔

"یہ قطبین" ہاں۔ دوستارے! بس انہی سے رہنمائی حاصل کرنی ہے تم نے۔ صدیوں سے یہ راستہ دکھاتے آرہے ہیں قافلوں کو۔ اور یہ جو دُم دار سا ستارہ ہیں قطبین کے نیچے نظر آرہا ہے نا۔ اِسے ہمیشہ اپنے بائیں کندھے پر رکھ کر اپنی سمت کا تعین کرنا۔ بائیں کندھے پر رکھو گے تو بھارت پہنچ جاؤ گے اور دائیں پر پاکستان" اُنگلیوں پر موٹے شیشے کی عینک جمائے ایک ڈھلتی عمر کا پروفیسر اُس سے مخاطب تھا۔ اور خان کی نظریں اِس وقت آسمان میں اُس قطبین کو تلاش کر رہی تھیں۔

پھر اسے یاد آگیا کہ قطبین تو رات دو بجے کے بعد نمودار ہوں گی۔ تب تک اُسے کسی نہ کسی طرح ایک درست اندازہ قائم کر کے سفر اختیار کرنا تھا۔ اُس کا مُرخ ڈھولن وال کی طرف تھا۔ وہ اگر چاہتا تو بآسانی تھانسنگھ کو مار کر واپس پاکستان چلا جاتا اور اگلے روز

Scanned and PDF by: Qamar Abbas

کسی دوسرے لانچنگ پیڈ سے اُسے سرحد عبور کروا دی جاتی۔ لیکن اُس کی خیریت
یہ واپسی گوارا نہ تھی۔

خان نے اس بات کا خاص خیال رکھا تھا کہ وہ ڈھولن وال سے مناسب فا
برقرار رکھتے ہوئے آگے نکل جائے۔ اُسے بتایا گیا تھا کہ اس کے بعد اُسے ایک سر
عبور کرنا ہو گی۔

اب جنگل گھاس کا سلسلہ قریباً ختم ہو چکا تھا اور وہ کھیتوں اور اُن کے کنا
لگائے گئے درختوں کی آڑ میں کافی سنبھل سنبھل کر قدم اُٹھاتا آگے بڑھ رہا تھا۔ و
جانتا تھا کہ ناکہ عموماً کسی جھاڑی کے نزدیک کسی درخت کے نیچے لگایا جاتا ہے
کیونکہ ناکہ لگانے والے بھی جانتے ہیں کہ اُن کا شکار اسی طرف آئے گا۔

گاؤں کے باہر نظر آتی روشنیاں مدھم پڑتے پڑتے اب ماند پڑ گئی تھیں شاید لو
تھک ہار کر سو گئے تھے۔ یہ بات تو خان سمجھتا تھا کہ اگر اب کوئی اُن کے گھروں کے
باہر ڈھول بھی پیٹنا شروع کر دے تو وہ لوگ جاگیں گے نہیں کیونکہ وہ شراب اور
تھکاوٹ کے نشے کے شکار ہو کر گھوڑے بیچ کر سو رہے تھے۔

اپنی جیب سے گھڑی نکال کر اُس نے وقت دیکھا رات کے ساڑھے بارہ
رہے تھے۔ گاؤں کے گرد ایک لمبا چکر کاٹ کر وہ اپنی سمت اندازے سے صحیح رکھ
چل رہا تھا۔ آبادی علاقہ اب پیچھے رہ گیا تھا اس لیے خان نے اپنی رفتار بھی بڑھا
تھی۔ اس کی آنکھیں مکمل ہوشیاری کے ساتھ اندھیرے کے آر پار جھانک رہی تھیں
ابھی وہ گاؤں سے بمشکل دو تین فرلانگ ہی دُور نکلا تھا جب اچانک ایک کوندا اُس
سے بیس پچیس گز دُور لپکا۔ اُس کے ساتھ ہی اُس کے دائیں ہاتھ چالیس پچاس گز دُ
ویسا ایک کوندا لپکا۔

"ٹلاپ"۔۔۔ اُس کے ذہن نے سرگوشی کی۔

رات کو گشتی پارٹیاں اِس طرح ایک دوسرے کو سگنل دے کر آپس میں ملاپ کرتی
ہیں۔ کون ہو سکتے ہیں؟ سوچتا ہوا وہ فوراً اپنی جگہ بیٹھ گیا۔ اور اگر وہ اندازے میں اُس
جھاڑی کی طرف سرکنے لگا۔ جہاں اُس کے چھپنے کے امکانات ہو سکتے تھے۔ اُس کے
جھاڑی کے نزدیک پہنچنے تک ایسے مزید کئی کوندے لپکے تھے۔ خان نے اندازہ لگا
لیا تھا کہ یہ جو کوئی بھی ہیں کسی باقاعدہ فوج کا حصہ نہیں۔ پھر اُس نے سوچا اگر یہ
بی۔ ایس۔ ایف نہیں تو کون ہیں؟ "اتنے اناڑی مقامی "ہوم گارڈز" ہی ہو سکتے
ہیں"۔ اُس کے ذہن نے فیصلہ کیا۔

اُس کے عندیہ کی تصدیق چند منٹ بعد ہی ہو گئی۔ جب اُس سے محض گز
دس گز دُور تین چار ہوم گارڈز اکٹھے ہو کر اُونچی اونچی آوازیں بولنے لگے۔ وہ
سب پیئے ہوئے دکھائی دیتے تھے اور ہر بات پر قہقہہ بھی مزور لگاتے تھے۔

اُنہی کی زبانی خان کو یہ علم بھی ہو گیا کہ ایک پاکستانی خطرناک جاسوس بھی
اِسی علاقے میں گھوم رہا ہے۔ اِن گارڈز کا تعلق نزدیکی دیہات سے تھا اور قریباً
ایک گھنٹہ پہلے اُن کے گاؤں کے سرپنچ کو "پکی ملڑی" (آرمی) والوں نے جگا کر
یہ اطلاع دی تھی اور کہا تھا کہ وہ گاؤں میں موجود "ہوم گارڈز" کو اِس طرف پہرہ
دینے کے لیے پھیلا دے۔

سرپنچ نے اُن کے سامنے "دلبرا لی کا رونا" رویا لیکن آنے والوں نے بتایا
کہ معاملہ اتنا سنگین ہے کہ انہیں بادلِ نخواستہ یہ حکم ماننا ہی پڑے گا۔ سرپنچ یا
ہوم گارڈز کی کیا مجال تھی کہ وہ انکار کرتے۔ اُن بے چاروں کے ہاتھوں سے بوتلیں
اور گلاس چھین لیے گئے اور اُن کی بجائے رائفلیں اور ٹارچیں دے کر انہیں اس
طرف بھیج دیا گیا تھا۔

یہ چاروں ہوم گارڈز "پاک سپاہ" اور بھارتی آرمی کو بے تحاشہ گالیاں بک

رہے تھے جنہوں نے مل کر اُن کی دیوالی کا کباڑہ کیا تھا اور خان تو اُن ہی دلوں میں خدا سے دعا کر رہا تھا کہ وہ جلدی یہاں سے ہٹیں تو وہ آگے نکلے۔ اُسے بتایا گیا تھا کہ بھارت کے سرحدی علاقے میں رہنے والے نوجوانوں کو معمولی سی ٹریننگ دے کر انہیں سرکار کی طرف سے رائفلیں دے دی جاتی ہیں تاکہ وہ رات کو اپنے اپنے گاؤں کی نگرانی کر سکیں۔ اور دونوں اطراف کے ناپسندیدہ عناصر سے نمٹ سکیں۔ اس کام کا انہیں گو کہ معمولی ہی سہی معاوضہ باقاعدہ دیا جاتا ہے۔

○

پانچ سات منٹ بعد وہ وہاں سے ہٹ کر ٹولی کی شکل میں باتیں کرتے اسی راستے کی طرف چل دیے جس سے گزر کر خان یہاں آیا تھا۔ میدان صاف ہوتے ہی وہ باہر نکل آیا۔ یہ بات کسی عام اعصاب رکھنے والے ایجنٹ کے لیے بکل کے زبردست جھٹکے سے کم نہیں تھی کہ اُس کے فرار کی خبر ارد گرد کے دیہات میں پھیل چکی ہے اور فوج اور عوام مل کر اُس کے گرد گھیرا ڈال رہے ہیں۔ لیکن خان فولادی اعصاب کا مالک تھا۔

یوں ہی تو اُسے اس خطرناک کام کے لیے منتخب نہیں کیا گیا تھا۔

چوکنے اور خونخوار چیتے کی طرح اُسے بہر صورت یہ "ہانکا" توڑ کر نکلنا تھا۔ اس مرتبہ اُس کی رفتار قدرے تیز تھی۔ اگلے آدھ گھنٹے بعد وہ نہر کے نزدیک پہنچ چکا تھا۔ نہر اُس سے بمشکل دس بارہ گز دُور تھی۔ اور خان اُس کو عبور کرنے کے امکانات کا جائزہ لے رہا تھا کہ دوسرے کنارے پر روشنی کا ایک اور ہالہ بلند ہوا۔

پہلے تو اُس نے یہی قیاس کیا کہ یہ کسی مندر یا مکان پر لگے ہوئے بتیوں کی روشنیاں ہوں گی لیکن اس کے دیکھتے ہی دیکھتے یہ روشنیاں متحرک ہو گئیں۔ تب اُسے اندازہ ہوا کہ نہر کے پرلی طرف جیپ گھوم رہی ہے۔ شاید وہ لوگ اُسی کے استقبال

Scanned and PDF

کے لیے وہاں موجود تھے۔ نہر سے جیپ کا فاصلہ خاصا تھا۔ خان کو یاد آگیا۔ صوبیدار صاحب نے بتایا تھا کہ نہر سے قریباً آدھ میل دُور ایک پکی سڑک فوجی مقاصد کے لیے تعمیر کی جا رہی ہے۔ یہ جیپ شاید اسی سڑک پر رواں دواں تھی۔

اُسے فوراً ہی ایک فیصلے پر پہنچنا تھا اور خان جس فیصلے پر پہنچا اُسے عام حالات میں پاگل پن ہی سے تعبیر کیا جا سکتا تھا۔ لیکن اُن حالات میں اُسے بہر حال یہی دلیرانہ فیصلہ کرنا پڑا۔ خان جانتا تھا کہ یہ گھیرا اُس کے گرد اگرد پھیلتا چلا جائے گا۔ وہ اگر اس جال سے نکل سکتا تھا تو صرف رات کے اندھیرے میں، رات ہی اُس کا سائبان تھی۔ اگر یہ سائبان ہٹ جاتا اور وہ اُجالے کی گرفت میں پھنس جاتا تو وہ لوگ دن کی روشنی میں ایک ایک انچ زمین پر اُسے ڈھونڈنے نکل پڑتے اور اس کے بچ نکلنے کے امکانات بالکل ہی ختم ہو کر رہ جاتے۔

اُس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ صبح ہونے سے پہلے پہلے اپنے گرد پھیلے اس جال میں سے راستہ بنا کر نکل جائے گا اور اُس کی بہترین صورت یہ تھی کہ وہ آگے ہی آگے بڑھتا چلا جائے۔ اس طرح غنیم بھی اپنا جال کھلا کرتا چلا جائے گا۔ اور بالآخر وہ کہیں سے بھی اس جال میں نقب لگا کر نکل سکے گا۔

○

اپنی جیب سے اُس نے پولی تھن پیپر کا تہہ کیا ہوا ایک تھیلا نکالا اپنے تمام کپڑے اُس میں بند کر کے اُس کے سرے کو مضبوطی سے گانٹھ لگا کر پیٹھ پر باندھ لیا۔ اسی تھیلے میں اُس کے لیے دوسری جوتی بھی رکھی تھی۔

اپنے پاؤں میں پہنے کینوس شوز اُس نے وہیں گڑھا کھود کر دبا دیے اور نہر میں اُتر گیا۔ نہر میں پانی بہت کم تھا۔ کہیں کہیں اُسے تیرنا پڑا۔ دوسرے کنارے پر پہنچ کر اُس نے کپڑے پہنے اور جوتی پاؤں میں ڈال کر وہ تھیلا بھی وہیں

ایک کھیت میں دبا دیا۔ اب وہ پھونک پھونک کر قدم رکھتا اُس سڑک کی طرف بڑھ رہا تھا۔ جس سے تھوڑی دیر پہلے جیپ گزری تھی۔

سڑک تک وہ بغیر کسی رکاوٹ کے پہنچ گیا۔ پھر دھڑکتے دل لیکن مضبوط اور پُراعتماد قدموں سے اُس نے سڑک بھی عبور کر لی۔ اب اُس کے کانوں میں آہستہ آہستہ کہیں بہت دُور ہوتی "بھجن کتھا" کی آوازیں بھی آنے لگی تھیں۔ پھر اُس کی نظریں آسمان کی سمت اٹھیں تو وہاں اُس کی راہبر "قطبین" بھی موجود تھیں۔ خان نے خدا کا شکر ادا کیا کہ ابھی تک اُس نے راستے کی سمت نہیں کھوئی تھی ورنہ عموماً ہوتا یہی ہے کہ آدمی ساری رات کی بھاگ دوڑ کے بعد صبح یہی دیکھتا ہے کہ وہ جہاں سے چلا تھا وہیں کھڑا ہے۔

○

گھاس میں ہونے والی خلافِ معمول ہلچل اور بھاگ دوڑ کے اثرات سرحد کے دوسری طرف بھی محسوس کیے جا رہے تھے۔ "وائیٹ لائن" کے ساتھ ساتھ گشت کرنے والی پیٹرول پارٹیوں نے فوراً ہی یہ اطلاع اپنی اپنی "پکٹ" پر پہنچا دی تھی۔ کہ بھارتی علاقے میں اچانک ہی بے تحاشا ریزرو فورس گھس آئی ہے۔ ایسا عموماً اُنہی حالات میں ہوتا تھا جب اُنہیں کسی "خطرناک پاکستانی" کی آمد یا واپسی کی خبر ملا کرتی تھی۔

ریجنرز کے کمپنی ہیڈ کوارٹر کی طرف سے فوراً ہی ایک "ریکی پارٹی" کو اس طرف روانہ کیا گیا۔ جس نے تھوڑی ہی دیر بعد تمام صورتحال سے آگاہی دے دی۔ اُن کی حاصل کردہ اطلاعات کے مطابق بی۔ ایس۔ ایف کے نزدیکی ہیڈ کوارٹر سے تمام ریزرو فورس کو اس طرف ناکہ بندی کے لیے بھیج دیا گیا ہے۔

ریجنرز کے کمپنی ہیڈ کوارٹر کی طرف سے تمام پاکستانی پوسٹوں کو "سٹینڈ بائی"

Scanned and PDF by Qamar Abbas

اور "ریل" کئے اور دن کی ڈیوٹی والے جوانوں نے بھی ایمرجنسی ڈیوٹی سنبھال لی۔

اس نمبر پوسٹ سے زیادہ تشویش اُس پاکستانی پوسٹ کے پکٹ کمانڈر کو تھی جس کی پوسٹ سے خان اور نتھا سنگھ نے کراس کیا تھا۔

پوسٹ کمانڈر خود ہاتھ میں رائفل پکڑے سرحدی لکیر کے ساتھ ساتھ گشت کرتی پارٹیوں کی نگرانی کر رہا تھا۔ جب اُس کے حوالدار نے ایک سرحدی برجی کے پاس کھڑے ہوئے اُس کے کندھے پر آہستہ سے ہاتھ مار کر اُسے خاص اشارہ کیا اس کے ساتھ ہی بجلی کی سی پھرتی سے دونوں اُسی جگہ بیٹھ گئے۔ حوالدار نے جس سمت انگلی اٹھا رکھی تھی وہاں گھاس میں کسی کے بڑے احتیاط سے چلنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔

عموماً رات کے وقت جنگلی جانور بھی یہاں گھسے رہتے تھے۔ لیکن اس بات کا اندازہ دونوں سیانوں نے کر لیا تھا کہ اتنی احتیاط سے سُور یا گیدڑ وغیرہ نہیں چلا کرتے یہ یقیناً کوئی آدم زاد ہی تھا ——— پکٹ کمانڈر نے ہاتھ کے مخصوص اشارے سے حوالدار کو وہاں سے ہٹ کر پوزیشن لینے کے لیے کہا۔

تھوڑی دیر بعد اُن کی سمت ٹارچ جل کر بجھی۔ جو اس بات کا اشارہ تھا کہ آنے والے "دوست" ہیں۔ لیکن یہ بھی ممکن تھا کہ یہ دُشمن کی کوئی چال ہو اور انہیں دھوکہ دینے کے لیے ایسا کیا گیا ہو۔ اُس نے ہاتھ کے اشارے سے حوالدار کو وہیں ہوشیار ہونے کو کہا۔ اور خود اپنا ریوالور ہاتھ میں پکڑے آنے والے کا منتظر ہو رہا۔

نو وارد اُسی برجی کے نزدیک آ رہا تھا ———

جب وہ نمودار ہُوا تو چاند کی روشنی میں اُس نے رائفل سلنگ کے ساتھ کندھے سے لٹکا رکھی تھی اور دونوں ہاتھ اٹھائے ہوئے تھا پکٹ کمانڈر اچانک ہی اُٹھ کر اُس کے سامنے آ گیا ——— اُس کے ریوالور کی نالی نو وارد کی طرف اُٹھی ہوئی تھی۔

Scanned and PDF by Qamar Abbas

"ہالٹ": وہ للکارا۔

"فرینڈ": جواب ملا۔

"پہچان": پکٹ کمانڈر چوکنا تھا۔ حوالدار نے نووارد کو نشانے پر لیا ہوا تھا۔ جواب میں آنے والے نے جو کوڈ دہرایا۔ اُسے سُن کر پکٹ کمانڈر کا ریوالور والا ہاتھ جھکتا چلا گیا۔ اُس نے نووارد کو جو بی۔ ایس۔ ایف کا کوئی حوالدار تھا اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا اور اُس کی راہنمائی کرتا ہوا پکٹ کی طرف چل دیا۔

"غالباً آپ ہی پکٹ کمانڈر ہیں": پکٹ پر پہنچ کر لالٹین کی روشنی میں پکٹ انچارج کو پہچان کر نووارد نے کہا۔

"تمہارے لیے چائے ہے....."

"نہیں ــــ نووارد نے اُس کی بات کاٹ دی: "میں بڑی مشکل سے نکلا ہوں۔ اور اگر تھوڑی دیر تک واپس نہ گیا تو بات بگڑ جائے گی۔ آپ میرا رابطہ فوراً جی ایچ کیو سے کروا دیں، فوراً"

○

کچھ ہیڈ کوارٹر کے ذریعے نووارد کا رابطہ فوراً انٹیلی جنس کے کرنل صاحب سے کروا دیا گیا۔ اپنی "پہچان" کروانے کے بعد ذریعے نے اُنہیں بتایا۔

"سر نتھا سنگھ ڈبل کراس ہو گیا تھا۔ "پارسل" نے اُسے گلا گھونٹ کر مار ڈالا اور خود نکل گیا ہے۔ اُس کی تلاش میں چاروں طرف "میزرو" پھیل رہی ہے": دوسری طرف سے استفسار پر اُس نے اپنی معلومات کی حد تک واقعات سے اُنہیں آگاہ کر دیا۔ "فون پکٹ کمانڈر کو دو": دوسری طرف سے کہا گیا۔

"یس سر! شہباز خان از آن دی لائن سر!" پکٹ کمانڈر نے پھرتی سے چونگا سنبھالا۔

"شہباز خان "دوست" کو احترام سے فوراً رخصت کر دو۔ خیال رہے معاملہ صرف تو

اب محدود ہے": دوسری طرف سے حکم ملا۔

"یس سر": اُس نے کہا اور رابطہ کٹ گیا۔

شہباز خان نے زبردستی نووارد کو چائے پلائی اور خود اُسے بُرجی تک چھوڑنے آیا تھا۔ یہ معاملہ اُس تک اور اُس کے حوالدار تک ہی محدود رہا تھا۔

کرنل صاحب نے دوسری طرف طویل سانس لے کر فون آہستہ سے کریڈل پر رکھ دیا۔ اُن کے ساتھ صوبیدار لال محمد بھی کھڑا تھا۔ کرنل صاحب نے ایک نظر بوڑھے صوبیدار انسٹرکٹر کی طرف ڈالی۔

"ویل ڈن ــــ صوبیدار صاحب! آپ کے پٹھے نے حق ادا کر دیا": انہوں نے تعریفی نظروں سے بوڑھے صوبیدار کی تحسین کی۔

"تھینک یو سر": صوبیدار کا سینہ فخر سے تن گیا۔

کرنل صاحب نے اُسے تازہ صورت حال سے آگاہ کرنے کے بعد کچھ ہدایات دیں۔ تھوڑی ہی دیر بعد ایک "سپیشل میسج" بھنڈہ میں موجود "ڈنیٹ" کی طرف بھیجا جا رہا تھا۔ کیوں کہ اُونکار پوری کی آبادی اب بدل چکی تھی۔ وہ مطمئن تھے کہ اپنے سفر کے آغاز ہی پر اُن کے "ہونہار پٹھے" نے ایک "ڈبل کراس" کا صفایا کر دیا تھا اور کئی دوسرے اِس کے شر سے محفوظ ہو گئے تھے۔

اُن کا دل گواہی دے رہا تھا کہ اُن کا "پٹھا" بھیڑیوں کے اِس ریوڑ کے قابو نہیں آ سکے گا۔ اور بخیریت "منزلِ مقصود" تک پہنچ جائے گا۔ وہ رات کرنل اور صوبیدار صاحب نے مصلّوں پر گزار دی۔ ساری رات وہ سجدے میں گرے عابد خان کی سلامتی کے لیے دعائیں مانگتے رہے۔

○

خان نے پانچ چھ میل کا مزید فاصلہ طے کر لیا تھا جب اُسے ایک اور گاؤں راستے

میں دکھائی پڑا۔ گاؤں کے مندر میں لگے لاؤڈ سپیکروں سے پورے شور کے ساتھ "بھجن کتھا" کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں اور وہ سوچ رہا تھا رات اسی گاؤں میں گزار دے یا یہاں سے نکل جائے۔

بالآخر اُس نے لمبا چکر کاٹ کر آگے نکل جانے کی ٹھان لی۔ ابھی وہ گاؤں کی ایک سمت میں دو ڈھائی فرلانگ دُور ہی نکلا تھا جب اُسے کھیتوں کے سلسلے سے کچھ دُور گزرتی سڑک پر متحرک روشنیاں دکھائی پڑیں۔ ایسی ہی متحرک روشنی پھر بائیں طرف رینگتی محسوس ہوئی۔

"وہ گھیرے میں آگیا ہے کیا؟" خان نے سوچا۔

بات کچھ بھی تھی اب سیدھے آگے بڑھتے چلے جانا غلط تھا۔ اُس کی عقابی نظریں اُس ٹیلے کی طرف اُٹھ گئیں جو اُس سے کچھ دُور ایک ویرانے میں نظر آرہا تھا۔ شاید کسی کی "سمادھی" ہو۔ اُس نے سوچا کچھ بھی ہو۔ اُس کے لیے فی الوقت یہاں چھپنے کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں تھا۔

خان کے قدم اُسی طرف اٹھنے لگے۔ قریب ہونے پر ٹیلے کے آثار نمایاں ہونے لگے۔ یہ ایک کھنڈر کی شکل کا مندر تھا جس کو بڑ کے ایک گھنے درخت نے مکمل ڈھانپ رکھا تھا۔ بڑی بڑی جنگلی گھاس بھی چاروں طرف اُگی ہوئی تھی۔

خان نے یہ اُجاڑ مندر "غنیمت" جانا اور وہیں پناہ لینے چل دیا۔ تھوڑی دیر بعد ہی وہ مندر کے ایک ٹوٹے پھوٹے حصّے کی طرف سے اُس کے اندر داخل ہو گیا لیکن اندر ہال کمرے میں مورتی دیکھ کر چونک پڑا۔ اُسے وہاں بھینی بھینی خوشبو اس بات کا احساس دلانے کے لیے کافی تھی کہ یہ مندر اُجاڑ نہیں بلکہ آباد ہے۔ دبے پاؤں محتاط اور چوکنا ہو کر وہ اندر داخل ہو گیا۔ قریباً پانچ منٹ تک اُس نے وہاں گھوم پھر کر اس بات کا یقین کر لیا تھا کہ یہاں کوئی ذی روح سوا اُس کے موجود نہیں ہے۔

Scanned and PDF by: Qamar Abbas

اب وہ مورتی کے پیچھے جس کا بھیانک چہرا کسی کو بھی نگلنے کے لیے کھلا ہوا تھا کمرا دیوار میں کھلی کھڑکی کے باہر اُس راستے پر جھانک رہا تھا جس سے وہ چل کر یہاں تک آیا تھا۔ اچانک ہی وہ چونکا ایک دیا جلتا ہوا اُس کی طرف آرہا تھا۔ پھر اُس دیئے کے پس منظر میں ایک ہیولا بھی دکھائی پڑا۔ بجلی کی سی پھرتی سے بلی کی طرح دبوں پر جھکتا وہ باہر آگیا۔ جلدی میں اُسے اور تو کچھ نہ سوجھا وہ ہال کمرے میں بنی سیڑھیوں کے ذریعے جو اتنی شکستہ تھیں کہ کسی کے اُن پر سے گزر کر اوپر پہنچنے کے امکانات بالکل ہی ختم ہو چلے تھے۔ ہال کمرے کی چھت پر کسی نہ کسی طرح پھسلتا، سنبھلتا پہنچ گیا۔

چھت میں ریوی سے کچھ فاصلے پر پرانی طرزِ تعمیر کے روشندان کے ذریعے جس میں سلاخیں لگی ہوئی تھیں اُس نے نیچے نظریں جما دیں؛ تھوڑی دیر بعد ایک لڑکی اندر آگئی۔ رات کی اس تنہائی اور اُجاڑ مندر میں وہ اُسے فرلانگوں پرانی کوئی خوبصورت دیو داسی یا اُس کی بچھڑی ہوئی روح دکھائی دے رہی تھی۔

دیئے کو اُس نے دیوی کے چرنوں میں رکھ دیا۔ جب اُس کا مکمل چہرہ خان کو دیئے کی پُراسرار روشنی میں نظر آیا تو اس کا دل دھک سے رہ گیا۔

عورت اتنی حسین بھی ہو سکتی ہے؟ اُس نے سوچا اور سوچتا ہی رہ گیا۔ اُسے یوں لگا جیسے کمرے میں ایستادہ بھیانک شکل والی کالی ماتا اچانک ہی خوبصورت پاربتی کے روپ میں پرگٹ ہو گئی ہو۔

اگلا منظر تو عابد خان کو بوکھلا دینے کے لیے بہت کافی تھا۔ پاربتی دیوی نے جھک کر مورتی کو سیس نوائے، اُس کے چرن چھوئے اور دیوی کو ماتھا ٹیکنے کے بعد الٹی پاتی مار کر اُس کے چرنوں میں بیٹھ گئی۔

اُس کے لمبے سیاہ بالوں نے اُس کے کندھے اور کسی حد تک سینہ ڈھانپ رکھا

تھا اور وہ دونوں ہاتھ سینے پر باندھے، منہ ہی منہ میں کوئی منتر جاپ رہی تھی۔ خان کو اپنی رگوں میں لہو کھولتا محسوس ہو رہا تھا۔

اِس عذابناک ماحول سے اُسے نجات جیپ کے انجن کی اُس آواز نے دلائی جو اب بڑی واضح اس کے کانوں میں گھس آئی تھی ـــــ آواز کی سمت اُس نے نظریں دوڑائیں اور اپنی جگہ منجمد ہو کر رہ گیا: مندر کے دونوں اطراف سے دو جیپیں اُس طرف آ رہی تھیں، جن کی ہیڈ لائٹیں اُن لوگوں نے احتیاطاً بجھا رکھی تھیں۔ آہستہ آہستہ چلتی دونوں جیپیں مخالف سمتوں میں آ کر رُک گئیں۔

Scanned and PDF by Qamar Abbas

جال

"جال" ـــــ اُس کے لاشعور نے انگڑائی لی۔

خان کو یاد آ گیا: اُسے بتایا گیا تھا کہ "سرحدی مضافات میں قدم قدم پر بھارتی سرکار نے ایسے ہی جال بچھا رکھے ہیں" ـــــ وہ لوگ بشری کمزوریوں پر کڑی نگاہ رکھتے تھے۔ اور اُن سے فائدہ اٹھانے کے فن سے بھی اُنہیں آگاہی میسر تھی۔

لیکن یہاں مقابلہ فولادی اعصاب رکھنے والے خان سے تھا! ایک لمحہ کے لیے وہ ٹھٹکا ضرور تھا لیکن گھبرایا تو جیسے اُس کی سرشت میں داخل ہی نہیں تھا۔

اُس نے چند ثانیے رُک کر صورتِ حال کا جائزہ لیا:

جیپوں کی ہیڈ لائٹس اچانک ہی روشن ہو گئی تھیں۔ گھور اندھیرے میں چلنے والی، روشنیاں اتنی تیز تھیں کہ سامنے کا ماحول یک دم برہنہ ہو گیا۔

ـــــ چھت سے چمٹے خان کی آنکھیں بڑی تیزی سے چاروں طرف گھوم رہی تھیں۔ اُس نے دونوں جیپوں سے مسلح سرحدی محافظ نکل کر مندر کے چاروں طرف پھیلتے دیکھ لیے تھے۔

وہ لوگ پہلے سے طے شدہ کسی منصوبے کے مطابق اِس علاقے کو گھیر رہے تھے۔ شاید یہ اُن کی کوئی ریہرسل تھی جو اب حقیقت کا روپ دھارنے لگی تھی!

خان کے لیے سوا اس کے اور کوئی چارہ نہیں رہ گیا تھا کہ یونہی چھت سے چپکا حالات

کی ستم ظریفی کا نظارہ کرتا رہے۔

وہ بے بس چوہے کی طرح اس جال میں پھنسنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا لیکن اُس کے گرداگرد گھیرا اتنی سُرعت سے تنگ ہونے لگا کہ اب وہ واقعی مُقید ہو کر رہ گیا تھا۔

باہر کے ماحول کی سنگینی سے نجات حاصل کرنے کے لیے صرف ایک لمحے کو اُس نے دوبارہ چھت پر لگی سلاخوں میں سے نیچے نظر دوڑائی۔ ماحول کی یکسانیت میں کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔

جیپوں سے نکل کر بھاگتے بی۔ ایس۔ ایف کے جوانوں کی آوازیں اور اُن کے افسران کی ہدایات اُسے بڑی واضح سنائی دے رہی تھیں، لیکن لڑکی تو جیسے پتھر کی بنی ہوئی تھی اور اب تو خان کو یوں محسوس ہونے لگا جیسے یہاں ایک کی بجائے دو پتھر کی مورتیاں دھری ہیں کیونکہ ایک ثانیے کو بھی لڑکی کے عالم استغراق میں فرق نہیں آیا تھا۔

وہ اسی طرح دیوی کے سامنے آلتی پالتی مارے اور سینے پر دونوں ہاتھ باندھے مُنہ ہی مُنہ میں کچھ بڑبڑا رہی تھی۔ خان کی تمام حسیات پوری طرح بیدار تھیں اور اس کا ذہن تو جیسے کبھی سویا ہی نہیں تھا۔

فی الوقت اس کے لیے یہیں چھت سے چپکے رہنے کے سوا کوئی اور راستہ نہیں تھا۔ اُس نے چھت پر لیٹے لیٹے چاروں طرف نظریں گھمائیں۔ ایک کونے میں اُسے ایک ٹوٹی ہوئی "ٹہنی" کا احساس ہُوا۔ ایک لمحے کے لیے اُس نے سوچا کہ یہاں سے اُٹھ کر وہاں جا بیٹھے لیکن فوراً ہی اُس کے ذہن نے رہنمائی کی کہ اوپر آنے والے سب سے پہلے اسی "ٹہنی" کی طرف آئیں گے!

اچانک ہی اس کے ذہن نے پلٹا کھایا اور اُس کی آنکھیں چمک اٹھیں ——

Scanned and PDF by: Qamar Abbas

اُسے اپنی بیوقوفی پر غصہ بھی آیا کہ اب تک اِس طرف اُس کا دھیان کیوں نہیں گیا۔

بوڑھے برگد کی بے شمار ٹہنیاں اُس سے تھوڑی ہی دُور مندر کی چھت پر پھیلتی چلی گئی تھیں۔ کسی میکانکی عمل کے تابع وہ بجلی کی سی پھرتی سے اُٹھا اور بلّی کی طرح جُھک کر پنجوں کے بل چلتا ہوا درخت کی شاخوں تک پہنچ گیا۔

یہ اُس کی خوش قسمتی کہ تھوڑی دیر پہلے تک فضا بالکل ساکت تھی لیکن اب مغرب سے پچھم کی طرف ہوا نے رینگنا شروع کر دیا تھا اور درختوں کے پتّوں کی کھڑکھڑاہٹ اتنی واضح تھی کہ اس کے ٹہنیوں پر چڑھنے کا احساس کسی کو دُور سے ہونا ممکن نہ تھا۔

عابد خان نے اپنا ہاتھ ٹہنی کی طرف بڑھا کر اُسے چھوا تو جیسے ٹھنڈک کی ایک لہر سی اُس کے سارے وجود میں پھیلتی چلی گئی۔ زمین پر پنجوں کے بل بیٹھے بیٹھے اُس نے اپنے جسم کو ماہر بازی گروں کی طرح تولا اور دوسرے ہی لمحے وہ کسی پرندے کی طرح اپنا جسم فضا میں تولتا ہُوا درخت کی ایک ٹہنی سے دوسری پر منتقل ہونے لگا تھا۔

بمشکل دو منٹ بعد ہی اُسے ایک جائے پناہ میسّر آ گئی: درخت کی شاخوں میں وہ اس جگہ پہنچ چکا تھا۔ وہ حصّہ اتنا گھنا تھا کہ سورج کی روشنی بھی چھن کر اندر نہ آ سکے۔ اس نے خود کو فی الوقت یہیں چھپائے رکھنے کا فیصلہ کر لیا۔

درخت کی اِس شاخ سے پلٹے اُسے قریباً دو منٹ ہو چلے تھے لیکن ابھی تک کوئی بھی مندر میں داخل نہیں ہُوا تھا! یہاں بیٹھے ہُوئے وہ اُن لوگوں کی باتیں تو نہیں سُن سکتا تھا لیکن اُن کی حرکات بخوبی نوٹ کر سکتا تھا: مندر کے گرداگرد پھیلے ہوئے کھنڈرات اور کھیتوں کے وسیع سلسلے میں اُس کو دُور دُور تک ٹارچوں کی روشنیاں جلتی بجھتی نظر آ رہی تھیں —— آنے والے بڑی سرگرمی سے اُسے یہاں

Scanned and PDF by: Qamar Abbas

کھوج رہے تھے۔

کچھ دیر بعد اس نے ایک سائے کو مندر کے دروازے کی طرف بڑھتے دیکھا۔ یہاں سے اُسے اندر کا منظر نظر نہیں آسکتا تھا۔ دروازے میں داخلے کے بعد کل ایک منٹ بعد ہی وہی شخص بوکھلایا ہُوا باہر نکلا اس نے زور زور سے دو تین آدمیوں کو نام لے کر پکارا۔

جیپ سے بڑی افراتفری میں دو آدمی بھاگتے ہُوئے اِس طرف آئے۔ اُن لوگوں نے ابھی تک ہیڈ لائٹس روشن کر رکھی تھی۔ یہ اُن کی بوکھلاہٹ کی انتہا تھی اور خان درخت کی شاخوں میں چھپا اس بوکھلاہٹ سے لُطف اندوز ہو رہا تھا۔ وہ لوگ تھوڑی دیر تو آپس میں بحث کرتے رہے پھر تینوں گھوم کر اس راستے پر آ گئے جس طرف سے ٹوٹی ہوئی سیڑھیاں چھت کی طرف آتی تھیں۔

تینوں ایک دوسرے کے لحاظ میں سنبھل سنبھل کر سیڑھیوں پر قدم رکھتے اوپر آ گئے۔ پھر تینوں میں سے ایک نے ٹارچ روشن کر لی اور باقی دونوں نے پستول اپنے ہاتھوں میں پکڑ کر خود کو مکمل مستعدی کی حالت میں رکھا ہوا تھا! ٹارچ والے نے چھت پر روشنی پھینکنا شروع کی اُس کے ساتھیوں کے ہاتھ میکانکی انداز میں روشنی کے تعاقب میں گھومتے چلے گئے لیکن وہاں تھا کیا جو انہیں نظر آتا۔ تھوڑی دیر بعد وہ تینوں ہی مایوس ہو کر نیچے اُتر رہے تھے۔

اُن میں سے کسی ایک کا دھیان بھی درخت کی طرف نہیں گیا تھا! نیچے اُترنے کے بعد وہ تو فوراً ہی جیپوں کی طرف بھاگے جب کہ تیسرے نے مندر کے دروازے پر اُسی لڑکی کو کسی نام سے پکارا۔ لڑکی باہر آ گئی۔ اِس مرتبہ اُس نے اپنے بدن کو بڑے سلیقے سے ڈھانپ رکھا تھا اور بڑے باوقار انداز میں نپے تلے قدم اٹھاتی جیپ کی طرف جا رہی تھی۔ اُس کے اطوار سے تو بظاہر یہی اندازہ لگایا جا سکتا تھا

پہلی جیپ بھی لڑکی اور اس کے ساتھیوں کے سوار ہوتے ہی ہوا ہو گئی۔ دونوں جیپیں نزدیکی کچی سڑک کی طرف بھاگ رہی تھیں۔ سڑک کے کنارے آ کر اُن لوگوں نے دو تین مرتبہ ہارن بجائے۔ رات کے سناٹے میں جیپوں کے ہارن بجانے کی آوازیں کسی دھماکے سے کم نہیں تھیں جس درخت پر خان بیٹھا تھا۔ اُس سے اچانک ہی کئی پرندے پھڑ پھڑا کر اُڑے تھے۔ یہی صورتحال دوسرے درختوں پر بھی پیش آئی تھی۔

جیپوں کے ہارن دیتے ہی اُس کے سوار جو اُتر کر بڑی پھرتی سے چاروں طرف پھیل گئے تھے اب اُتنی ہی پھرتی اور تیزی سے واپس جیپوں کی طرف بھاگے آ رہے تھے۔ اُن کے سوار ہوتے ہی دونوں جیپیں پھر کچی سڑک پر دوڑنے لگیں اور جلد ہی خان کی نظروں سے اوجھل ہو گئیں۔

○

اُن لوگوں کی روانگی کے قریباً پانچ چھ منٹ بعد خان دوبارہ مندر کی چھت پر آ چکا تھا۔ بھلے کچھ عرصے ہی کے لیے سہی وہ ہانکا کرنے والوں سے محفوظ ہو گیا تھا ——— لیکن بہت دیر تک نہیں! خان بخوبی جان سکتا تھا کہ مقامی ہوم گارڈز سے تو اُس کی جان چھٹتے چھٹتے ہی چھٹ سکتی تھی۔ اِن لوگوں نے میلوں تک اس علاقے کو گھیرے میں لے رکھا تھا اور اس مندر جیسے ابھی اور نجانے کتنے جال اُن کے راستے میں بچھے ہُوئے تھے۔

مندر کی چھت پر پہنچ کر اُس نے ایک لمحے کے لیے اپنی حالت پر نظر ڈالی اور مجموعی صورتحال کے متعلق سوچ کر مسکرا دیا ——— اُسے بہانے خوف کے دشمن کی مدد اس پر رحم آ رہا تھا۔ جو شکاری کتوں کی طرح اُس کو کھوج رہا تھا اور وہ اُن کے

Scanend and PDF by Qamar Abbas

ہاتھوں میں آکر پھسل گیا۔

حالات کی سنگینی پر غور کرتے ہوئے اُس نے ایک مرتبہ پھر خود سے عہد کیا کہ وہ پکے پھل کی طرح دشمن کی جھولی میں گرنے کی بجائے مرجانے کو فوقیت دے گا۔

مندر کی چھت پر کھڑے کھڑے اس نے آسمان کی طرف نظریں دوڑائیں، حدِ نظر تک اُسے ایک ستارہ بھی آسمان پر چمکتا دکھائی نہ دیا ـــــ چھوٹی چھوٹی ٹکڑیاں جنہوں نے سرِشام ہی آسمان پر نمودار ہونا شروع کر دیا تھا اب ایک تسلسل سے اکٹھی ہو کر پھر بادل کی شکل اختیار کرنے لگی تھیں۔

ہوا کی شدت میں آہستہ آہستہ اضافہ ہو رہا تھا۔ پھر اچانک ہی اُسے ہوا میں خنکی بڑھنے کا احساس ہُوا جو اس بات پر دلالت کر رہا تھا کہ دور کہیں بارش ہو رہی ہے۔

اُس کے عزمِ مستقل اور ارادے کی پختگی پر شاید قدرت بھی اُسے کسی انعام سے نوازنا چاہتی تھی۔ وہی ہوا ـــــ جیسے ہی وہ مندر کی سیڑھیاں اُتر کر نیچے آیا، ٹپ ٹپ کرتی بارش کی بوندیں اس کے استقبال کو لپکیں۔ بے اختیار اُس کے دل میں احساسِ تشکر جاگا۔ وہ اس نعمتِ خداوندی پر جھوم ہی تو اُٹھا۔ مندر میں رکنا ایک لمحہ بھی ضائع کرنے کی بجائے اُس نے رختِ سفر باندھا۔

اپنے زیرِ جامہ کی ایک محفوظ جیب سے پیراسوٹ ہر ساتی نکال کر اُس نے برساتی کی جیب میں ٹھونسی اور پہن لی۔ آسمان پر سیاہ گھٹائیں چھانے کی وجہ سے اُس طرف سے کسی بھی راہنمائی کی توقع عبث تھی۔ صحیح سمت متعین کر کے وہ بے دھڑک اُسی طرف چل دیا۔

○

پچھلے تین چار گھنٹوں کی مسلسل بھاگ دوڑ نے اُسے ذرہ بھر بھی تھ

کیا تھا۔ اُس کے قدم اُسی مضبوطی اور اطمینان سے اُٹھ رہے تھے جس طرح اس مہم کے آغاز میں اُٹھتے تھے۔ بارش میں بھیگ کر وہ خاصا سکون محسوس کرنے لگا تھا۔

شفق پر اب پو پھٹنے لگی تھی اور آسمان پر گہرے بادل چھا جانے کے باوجود ایک مُرغ کیر اُسے دُور مشرق میں پھیلتی نظر آ رہی تھی۔ اس کیر نے ماحول پر اپنی گرفت آہستہ آہستہ مضبوط کرنا شروع کر دی تھی اور آسمان جو اُس سے پہلے بالکل سیاہ ہو رہا تھا۔ اب قدرے گلابی نظر آنے لگا تھا۔

صبح کی آمد آمد تھی اور اُسے ابھی ایک لمبی مسافت پاٹنا تھی۔ اس مرتبہ اُس نے ہر طرح تمام احتیاطیں بالائے طاق رکھ کر پکی سڑک کے ساتھ ساتھ چلنا شروع کر دیا تھا۔ خان کو اندازہ تھا کہ اِس سڑک کا خاتمہ اُسے اس قصبے سے باہر پکی سڑک تک لے جائے گا جس کے بعد اُس کے لیے قدرے سہولت ہو گی۔

بارش کی رفتار کے ساتھ ساتھ اُس کے قدموں میں بھی تیزی آتی جا رہی تھی۔ بارش کی شدت میں بھی اب بارش کے ساتھ ساتھ اضافہ ہونے لگا تھا اور ہوا کے تھپیڑے اس کے جسم پر بوچھاڑ کی طرح برس رہے تھے۔ اپنی سمت صحیح رکھنے کے لیے وہ اب تک تین چار مرتبہ رک کر اندازہ کر چکا تھا۔

○

پکی سڑک کا خاتمہ بالآخر حسبِ توقع ایک پکے راستے پر ہُوا۔ بارش کی شدت قدرے کم ہو چکی تھی۔

تیز ہوا بادلوں کو اُڑا کر دُور لیے جا رہی تھی! ابھی تک دُور دُور تک اُسے بارش کا نام و نشان نظر نہیں آیا تھا۔ ممکن ہے نزدیکی آبادی کے لوگ بارش سے پہلے ہوں۔ لیکن کسی نے ابھی تک گھر سے نکلنے کی ہمت نہیں کی تھی۔

رات بھر کی مسلسل بھاگ دوڑ کے اثرات اب اس کے جسم نے قبول کرنے

شروع کر دیے تھے۔ بارش کی وہ مسلسل بوچھاڑیں جو اس کے بدن پر برسی تھیں۔ انہوں نے اب اپنا اثر دکھانا شروع کر دیا تھا۔ اُس کے جسم میں آہستہ آہستہ درد جاگنے لگا تھا۔ اُس کے ساتھ ہی اُسے بخار کا احساس ہوا، لیکن اُس نے اس سب کچھ پر قابو پانا تھا جس کے لیے ذہن کی بیداری ضروری تھی۔

صبح کی آمد نزدیک دیکھ کر اُس نے قریبی درختوں کے جھنڈ کا رُخ کیا۔ اپنی کمر سے بندھے کینوس کے تھیلے کو کھول کر اس نے مقامی دیہاتوں میں عام طور پر پہنا جانے والا کھلے پائنچوں کا کلیر دار پاجامہ اور کرتا نکال لیا۔ اپنے جسم سے چپکے گیلے کپڑے بھی اُس نے الگ کر دیے۔

اس مختصر سے تھیلے سے مقامی موچیوں کی بنی ہوئی دیہاتی طرز کی ایک جوتی بھی برآمد ہوئی تھی! اپنے گیلے کپڑے اُس نے اُسی تھیلے میں ٹھونس دیے خشک کپڑے پہنے اور تھیلے کو قریبی کھیت کی مٹی میں دبا دیا۔ فی الوقت تو یہی اُس کا مکمل اسباب تھا۔

قریبی مندر کے لاؤڈ سپیکر اچانک ہی جاگے اور چنگھاڑنے لگے تھے کوئی ڈوبتی عمر کا پروہت اُلٹے سیدھے اشلوک بڑی تیزی سے پڑھ رہا تھا بالکل ایسے ہی جیسے یہ اس کے لیے کوئی معمول کی کارروائی تھی جسے بہرحال اُسی کے ہاتھوں انجام پانا تھا۔

مندر کے پس منظر میں نظر آتے دیہاتی گھروں کی روشنیاں بھی اب جلنے لگی تھیں۔ وہ جس علاقے میں پہنچ چکا تھا وہاں بجلی موجود تھی۔ یوں تو اب وہ کم از کم ہر پھیلے سیکورٹی کے وسیع جال کو توڑنے میں کامیاب ہو چکا تھا لیکن اب بھی وہ اتنا ہی غیر محفوظ تھا جتنا کہ اس مہم کے آغاز پر۔

عابد خان کو علم تھا، کہ بھارتی سیکورٹی کا جال تہہ در تہہ پھیلتا چلا گیا ہے اور

Scanned and PDF by: Qamar Abbas

کئی تھانے بانے ابھی اس کے راستے میں بکھرے پڑے ہیں۔

گاؤں کی جلتی روشنیاں اس بات پر دلالت کر رہی تھیں کہ زندگی اب یہاں بیدار ہونے لگی ہے۔ خان نے ہوشیار اور چوکنے چیتے کی طرح اپنی نظریں چاروں طرف دوڑائیں۔ اُس کی پُشت پر اور دائیں بائیں بھی حدِ نگاہ تک کھیتوں کے وسیع سلسلے پھیلتے چلے گئے تھے۔ کہیں کہیں ہریالی کے بیچوں بیچ کچے مکانات کا سلسلہ بھی سر اُٹھاتا دکھائی پڑتا تھا۔

سورج نے اب مشرق کی سمت سے اپنی لہو رنگ روشنیاں آسمان پر بکھیرنا شروع کر دی تھیں اور سُرخ دہکتے الاؤ کا ایک ہالہ حدِ نگاہ تک پھیلنے لگا تھا۔ چند ثانیے اُس جانب ٹکٹکی لگا کر خان نے کچھ سوچا پھر ایک فیصلے پر پہنچ کر مطمئن ہو رہا۔ ابھی تک سورج نے اپنا چہرہ باہر نہیں نکالا تھا۔ شاید اس نوجوان کے عدم کے سامنے اُسے سر اُٹھانے کی جرأت ہی نہیں ہو رہی تھی۔

خان نے کچھ وقت گزار کر کم از کم دوپہر کے بعد وہاں سے نکلنے کا فیصلہ کیا تھا اور اب اُسے دوپہر تک کا یہ وقت بہرحال یہاں گزارنا تھا۔ پہلے اُس نے یہی سوچا کہ کھیتوں کے سلسلے ہی میں چھُپ کر بیٹھ رہے لیکن اب وہ اپنی ظاہری حالت بگاڑنے کا خطرہ بھی مول نہیں لے سکتا تھا کیونکہ بہرحال یہ دن کا وقت تھا اور وہ کسی کی بھی نظروں میں آسکتا تھا۔

اُس نے چاہا صبح دس بجے تک کا وقت کم از کم مندر کے اردگرد گزار دے جہاں اکثر لوگوں کا آنا جانا لگا رہے گا اور اُس کی طرف شاید ہی کوئی متوجہ ہوتا! اُسے اندازہ تھا کہ ابھی تک تو مندر میں سوائے پروہت اور دو تین پنڈتوں کے اور کوئی نہیں پہنچا ہوگا۔ وہ مندر میں بھی اُس وقت داخل ہونا چاہتا تھا جب وہاں خاصے لوگ آچکے ہوں۔

Scanned and PDF by: Qamar Abbas

یہی کچھ سوچتا خان وہاں سے ہٹ کر درختوں کے اُس سلسلے کی طرف چل دیا جو گاؤں سے مندر کو جانے والے راستے پر اُسے نظر آ رہا تھا یہاں اُسے تھوڑی دیر تک چھپنے کے لیے بہرحال جگہ میسّر تھی۔

سورج نے اب اپنا چہرہ خاصا نمایاں کر لیا تھا۔ گیلی زمین پر اُس کی روشنیاں بڑے تسلسل سے آہستہ آہستہ پھیلنے لگی تھیں اور گاؤں سے مندر کی طرف جانے راستے پر اب خاصی آمدورفت شروع ہو چکی تھی خان کو یہاں کھڑے کھڑے اب اپنی ٹانگوں میں بڑا واضح درد محسوس ہونے لگا تھا۔ شاید بخار نے اپنا زور دکھایا تھا۔ اُسے اور تو کچھ نہ سوجھا۔ اپنے زیرِ جامہ میں ہاتھ ڈال کر اُس نے پولی تھن کا ایک چھوٹا سا لفافہ نکالا اور اس میں رکھی دونوں گولیاں بغیر پانی کے ایک کے بعد دوسری نگل گیا۔ اُسے اب کم از کم اتنا اطمینان ضرور تھا کہ تین چار گھنٹے درد کی اذیت سے نجات مل رہے گی۔

گولیاں نگلتے ہوئے اُس کے حلق میں خراش سی پڑ گئی تھی لیکن کسی نہ کسی طرح اُس نے گولیاں زہر مار کر ہی لیں۔ درخت سے ٹیک لگا کر اُس نے دو تین لمبے لمبے سانس لیے جیسے فضا میں موجود ساری ہی مقناطیسیت اپنے اندر سمو لینا چاہتا تھا۔ جادو اثر گولیوں نے معدے میں اُترتے ہی اپنا کام دکھانا شروع کر دیا تھا اور وہ تین منٹ بعد وہ اپنے اندر بہنے والی ٹوٹ پھوٹ سے قدرے نجات پا چکا تھا۔

○

مندر کی طرف اب لوگوں کی آمدورفت خاصی بڑھ گئی تھی۔ سامنے کا سارا ماحول ہی اب سورج کی روشنی میں نمایاں ہونے لگا تھا۔ رات کی شدید بارش سے دُھلے ہوئے درخت اور سبزہ آنکھوں کو بہت بھلا دکھائی دے رہا تھا۔ ایک تازگی اور

تراوٹ سی اُسے اپنے اندر اُترتی محسوس ہوئی۔ ایک مرتبہ پھر دو تین گہری سانسیں بھر کر وہ درختوں کے جھنڈ سے باہر نکل آیا۔ اب اُس کا رُخ بھی مندر کی طرف تھا۔

اپنے دونوں بازو فضا میں پھیلا کر اُس نے زوردار انگڑائی لی اور بدن میں موجود توانائیوں سے مطمئن ہو کر اپنے تلے قدموں سے مندر کی طرف چل دیا۔ مندر کے لاؤڈ سپیکروں کے شور میں اب گوردواروں کا بے ہنگم ساز بھی شامل ہو گیا تھا۔ شاید یہاں ہندو آبادی سکھوں سے کم تھی اسی لیے نزدیکی تین چار دیہاتوں کے لوگ اس مندر میں آتے تھے۔

لاؤڈ سپیکر اتنی زور زور سے چلّا رہے تھے کہ اُسے کسی کی کوئی بات سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ گاؤں کی طرف سے آنے والے راستے کا ایک موڑ مڑتے ہوئے اچانک ہی اُس کی نظر اُن دو گنجے سر والے ہندوؤں پر پڑی تھی جنہوں نے اپنی دھوتیاں ایک مخصوص انداز میں اُوپر کو چڑھا رکھی تھیں، ہاتھوں میں پیتل کی گڑویاں پکڑے وہ دونوں کھیتوں کی سمت جا رہے تھے۔ ماتھے پر سگی چاک کی تین لکیروں نے دونوں کے چہروں پر برستی لعنت میں قدرے اضافہ کر دیا تھا۔ دونوں ہی منہ میں کچھ اٹ شٹ جاپ کرتے ایک دوسرے کے تعاقب میں چلے آ رہے تھے۔

خان پر نظریں پڑتے ہی وہ ایک لمحے کے لیے ٹھٹکے شاید نئے چہرے نے انہیں متجسّس کر دیا تھا اس سے پہلے کہ اُن کے کھلے منہ کے دھانے کوئی لفظ اُگلتے، خان کے ہاتھ بے اختیار سینے کی طرف اُٹھے اور اُس نے ہاتھ باندھ کر بڑے درباری قسم کے ہندوؤں کے سے انداز میں اُنہیں "رام رام" کہہ دیا۔

"رام۔ رام"۔۔۔ دونوں کے منہ سے بادلِ نخواستہ نکلا۔

اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ پوچھیں خان "جے بھوانی" "جے بھوانی" کی دھائی دیتا تیزی سے اُن کے نزدیک سے آگے گزر گیا۔

دونوں ہونقوں کی طرح اُسے منہ اٹھائے دیکھتے رہے۔ جب اُس نے پلٹ کر بھی اُن کی طرف نہ دیکھا تو وہی اینٹ شنٹ الاپتے وہ دوبارہ اپنی منزل کی طرف چل دیے۔

مندر کے باہر ہی اُسے خاصے لوگ نظر آنا شروع ہو گئے تھے۔ اندر بھجن کتھا اپنے عروج پر تھی۔ ہارمونیم، ڈھولک اور چھینوں کے ساتھ کورس کی شکل میں مل کر گانے والوں کی عجیب و غریب اور بے سُری آوازوں نے ایک حشر بپا کیا ہوا تھا۔ خان کو یہاں آکر دوبارہ خوامخواہ اپنے سر میں درد محسوس ہونے لگا تھا۔

اُس نے دوسرے لوگوں کی دیکھا دیکھی اپنے جوتے اُتار کر ایک طرف رکھ دیے! دو تین سیڑھیاں چڑھنے کے بعد مندر کی عمارت آگئی تھی۔ مندر خاصا پرانا اور شکستہ حال دکھائی دے رہا تھا۔ اُس نے ایک کونے میں لٹکتی گھنٹیوں میں سے ایک گھنٹی کو زور زور سے بجا کر پھر "جے بھوانی" پکارا اور آگے بڑھ گیا۔ اچانک ہی اندر پھیلی "دھوپ" اور "اگر بتیوں" کی خوشبو کا بھبھوکا اُس کی ناک میں گھس گیا۔

سامنے ہال نما کمرہ عورتوں اور مردوں سے بھرا پڑا تھا۔ ایک کونے میں بھجن کتھا کرنے والے اپنا گلا پھاڑ رہے تھے اور دوسرے کونے میں ایک پروہت دیوی کے سرہانے بیٹھا عبادت کو آنے والوں سے کچھ نہ کچھ اینٹھنے کے چکر میں نظر آرہا تھا۔

مندر کے نزدیک پہنچنے سے پہلے عابد خان نے اپنے ڈھیلے ڈھالے کرتے کی ایک جیب میں زیرِ جامہ سے سو روپیہ نکال کر الگ رکھ لیا تھا۔

اس نے بڑے پرانے برہمنوں کی طرح کھڑے ہو کر دونوں ہاتھ سینے پر باندھتے ہوئے سر کو جھکایا۔ پھر گھٹنوں کے بل جھک کر سامنے رکھی مورتی کے قدموں میں سو روپیہ رکھ کر دوبارہ ہاتھ سینے پر باندھ لیے۔

Scanned and Post by: Qamar Abbas

پجاری نے اپنے سامنے دھرے تھال میں انگلی لگائی اور منہ سے کچھ لپٹتے ہوئے اُس کے ماتھے پر تلک جما دیا۔ خان نے دوبارہ دیوی کے چرن چھوئے اور اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ پانچ چھ قدم وہ انہی اُلٹے پاؤں پر چلا تھا پھر اُس نے چاہا کہ اپنا رُخ بھجن کتھا کرنے والوں کی طرف موڑے۔

جیسے ہی اُس نے گردن گھمائی اچانک ایک برقی رو اِس کے سارے بدن میں دوڑ گئی! اُس کی نظریں ایک کونے میں کھڑی اُس دیوی پر جا پڑیں جسے اُس نے آج رات ہی اُس "پُراسرار مندر" میں دیکھا تھا لیکن یہاں وہ رات کی نسبت بالکل بدلی ہوئی تھی۔ اُس نے بڑے سلیقے سے دوپٹہ اپنے سر پر سجا رکھا تھا اور مخصوص طرح کے مذہبی براہمن گھرانوں کی کوئی انتہائی کم عمر لیکن بڑی ہی مُدبّر لڑکی دکھائی دے رہی تھی۔

اُس لمحے خان کے لیے باعثِ تسکین صرف یہی بات تھی کہ اس لڑکی نے رات اُسے نہیں دیکھا تھا۔ وہ ایک لمحے کے لیے گڑبڑایا ضرور تھا لیکن فولادی اعصاب کے مالک خان نے دوسرے ہی لمحے خود کو مکمل نارمل کر لیا۔

دشمن کا جال پھیلتا جا رہا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ لوگ خان کو ہر قیمت پر گرفتار کرنے پر تُلے ہوئے تھے۔ اُسے یہ خوش فہمی تو کبھی رہی نہیں تھی کہ جس مندر میں وہ جا رہا ہے وہاں اُس کے استقبال کے لیے کوئی موجود نہیں ہو گا لیکن یہ بات تو اُس کے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتی تھی کہ یہاں پھر وہی رات والی دیوداسی اُس کی منتظر ہو گی۔

رات درختوں کی شاخوں میں چھپے ہوئے خان نے اُس کی باوقار چال سے اس بات کا اندازہ بھی بخوبی لگا لیا تھا کہ یہ انٹیلی جنس کی کوئی بڑی افسر ہے۔ لڑکی کے چہرے پر پھیلی آنکھوں میں نجانے ایسا کیا سحر چھپا تھا کہ خان کو اس کے

Scanned and PDF by Qamar Abbas

چہرے سے نگاہیں ہٹانے میں بڑی دقت پیش آرہی تھی۔

○

جانے کیا جادو تھا ان آنکھوں میں ——!!

بدقت تمام اُس نے اپنی توجہ دوسری طرف مرکوز کی اور قریب ہی ایک کونے میں تھوڑی سی جگہ خالی دیکھ کر وہیں بیٹھ گیا۔

تھوڑی دیر بعد ہی وہ بڑے خشوع وخضوع کے ساتھ کتھا کرنے والوں کی آوازوں کے ساتھ آواز ملا کر گا رہا تھا۔ اِس دوران کن انکھیوں سے دو تین مرتبہ لڑکی کی طرف بھی دیکھ چکا تھا جو حاضرین کی موجودگی سے بالکل بے نیاز ایک کونے میں بیٹھی بھجن کتھا میں مستغرق تھی۔

ایک مرتبہ جب خان نے چوری چھپے اُس کی طرف دیکھنا چاہا تو اچانک ہی دونوں کی نظریں آپس میں ٹکرا گئیں۔ فوراً ہی اُس نے اپنی نظر دوسری طرف پھیر لی تھی لیکن اِس دوران شاید لڑکی نے اُس کی چوری پکڑ لی تھی اِس لیے جب خان نے دوبارہ کن انکھیوں سے اُسے دیکھنا چاہا تو لڑکی پہلے سے اُس کی طرف متوجہ تھی۔

جیسے ہی خان کی نظریں اُس سے ٹکرائیں وہ مسکرا دی۔ خان جھینپ سا گیا لیکن لڑکی کی بے باکی میں کوئی فرق نہ پڑا۔

وہ کتھا کی طرف متوجہ ہو گیا۔

دوبارہ اُس نے گو کہ لڑکی کی طرف چوری چھپے بھی دیکھنے کی ہمت نہیں کی تھی لیکن وہ محسوس کر سکتا تھا کہ لڑکی اب بھی اُسی کی طرف متوجہ تھی! عبادت کو آنے والے اب واپس لوٹنے لگے تھے۔

روزانہ یہاں آنے والوں میں سے ایک دو نے خان کے اجنبی چہرے کو متجسس نگاہوں سے دیکھا لیکن ان نظروں میں تشکیک نہیں تھی، اُس نے جیسے

اٹھنے کا ارادہ کیا۔ اچانک ہی ایک درمیانی عمر کا گنجے سر والا ہندو اندر داخل ہوا۔

اُس کی نظریں لڑکی پر جمی تھیں۔ خان نے واضح طور پر محسوس کر لیا کہ اُس نے انھوں ہی آنکھوں میں لڑکی سے استفسار کیا تھا یا پھر اُسے کچھ اشارہ کیا تھا۔ لڑکی نے بھی آنکھوں ہی آنکھوں میں جواب دیا۔ دونوں کی طرف دیکھنے کی یہاں کسے مہلت نصیب تھی بس ایک خان تھا جس کی چھٹی حس نے اُس کی راہنمائی اُس طرف کر دی تھی۔

گنجا اب لڑکی کے نزدیک ہونے لگا تھا۔ پھر وہ مورتی کو ماتھا ٹیک کر اُس کے نزدیک ہی بیٹھ گیا۔ دونوں اسطرح جھک کر ایک دوسرے سے باتیں کر رہے تھے کہ کسی کو شک نہیں ہو سکتا تھا۔

خان نے اچانک ہی اٹھنے کا پروگرام ملتوی کر دیا تھا اُس کے بجائے کہ اُٹھ کھڑا ہوا —— شاید اُسے لڑکی نے کوئی بریفنگ کی تھی جس پر وہ عمل کرنے جا رہا تھا۔

بھجن کتھا سنتے اب اُس کا سر دوبارہ وَجد کرنے لگا تھا۔ یوں بھی اب سورج ڈھلنا شروع ہو گیا تھا اور لوگوں کی اچھی بھلی آمد و رفت شروع ہو چکی تھی۔ اُس نے بھی یہاں سے اُٹھ جانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

عین اُن لمحات میں جب وہ اٹھنے کے لیے پر تول رہا تھا اُس نے لڑکی کو اپنی طرف آتے دیکھا۔ اُس کے چہرے پر مسکراہٹ کھیل رہی تھی اور آنکھوں میں عبادت کا سا انداز سمٹ آیا تھا۔ یہ خطرے کی گھنٹی تھی جو فوراً ہی خان کے ذہن میں بجنے لگی تھی۔ اُس نے ذہنی اور جسمانی طور پر خود کو کسی بھی آمدہ طوفان کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار کیا اور اُٹھ کھڑا ہوا۔

○

لڑکی کے وہاں پہنچنے تک وہ خود لوگوں کے درمیان سے راستہ بناتا ہوا دروازے کی طرف بڑھنے لگا۔ لڑکی کا رُخ مخالف سمت سے اُس طرف تھا۔ دروازے سے چند قدم پہلے ہی وہ بالکل اُس کے نزدیک آگئی پھر اچانک ہی اُس سے ٹکرا بھی گئی۔ یہ ٹکراؤ بڑا جان لیوا اور اُلجھا دینے والا تھا لیکن خان کا ذہن پوری طرح بیدار تھا۔

لڑکی نے گو کہ اِس ٹکراؤ کے اچانک ہو جانے کی شاندار ایکٹنگ کی تھی لیکن خان بخوبی اندازہ کر سکتا تھا کہ ایسی کوئی بات نہیں اور یہ لوگ اب اُس کی چھان بین کیے بغیر اُسے یہاں سے نکلنے نہیں دیں گے۔

"شکریہ" ـــــ لڑکی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"کوئی بات نہیں ـــــ" اُس نے غرور کو بالکل نارمل رکھا اور اُٹھ کر باہر کو چل دیا۔ لڑکی اِس کے تعاقب میں تھی۔ باہر رکھے جوتے پہنتے ہوئے اُس نے آخری بار آنکھوں میں باہر کے ماحول کا جائزہ لے لیا تھا۔ اُسے گنجے کے علاوہ بھی دو ایک اور چہرے مشکوک نظر آرہے۔ یہ لوگ بظاہر بالکل لاتعلق سے ایک دوسرے سے الگ تھلگ بکھرے ہوئے کھڑے تھے۔

"کہاں جائیں گے آپ؟" لڑکی نے اچانک ہی اُس پر سوالی داغ دیا۔

"شہر کی طرف" ـــــ اُس نے ہلکے پھلکے جواب دیا۔

"مجھے بھی اُدھر ہی جانا ہے۔ چلو اچھا ہے ساتھ رہے گا۔" لڑکی نے فوراً کہہ دیا۔

خان نے کوئی جواب نہ دیا۔ یہاں وہ اُس کی کسی بات کا جواب بھی نہیں دے سکتا تھا۔ اُسے ڈانٹ بھی نہیں سکتا تھا۔ اگر وہ اُس کی پیش کش ٹھکرا دیتا تو اس معاشرے میں یہ بڑی عجیب سی بات ہوتی اور وہ خوامخواہ مشکوک ٹھہرتا۔

"چلئے" ـــــ اُس نے اچانک ہی تن کر کھڑے ہوتے ہوئے لڑکی سے کہا۔

Scanned and PDF by Qamar Abbas

دروازے سے باہر جانے والے راستے کی طرف چل دیے۔ خان نے خود کو صورتحال سے بالکل لاتعلق ظاہر کرنے کی اپنی سی کوشش کر ڈالی تھی، لیکن اُسے احساس ہو رہا تھا جیسے دل کی دھڑکن بے قابو ہوتی جا رہی ہے۔ اِس احساس نے اُس کے لاشعور میں دُور دُور تک بھی کہیں خوف موجود ہے اُسے بڑی اُلجھن میں مبتلا کر رہا تھا۔ اُسے خود پر غصہ آنے لگا تھا کہ آخر لاشعوری طور پر ہی سہی وہ خود کو غیر محفوظ کیوں محسوس کر رہا ہے۔

شعوری ذہنی رویے نے اب اُس کے اندر بہت دُور کہیں لرزتی خوف کی پرچھائیں بھی ختم کر ڈالی تھیں اور وہ ایک مرتبہ پھر مکمل طور پر اپنے آپ میں واپس لوٹ آیا تھا۔ کسی بھی صورتحال سے نمٹنے کے لیے بالکل تیار۔ اُس کی چھٹی حس نے اِس بات کا احساس دلا دیا تھا کہ اُس کے ساتھی سائے کی طرح اُس کے پیچھے لگے ہوئے تھے اور کسی لمحے اگر اس لڑکی کو خان کے قریب سے گزرا تو اُس کا صرف ایک اشارہ خان کے لیے کافی ہوگا۔

"کہاں رہتے ہیں؟" ـــــ لڑکی نے دوبارہ اُسے کریدا۔

"آپ کہاں رہتی ہیں؟" ـــــ اُس نے اُلٹا سوال کر دیا۔

"اوہ شاید آپ بُرا مان گئے۔ دراصل میں نے آپ کو یہاں پہلی مرتبہ دیکھا ہے۔"

"ٹھیک دیکھا ہے میں یہاں پہلی مرتبہ ہی آیا ہوں! یہ جو ریلوے لائن کے پرلی طرف گاؤں ہے وہاں میں آیا ہوں، میری بہن یہاں بیاہی گئی ہے ـــــ میرے بہنوئی ریلوے میں ایس ایف میں ہوتے ہیں" ـــــ وہ لڑکی کو بولنے کا موقعہ بھی نہیں دینا چاہتا تھا۔

"کیا کرتے ہیں آپ وہاں؟" ـــــ

"پڑھتا ہوں فورتھ ایئر میں۔"

"اب شہر بھی بتا ہی دو۔۔۔۔" لڑکی کا لہجہ خاصا بے تکلف ہو چلا تھا۔ خان حوصلہ مندی سے خود کو سنبھال رہا تھا۔

"لدھیانہ۔۔۔۔"

"اوہ۔۔۔۔ یوں کہو ناں۔ ہم بھی وہاں کے ہیں۔ ماڈل ٹاؤن میں گھر ہے۔ میں بھی یہاں مہمان آئی ہوں۔ اپنے چچا کے گھر۔ وہ پولیس کے افسر ہیں یہاں اُن کی ڈیوٹی لگی ہے"

۔۔۔۔ "ارے! میں نے تو تمہارا نام ہی نہیں پوچھا۔۔۔۔" اُس نے اس دفعہ باقاعدہ خان کے بازو پر ہاتھ بھی مار دیا تھا۔

"راج کمار۔۔۔۔" اُس نے متانت سے کہا۔

"میں بھلا ہوں۔ بھلا چوپڑا دھیانے۔ میں بھی گریجویشن کر رہی ہوں۔ خالصہ سے۔ کون کالج ہے آپ کا؟"

لڑکی واقعی سدھائی اور سمجھائی ہوئی لگتی تھی اور خان محسوس کر سکتا تھا اکیلی بھی نہیں ہے۔ اُس کے لیے کوئی بھی مسئلہ پیدا کر سکتی ہے جیسے ہی خان پر شک ہوتا۔ وہ اپنے ہمراہیوں کو اشارہ کرتی اور۔۔۔۔ اس سے آگے کچھ سوچنا نہیں چاہتا تھا۔ یہ بھی ممکن تھا کہ اُسے خان پر شک ہو بھی چکا ہو اب وہ اس کی تصدیق یا مزید کسی کھوج کی تلاش میں ہو۔

"بہت خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔ کاش یہ ملاقات لدھیانہ میں بھی ہو رہے۔۔۔۔" اُس نے اچانک ہی ایک فیصلے پر پہنچنے کے بعد اپنا لہجہ بدل لیا

"اوہ کیوں نہیں۔۔۔۔ کیوں نہیں۔۔۔۔" لڑکی نے اس مرتبہ پھر بڑی بے تکلفی سے اُس کے کندھے پر ہاتھ مارا۔

Scanned and PDF by Qamar Abbas

جس راستے پر وہ چلے جا رہے تھے اس کے دونوں طرف کھیتوں کا وسیع سلسلہ پھیلا ہوا تھا اور ان کھیتوں کے بیچوں بیچ چلنے والے اُسے نظر بھی نہیں آ سکتے تھے۔ لیکن تھا کہ اس کے ساتھی اس سلسلے میں کہیں کسی گوشے میں چھپے، اُن کا تعاقب کر رہے ہوں۔

ریلوے لائن اُن کے نزدیک آ گئی تھی پھر اُسے گاڑی کے انجن کی آواز بھی سنائی دینے لگی۔ فوراً ہی اُس کا ذہن پلٹا اور اُس نے ایک فیصلہ کر لیا۔ لڑکی سے حاصل کرنے اور اپنے تعاقب میں آنے والوں سے بچ کر نکل جانے کا

دونوں ریلوے لائن کے نزدیک پہنچ چکے تھے یہاں کوئی پھاٹک نہیں بنایا گیا تھا۔ یہ کوئی عام گزرگاہ نہیں تھی۔ وہ لائن سے ذرا ہٹ کر کھڑے ہو گئے تاکہ گاڑی گزرنے کے بعد ہی دوسری طرف جائیں۔ اس دوران خان لڑکی کو ایسی نظروں سے دیکھ رہا تھا جو واقعی کسی بھارتی ہندو نوجوان کی نظریں کہلا سکیں۔ ہوس سے بھرپور نظریں۔۔۔۔ گاڑی نزدیک آ رہی تھی۔ اور نزدیک۔ اب اس کا انجن پندرہ بیس گز دور رہ گیا جب وہ اچانک لڑکی کی طرف گھوما:

اس نے اپنے دونوں بازو سیدھے کیے اور پوری قوت سے دو ہتڑ اس کے سینے پر مارا۔ لڑکی کے لیے یہ حملہ اتنا غیر متوقع اور اچانک تھا کہ وہ سامنے ہی کھڑی رہ گئی۔۔۔۔ وہ لڑکھڑائی کھاتی دور جا گری اور شاید زمین پر گرتے ہی بے ہوش بھی ہو گئی تھی۔

کاش خان اُس کی حالت دیکھنے کے لیے رکا کب تھا؟

○

انجن پندرہ بیس گز دور تھا جب وہ اپنے قدموں پر اچھلا اور ایتھلیٹوں کی طرح

Scanned and PDF by Qamar Abbas

اپنے جسم کو تولتا ہوا ہوا میں لمبی زقند بھر کے ریلوے لائن کے پار جا گرا۔

—— اس کے اس عمل کا مکمل نظارہ اگر کسی نے گاڑی میں سے کیا بھی تو بھی اس کا کچھ نہیں بگڑ سکتا تھا۔ کیونکہ لڑکی اور اس کے درمیان خاصی لمبی ٹرین حائل تھی۔

خان دیوانہ وار کھیتوں کے اندر ہی اندر بھاگ رہا تھا۔ اس کے حساس کانوں نے اس دوران ریوالور سے کی جانے والی فائرنگ کی آواز سن لی تھی گو کہ ٹرین کے شور میں یہ آوازیں خاصی دبی ہوئی تھیں لیکن اس کے باوجود یہ جان گیا تھا کہ لڑکی کے ہمراہی ہوا میں فائرنگ کر کے شاید اپنی بوکھلاہٹ کو کسی حد تک کم کرنے میں کوشاں تھے۔

اتنی خطرناک صورتِ حال کے باوجود اُن لوگوں کی بے بسی پر بھاگتا ہوا مسکرائے بغیر نہ رہ سکا: وہ چشمِ تصور سے ریلوے لائن کے دوسری طرف موجود لوگوں کو غصے سے ہونٹ کاٹتے دیکھ رہا تھا۔

جب تک گاڑی گزرتی اور وہ لوگ لائن عبور کر کے دوسری طرف آتے عابد خان اُن کی نظروں سے اوجھل ہو چکا تھا۔ وہ گھنے اور اونچی اونچی کماد کی فصل سے بھرے کھیتوں میں دوڈھائی فرلانگ دُور جا چکا تھا۔

اُس کی سانس دھونکنی کی طرح چل رہی تھی۔ پچھلے بیس گھنٹوں سے اپنے آپ سے اعصاب شکن جنگ لڑ رہا تھا۔ لیکن حوصلہ ہارنا تو جیسے اُس نے سیکھا ہی نہیں تھا۔ کھیتوں کے سلسلے سے اب وہ باہر نکل چکا تھا اور اپنے بائیں طرف اُسے وہ سڑک بخوبی دکھائی دے رہی تھی جس پر شہر کی سمت جانے والے رکشہ، ٹیمپو اور ریڑھے بھاگے چلے جا رہے تھے۔

اُس نے اپنی رفتار کم کر کے بے ترتیب اور پھولی ہوئی سانس پر قابو پایا۔

سڑک کے کنارے پہنچنے تک وہ بالکل نارمل ہو چکا تھا —— اُسے علم تھا دشمن کی نظروں کی طرح اُس کی بو سونگھتا ہوا اُس کے تعاقب میں آ رہا ہے لیکن وہ اتنے اطمینان سے سڑک کے کنارے کھڑا تھا جیسے ابھی ابھی فٹ بال میچ سے فارغ ہوا ہو۔

ایک ٹیمپو کو نزدیک آنے پر اُس نے ہاتھ کے اشارے سے روکا اور اُس میں پہلے سے موجود سواریوں کے ساتھ پھنس کر بیٹھ گیا۔

ٹیمپو میں موجود سواریوں نے اپنے اپنے زاویے سے اُس پر نگاہیں دوڑائیں لیکن خان جان بوجھ کر کسی سے بھی آنکھیں نہیں ملا رہا تھا۔

—— یہ وہ لوگ تھے جو اکثر اسی روٹ پر سفر کیا کرتے تھے اور اپنے درمیان کسی اجنبی کو دیکھ کر اُن کا چونکنا بھی ضروری تھا۔ شاید اسی لیے اُس کے برابر والی سیٹ پر بیٹھے ایک گہری آنکھوں والے بوڑھے سکھ نے اُس سے پوچھا تھا۔

"کتھوں آں (کہاں سے آئے ہو)؟"

"پنڈ والی" —— خان نے پہلے ہی سے خود کو ایسی صورتحال کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار کر رکھا تھا۔

"کدھر جانا ایں (مہمان ہو)؟" دوبارہ اُس نے خان کی آنکھوں میں جھانکا جہاں اُسے مروت کے سوا اور کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

"جی ہاں امرتسر سے آیا ہوں۔" خان نے اُسے ایسے پھاڑ کھانے والے انداز میں جواب دیا کہ دوبارہ بوڑھے سکھ کو جو شکل ہی سے پولیس کا ٹاؤٹ دکھائی دے رہا تھا کوئی اور بات پوچھنے کی ہمت نہ پڑی۔

اس کے ساتھ والے کسی مسافر نے شاید خان کے تند و تیز لہجے کو بھانپ لیا تھا۔

تب ہی تو اُس نے بوڑھے سکھ کو قریباً ڈانٹتے ہوئے کہا تھا، سردیج کیا بن گیا ہے یار۔ مصیبت ڈال رکھی ہے اِس نے۔ خوامخواہ لوگوں پر شک کرتا رہتا ہے۔

"اور کیا....." ساتھ والی سواریوں نے کہا۔

شاید یہ لوگ بوڑھے سکھ سردیج کی عادت سے واقف تھے اور انہوں نے بلوچ ہندو اِس بات کا بُرا منایا تھا کہ اُن کے ایک ہندو ساتھی سے اِس لیے گفتگو کی جائے۔

سردیج نے کسی بات کا جواب نہ دیا اور چپکا ہو کر بیٹھا رہا! پھر وہ لوگ رات اپنے دیہاتوں کے گرداگرد ہونے والی ہیل کے متعلق باتیں کرنے لگے، وہ کسی پاکستانی "گھس بیٹھئے" کا ذکر کر رہے تھے اور ایک آدمی بڑے رازدارانہ لہجے میں دوسروں کو بتا رہا تھا کہ اُس نے اپنی آنکھوں سے ایک پاکستانی جاسوس کو کنوئیں میں زہر ملاتے دیکھا ہے۔ اِس سوال پر کہ اُس نے اُسے گرفتار کیوں نہیں کروایا اُس نے لوگوں کو بتایا کہ جب تک وہ مقامی پوسٹ پر اطلاع کرتا وہ جاسوس بھاگ گیا تھا اور سرکار نے اب وہ کنواں بند کروا دیا ہے۔"

خان نے انہیں اپنی باتوں میں مصروف دیکھ کر خدا کا شکر ادا کیا۔

ٹھوکریں سواریاں اس بُری طرح ٹھنسی ہوئی تھیں کہ باہر لٹکتا کنڈیکٹر اندر آنے کی ہمت ہی نہیں کر پا رہا تھا۔ یہی بات خان کے لیے فائدہ مند ثابت ہوئی اور ایک جگہ جہاں ٹھوکر کا اُسے کچھ زیادہ ہی رونق دکھائی پڑی۔ شاید یہ بے چارے نزدیکی دیہات کے رہنے والے لوگ تھے جو اپنے کاروبارِ زندگی کے سلسلے میں شہر کی طرف جا رہے تھے۔

سواریوں کی ٹانگوں کو ادھر اُدھر کرتا وہ باہر نکل آیا۔ مقامی سواریوں کے کرائے اُسے حفظ تھے۔ اُس نے روپے کا ایک نوٹ کنڈیکٹر کے ہاتھ پر رکھا اور اُس کی

Scanned and PDF by Qamar Abbas

طرف دیکھنے لگا۔ کنڈیکٹر نے جیب میں ہاتھ ڈالا کچھ پیسے اُسے لوٹا کر زور سے ہاتھ اُس پر مار دیا۔

خان نے ایک لمحے کے لیے رُک کر صورتحال کا جائزہ لیا۔ اِس "سٹاپ" کے آگے پیچھے اُسے ایک ہی قطار میں بنی پانچ چھ دُکانیں نظر آ رہی تھیں۔ شاید یہ اِس علاقے کا سب سے زیادہ ترقی یافتہ گاؤں تھا۔ ایک دکان پر جہاں ایک بوڑھا سا لڑکی سر جھکائے مشین چلانے میں مصروف تھا۔ اُسے کپڑے اور کینوس کے تھیلے اور دھوتیاں لٹکتی نظر آ گئیں۔

یہ تائید غیبی تھی۔!

اُس نے ایک لمحے کے لیے کچھ سوچا پھر دُکان پر پہنچ گیا۔ دھوتی کی قیمت اُس نے جان بوجھ کر اور خاصی رعایت کے بعد کم کروائی تھی اور ایک کپڑے کا تھیلا بھی خرید لیا تھا۔ اب اُس کا رُخ سڑک کے پرلی طرف بنے کاروں کے کھیتوں کی طرف تھا۔ لوگوں کی آمدورفت ابھی خاصی شروع ہو گئی تھی۔ لیکن وہ نظریں بچا کر ایک کھیت میں داخل ہونے کے بہانے گھسنے میں کامیاب ہو ہی گیا۔

تھوڑی دیر کے بعد جب وہ کھیت سے دوبارہ برآمد ہوا تو بالکل ایک بدلا ہوا انسان تھا۔ اُس کے جسم پر قمیص تو وہی تھی لیکن دھوتی بدل چکی تھی جسے اُس نے براہمنوں کے مخصوص انداز میں بل دے کر باندھا ہوا تھا۔ ہیم مندر کے پوجا اُس کے ماتھے پر جو چندرا لگا دیا تھا۔ اس کے بعد تو وہ اب بالکل براہمن نظر آنے لگا تھا۔

دل ہی دل میں اپنے نئے روپ کا تصور کر کے وہ مسکرا دیا! اب وہ دوبارہ اُسی اڈے کی طرف جا رہا تھا جہاں اترا تھا لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ اُس کا انداز بالکل بدل چکی تھی۔ اُس کے چلنے کا انداز اِس بات کی چغلی کھا رہا تھا کہ

اس کی دونوں ٹانگوں میں کچھ فرق ہے۔ کھیتوں کے سلسلے سے سٹاپ تک وہ
یہی چال چلتا آیا لیکن کیا مجال جو اس میں ایکٹنگ کا شائبہ تک بھی گزرا ہو۔

○

بس سٹاپ کی بنی دکانوں میں سے وہ ایک چائے کی دکان پر بیٹھ گیا۔ اگر
وہ بوڑھا درزی جس سے اُس نے ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی یہ دھوتی اور قمیض
تھا، بھی اُسے دوبارہ دیکھ لیتا تو شاید پہچان نہ پاتا۔ اُس نے دکاندار کو پاؤ دودھ
کی چائے اور مٹھائی لانے کو کہا اور خود دیہاتیوں کے سے انداز میں دونوں ٹانگیں
پسار کر بنچ پر بیٹھ گیا۔

چائے پیتے ہوئے اُسے بڑی فرحت اور تازگی کا احساس ہو رہا تھا۔ ایک
لمبی اور تھکا دینے والی دوڑ کے بعد چائے کے چند گھونٹوں ہی نے اس کے
میں اُتر کر اُسے دوبارہ چوکس کر دیا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یہاں سے ابھی
جائے یا اچھے وقت کا انتظار کرے۔

اس بات کا تو اُسے بخوبی احساس تھا کہ اگلے دو تین روز تک بھی اس
کے چپے چپے پر پھیلے ہوئے سیکورٹی کے سرکاری کتے اپنی جگہ سے نہیں ہٹیں
اُس نے جس طرح بار بار اُن لوگوں کے پھیلائے ہوئے جال کو توڑ کر اپنے
راستہ تلاش کیا تھا۔ اُس کے بعد وہ لوگ کس بُری طرح جھنجلاہٹ میں مبتلا
گے؟ اس بات کا احساس اُس سے زیادہ بہتر انداز میں اور کون کر سکتا تھا
اپنے قریب بیٹھے ایک اور شخص کی گھڑی پر اُس نے کن انکھیوں سے نظر
دوڑائی گیارہ بج رہے تھے اس نے بارہ بجے تک یہیں بیٹھے رہنے کا فیصلہ
لیا تھا۔

آدھ گھنٹے میں اس نے چائے ختم کی۔ دکاندار بھی اُس کی طرف سے

Scanned and PDF by Qamar Abbas

پر شکر گزار تھا ـــــ اب کچھ نظریں اُس کی طرف خوامخواہ اٹھنے لگی تھیں
اس سے پہلے کہ وہ لوگ کسی شک و شبہ کا شکار ہوں۔ خان نے وہاں سے اُٹھ
کا فیصلہ کر لیا تھا۔

ایک خستہ حال لاری میں سوار ہو کر اب وہ شہر کی طرف جا رہا تھا اور ـــــ
شہر کے باہر بنی چونگی پر وہ اُتر گیا۔

ـــــ ریسٹ ہاؤس میں رکھا اس علاقے کا نقشہ ایک مرتبہ پھر اُس کی آنکھوں
کے سامنے پھیلتا چلا گیا۔ کرنل صاحب کی اُنگلی ایک جگہ سے اُٹھ کر دوسری جگہ جاتی
اور پھر اس چونگی پر آ کر ٹھہر گئی۔

اُسے یاد آ گیا کہ یہ نہر شہر کے باہر باہر گھوم کر شہر میں داخل ہو جاتی ہے!
چونگی کے بعد شہر میں داخل ہوتے وقت اس بس کی چیکنگ کس شدت سے ہوتی ہے؟
اس کا اندازہ تو اُسے سواریوں کی باتوں ہی سے ہو گیا تھا! بس میں موجود ہر
مرد کے چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں اور وہ لوگ کسی پاکستانی جاسوس کے
فرار کی کہانی سُنا رہے تھے۔

مختلف منہ مختلف باتیں اور مختلف نوعیت کے تذکروں سے لطف اندوز
ہوتا ہی وہ یہاں تک پہنچ گیا تھا؛ "جب اس واقعے کی خبر آگ کی طرح ان قصبات
میں پھیل چکی تھی تو سیکورٹی کا کیا حال ہو گا؟"

یہی کچھ سوچ کر اُس نے نہر کے کنارے کنارے چکر کاٹ کر پیدل ہی شہر
میں پہنچنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اس طرح اُسے کم از کم یہ اُمید ضرور تھی کہ وہ سیکورٹی
والوں کی قائم کردہ مختلف چیک پوسٹوں سے تو نجات حاصل کر سکے گا۔

نہر کی پٹڑی پر اکا دکا لوگ آ جا رہے تھے۔ دل ہی دل میں اُس نے نہر کے
دونوں اطراف دیہاتوں کے نام دوہرائے۔

Scanned and PDF by Qamar Abbas

"ایک اچھے جاسوس کی بہترین پہچان یہی ہے کہ وہ کوئی بھی اگلا قدم اٹھانے سے پہلے اُس کی مضمرات پر غور کرے اور ہمیشہ ایک "کورسٹوری" لے کر چلے۔"

—— اُس کے خنزیر صورت انسٹرکٹر نے اس کے لاشعور میں انگڑائی لی اور خان ایک مرتبہ پھر اُسی ریسٹ ہاؤس میں پھیلے نقشے کے سامنے آن کھڑا ہوا۔

سڑک کی پٹڑی کا ایک موڑ گھومتے ہی وہ اچانک چونک پڑا۔

سامنے گھنے جنگلی گھاس سے ایک جیپ نکل کر باہر آرہی تھی۔ اُس کے لیے اتنا موقع بھی نہیں تھا کہ اپنا اگلے بڑھا قدم ہی پیچھے ہٹا لے —— کیا کرے اُس نے سوچا اور اُسی لمحے ایک فیصلے پر پہنچ گیا۔

اُس نے بڑے اعتماد سے قدم اُسی طرف بڑھا دیے —— جیپ اُس کے نزدیک سے کیڑی کی چال چلتی آگے نکل گئی۔

لیکن اچانک ہی اُسے بریک لگنے کی آواز سنائی دی! اس کے اعصاب کو ایک جھٹکا جیپ کے ساتھ ہی ضرور لگا تھا۔ لیکن فولادی اعصاب کے مالک خان کے لیے اپنی کسی بھی کیفیت پر قابو پانے کو صرف چند سیکنڈ ہی کافی تھے۔

"اے ٹھہر جاؤ —— کون ہے" للکارنے والے کا لہجہ اُس کے مدراسی ہونے کی چغلی کھا رہا تھا۔

خان اُس کی آواز پہچانتے ہی پلٹا تھا۔ اُس کے دونوں ہاتھ معافی مانگنے کے انداز میں بندھے ہوئے تھے اور چہرے پر اُس نے ایک عالم کی معصومیت طاری کر رکھی تھی۔

"غریب آدمی ہے صاحب" —— اُس نے گھگیاتے ہوئے کہا۔

کدھر جائیں گا؟ —— دوبارہ اُسی مدراسی حوالدار نے پھاڑ کھانے والے لہجے میں اُسے مخاطب کیا۔

"کون ہے تمہارا جی!" —— خان کے ہاتھ بدستور بندھے ہوئے تھے۔

ایک لمحے کے لیے اس کے ساتھ بیٹھے لوگوں نے اُس کا جائزہ لیا۔ پھر کسی نے ٹوٹی پنجابی لہجہ میں اُسے نزدیک آنے کا حکم دیا —— "ادھر آ ادے" ——

سکھوں کی نظریں ڈرائیور کی سیٹ پر بیٹھے سکھ جمعدار پر سے پھسلتی ہوئی پچھلی سیٹ پر بیٹھی تھیں جہاں جوان اپنی گودیوں میں سٹین گنیں رکھے بظاہر ماحول سے بے خبر نظر آرہے تھے۔ کانپتا ہوا اُسی طرح ہاتھ باندھے اُن کے نزدیک آگیا۔

"کہاں کے ہوادے تم؟" —— اُسی سکھ جمعدار نے اپنی مونچھوں کو تاؤ دیا۔

"اوھوپور کے" —— خان دوبارہ گھگیایا۔

"ابے ادھر آ" —— مدراسی حوالدار نے اُسے نزدیک آنے کو کہا ——

"اوھوپور کے" —— اُس نے خان کے لہجے کی بڑی بھونڈی نقل اُتاری۔

پہلے ہی خان نزدیک آیا۔ حوالدار نے ہاتھ لمبا کر کے ایک زوردار تھپڑ اُس کے منہ پر رسید کر دیا۔ خان اُلٹ کر دُور جا گرا۔ جتنی پھرتی سے وہ گرا تھا۔ اُس سے زیادہ پھرتی کے ساتھ وہ اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اب اُس نے باقاعدہ روتے ہوئے ہاتھ باندھے شروع کر دیے تھے۔

"اندھا ہے کیا —— تجھے نظر نہیں آتا۔ یہ ممنوعہ علاقہ ہے۔" اُسی سکھ نے خان سے کہا۔

زمین سے اُٹھتے ہوئے خان نے سکھ کے چہرے پر ناگواری کے تاثرات محسوس کر لیے تھے سکھ جمعدار کے ذہن نے شاید مدراسی حوالدار کی یہ حرکت پسند نہیں کی تھی اور یہ فقرہ بول کر بھی شاید وہ اُسے مزید عتاب سے بچانا چاہتا تھا۔

"ہمکو معلوم نہیں مالک" —— اُس نے روتے ہوئے اچانک ہی سکھ جمعدار

Scanned and PDF by Qamar Abbas

کے پاؤں پکڑ لیے۔

"چل دفع ہو جا۔" سکھ نے اُسے بناوٹی ڈانٹ پلائی۔

خان اُسے دعائیں دیتا اُٹھ کر کھڑا ہو گیا اور دوبارہ اُسی طرف بڑھا۔ "ابے اِدھر۔" مدراسی حوالدار نے اُسے ڈانٹا اور نہر کی دوسری جانب اشارہ کیا۔

"مہاراج جی! رانی کے۔" وہ سامنے ہی تو ہے۔" اُس نے انگلی کے اشارے سے ایک سمت اشارہ کیا۔ یہاں سے ایک گاؤں کے آثار بڑے واضح دکھائی دے رہے تھے۔ "میں غریب آدمی کہاں اتنا لمبا چکر کاٹوں گا۔ بچہ بیمار ہے مالک!" اُس نے دوبارہ ہاتھ باندھے۔

"اچھا۔ اچھا۔ جلدی چلا جا۔ دفع ہو جا۔" اُسی سکھ جمعدار نے دوبارہ اُس کی مسیحائی کی۔

اس سے پہلے کہ مدراسی حوالدار کوئی اگلا حکم سنائے اُس نے قریباً بھاگنے کے سے انداز میں قدم آگے بڑھا دیے۔ اُس کے بڑھتے قدموں کے ساتھ ہی سکھ جمعدار نے جیپ کے اگنیشن میں کنجی گھما دی تھی۔ انجن سٹارٹ ہونے کی آواز نے خان کے تنے ہوئے اعصاب ڈھیلے کر دیے تھے۔

عام حالت میں وہ کبھی اس طرح تھپڑ کھانے کی ذلت کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا! اچانک پڑنے والے تھپڑ نے واقعی اُس کے چودہ طبق روشن کر دیے تھے اُس نے دل ہی دل میں ایک موٹی سی گالی مدراسی حوالدار کو دیتے ہوئے اپنے دونوں گالوں پر ہاتھ پھیر کر انہیں سہلایا۔ اس دوران جب وہ گر کر زمین سے اٹھا تو جیپ کے ایک کونے پر بنا ایک مخصوص نشان اُس کی عقابی نظروں میں آ چکا تھا۔ گو کہ اس جیپ پر اچھی طرح مٹی سے لیپا پوتی کی گئی تھی لیکن برچھی اور ہاتھ کا نشان بہرحال نمایاں تھا۔

اُس نے اپنے ذہن کے کسی بڑے ہی محفوظ گوشے میں اس نشان کو محفوظ کر لیا۔ اب اُس کے لیے "رانی کے" کی طرف جانے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں تھا۔ "رانی کے" واقعی اُسی گاؤں کا نام تھا جو یہاں سے بمشکل پون میل کے فاصلے پر نظر آ رہا تھا اور اُسے وہی راستہ جاتا تھا جس طرف سے یہ جیپ نکل کر آئی تھی۔

○

اپنا گال سہلاتے ہوئے خان نے اُس راستے پر اپنے قدم آگے بڑھائے۔ اُس نے اپنے ذہن میں کسی بھی ممکنہ امکان کو رد نہیں کیا تھا۔ کچھ بھی ممکن تھا۔ ہو سکتا ہے کہ جیپ والے کہیں چھپ کر اُس کی حرکات کا جائزہ لے رہے ہوں۔ اگر اُس نے غلط راستہ اپنایا تو وہ لوگ اُس پر کوئی بھی شک کر سکتے تھے۔ اور اب مشکوک ہو جانے کی صورت میں اُس کے لیے یہاں سے بچ نکلنے کے امکانات بالکل معدوم تھے۔

بمشکل ایک فرلانگ چلنے پر ہی اُسے کچھ ٹرک اور جیپیں ایک جھرمٹ کی شکل میں کھڑے نظر آئے جن پر گہرے سبز رنگ کا جال اور گھاس پھونس ڈال کر انہیں بھارتی فوج نے اپنی دانست میں بڑی ہوشیاری سے کیموفلاج کر رکھا تھا۔

خان کی بےقرار نظریں بڑی بےچینی سے اس جھرمٹ کا طواف کر رہی تھیں تاآنکہ وہ کوئی مقصود حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اُسی طرح کے نشانات جو اس نے پہلی جیپ پر بنے دیکھے تھے اُسے یہاں بھی نظر آ گئے۔ ایک بےجان سی مسکراہٹ اُس کے ہونٹوں پر رینگ گئی لیکن فوراً ہی اُس نے ہونٹ بھینچ لیے جیسے مسکراہٹ پر غصہ آ گیا ہو۔

یہ راستہ کھیتوں کے بیچوں بیچ اُس گاؤں تک جاتا تھا جو بدقسمتی یا خوش قسمتی سے اب اُس کی منزل تھی۔ چند قدم مزید چلنے پر اُسے ایک ٹوٹ ویل دکھائی پڑا

جس پر سکھ فوجی بڑے بڑے کچھرے پہنے غسل میں مصروف تھے اور ایک کونے میں شاید اس ٹیوب ویل کا مالک کھڑا بڑی حسرت ناک نظروں سے اُس طرف دیکھ رہا تھا۔

"اوئے کدھر جا رہا ہے" ــــ ایک سکھ فوجی نے جس کی داڑھی اور سر کے بال صابن کے جھاگ میں اس بُری طرح ڈوبے ہوئے تھے کہ اُس کی آنکھیں بمشکل کھلی دکھائی دیتی تھیں اُسے ٹوکا۔

"سردار جی سامنے والے گاؤں جانا ہے" وہ حسبِ سابق ہاتھ باندھ کر گھگیایا۔

"اوئے۔ یہ کوئی راستہ ہے جلدی نکل جا" اُس نے خان کو گالی دیتے ہوئے کہا "اگر کسی افسر نے دیکھ لیا تو تیری ساری براہمنی نکال دے گا" پھر اچانک شاید اُس کی آنکھوں میں صابن اُتر آیا تھا۔ اُس نے سب کچھ بھول کر زور زور سے اپنے دونوں ہاتھوں سے پانی آنکھوں کی طرف پھینکتے ہوئے خان پر گالیوں کی بوچھاڑ کر دی۔

اُس کے دوسرے ساتھی اس صورتِ حال سے خاصے لُطف اندوز ہو رہے تھے اور بہت زور زور سے قہقہے بھی لگا رہے تھے۔

لاکھ ضبط کے باوجود بھی خان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ رینگ گئی لیکن وہ بڑی تیز رفتاری سے آگے بڑھ گیا۔ اگر وہ سکھ اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دیکھ لیتا تو شاید وہ کبھی اپنی ٹانگوں پر چل کر یہاں سے آگے نہ جا سکتا۔

○

اُس کا رُخ "رنی کے" کی طرف تھا اور ذہن برق رفتاری سے ایک کہانی تیار کر رہا تھا۔ "تیار شدہ کہانی" کو اُس نے دل ہی دل میں دو تین مرتبہ تنقیدی جائزہ لیا پھر مطمئن ہو کر آگے بڑھ گیا۔ گاؤں کے کھیت اب شروع ہو گئے تھے

Scanned and PDF by: Qamar Abbas

اور کھیتوں میں کہیں کہیں بنی "حویلیاں" بھی اُسے دکھائی دینے لگی تھیں۔ ایک ایسی ہی حویلی کی طرف اب اُس کے قدم اٹھنے لگے تھے۔

حویلی کے باہر ٹیوب ویل کی طرف پیٹھ کیے ایک دیہاتی کسان اُسے دکھائی دے رہا تھا۔ اُس نے ایک ہاتھ میں ڈھیلے ڈھالے انداز میں کلہاڑی پکڑ رکھی تھی۔ اُس کے سامنے لگے درختوں کی قطار میں کسی درخت کی ٹہنی پر نقب لگانے کے چکر ہی دکھائی پڑتا تھا۔

خان بڑے پُر اعتماد انداز میں قدم اٹھاتا اُس کی طرف بڑھنے لگا۔ اب وہ اُسے صرف سے واقعی ایک براہمن زادہ نظر آتا تھا۔ اپنی چھٹی حس کے زیرِ اثر وہ درمیانی عمر کا شخص اُس کی طرف اچانک ہی گھوما۔

"رام رام جی" ــــ خان نے دونوں ہاتھ بڑے سلیقے سے خاندانی براہمنوں کی طرح باندھے ہوئے اُسے پرنام کیا۔

"رام۔ رام" ــــ شاید اُس کی شخصیت نے مخاطب پر پہلی ہی نظر میں اثر کیا تھا۔

"رنی کے" اسی گاؤں کا نام ہے کیا ــــ" خان کا لہجہ بڑا مدبرانہ سا ہو گیا تھا۔

"ہاں مہاراج" ــــ مخاطب اب مکمل اسیر تھا۔

"مجھے لکھدیو جی کے گھر جانا تھا" اُس نے اپنی پہلے سے تیار کردہ کہانی کے مطابق براہمن تیر چلایا۔

"اس لکھدیو کے ــــ یہاں دو رہتے ہیں۔ ایک منگو رام کا بیٹا اور دوسرا کانتی رام کا" اجنبی نے وضاحت کی۔

"جی میں اُن کے پتا جی کے نام کا تو علم نہیں۔ بس وہ درمیانی سی عمر کے ہیں۔

Scanned and PDF by Qamar Abbas

اور لدھیانہ میں ریکروٹنگ کا کام کرتے تھے"۔۔۔ خان کا لہجہ بدستور پُرسکون تھا۔

"کیا بات کر رہے ہیں پنڈت جی مہاراج"۔ شاید مخاطب کو سمجھ نہیں آئی تھی۔

"شریمان جی ہم جس سُکھدیو جی کا ذکر کر رہے ہیں وہ پاسپورٹ ویزوں کا کام کرتے ہیں۔ انہوں نے ہمیں یہی پتہ بتایا تھا اپنا"۔

"شریمان جی کسی گہری سوچ میں ڈوب گئے شاید بے چارہ اپنے ذہن پر زور دے کر اردگرد کے دیہاتوں میں کسی ایسے سُکھدیو کو کھوج رہا تھا۔ قریباً ایک منٹ بعد اُس نے مراقبے سے سر اٹھایا اور اُس سے مخاطب ہُوا۔

"پنڈت جی! آپ شاید غلط ایڈریس پر آ گئے ہیں"۔

"کیا بات کرتے ہیں مہاراج جی! یہ کیسے ممکن ہے ہمیں تو اُس نے سارا راستہ حفظ کروا رکھا ہے"۔ پھر اُس نے شہر کی چونگی سے اس گاؤں تک راستے میں آنے والے دو تین دیہاتوں کے نام بھی لے دیے۔

اُس کا مخاطب دوبارہ کسی سوچ میں پڑ گیا۔ آدمی "سمجھدار" معلوم ہوتا تھا۔ شاید معاملے کی تہہ تک پہنچنا چاہتا تھا۔

"آیئے آپ بیٹھیں۔۔۔ اطمینان سے بات کرتے ہیں"۔ اُس نے خان کو قریبی چارپائی کی طرف اشارہ کیا اور خود بھی اُسی طرف بڑھنے لگا۔

خان بظاہر ہونقوں کی طرح منہ اٹھائے اُس کے سامنے چارپائی پر بیٹھ گیا۔ اس کے مخاطب نے "پنڈت جی مہاراج" کا خاص احترام کیا تھا اور اُسے سرہانے کی طرف بٹھا کر خود پائنتی کی طرف آ بیٹھا۔

"ایک بات ہے پنڈت جی مہاراج"۔ اُس نے کسی گہری سوچ میں ڈوبتے ہوئے

خان کو مخاطب کیا۔

"کیا بات؟"۔۔۔ خان نے اپنی طرف سے خاصی حیرانگی کا اظہار کیا تھا۔

"ہم ہیں تو جاٹ لوگ لیکن مجھے یوں لگتا ہے جیسے آپ کے ساتھ کوئی دھوکہ کر گیا ہے۔ کیا شبھ نام ہے آپ کا؟"

"ایمت شرما"۔۔۔ خان نے کہا۔۔۔ "لیکن ہم آپ کا مطلب نہیں سمجھے"۔ اُس نے انجان بننا چاہا۔

"ابھی سمجھ آ جائے گا مہاراج۔ مجھے ذرا بتایئے قصہ کیا ہے"۔

پھر "ایمت شرما جی" اُسے قصہ سنانے لگے۔ اُنہوں نے بتایا کہ سُکھدیو نامی اس شخص نے اُن سے پانچ ہزار روپیہ باہر بھجوانے کے لیے لیا تھا اور آٹھ دن کا وعدہ کیا تھا کہ ویزا آ جائے گا۔ آج آٹھ ہفتے ہونے کو آ رہے ہیں۔ انہوں نے سوچا کہیں سُکھدیو جی "بیمار نہ پڑ گئے ہوں۔ اس لیے اُس کے گاؤں چلے آئے ہیں"۔

"اوہ! کتنے بھولے ہیں آپ مہاراج پنڈت جی"۔ اُس کے مخاطب کو واقعی خان کی "سادہ لوحی" پر ترس آ رہا تھا۔ "آپ پڑھے لکھے آدمی ہو کر سمجھ نہیں سکے۔ وہ شخص جو کوئی بھی تھا آپ کے ساتھ دھوکہ کر گیا اور آپ کو پریشان کرنے کے لیے یہاں بھیج دیا"۔

"بھگ۔۔۔ گھور بھگ۔۔۔ ہے بھگوان"۔۔۔ خان نے ٹھنڈی سانس لی۔۔۔ "اس نے تو روپیہ بھی قرض پکڑ کر حاصل کیا تھا۔۔۔ ہے بھگوان"۔ اُس کی شکل خاصی رونی ہو چلی تھی۔

"حوصلہ کیجئے مہاراج! حوصلہ کیجئے! میں آپ کے لیے جل پھوہن کا بندوبست کرتا ہوں"۔۔۔ اُس کے مخاطب نے خان کی پیٹھ پر تھپکی دے کر اُس کا حوصلہ بڑھایا۔

Scanned and PDF by Qamar Abbas

"کیا شبھ نام ہے آپ کا؟" اس مرتبہ جب خان نے اپنا چہرہ اُس کی طرف موڑا تو اُس کی خوبصورت آنکھوں میں آنسو چمک رہے تھے۔

"میں پنڈتوں کا داس ہوں مہاراج جی کمار نام ہے میرا۔" وہ پنڈت پروا قعی مرتا تھا۔

"کمار جی آپ کا بہت دھنواد ـــــ ہم کو جانے دیجئے۔" خان کا لہجہ خاصا گھمبیر تھا۔

"نہیں مہاراج نہیں ـــــ یہ کبھی نہیں ہوگا ـــــ کیڑی کے گھر نارائن آئیں اور چلے جائیں۔ آپ اتنے سفر سے پہلے ہی تھکے ہوئے ہیں۔ آپ ہمارے غریب کی کٹیا پر رات بسر کیجئے۔ صبح میں خود آپ کو لاری اڈے پر شہر تک چھوڑ کر آؤں گا۔"

"آپ کیوں تکلیف کرتے ہیں ـــــ یہ تو ہمارا نصیب ہے۔ آپ کیوں کشٹ اٹھاتے ہیں ہمارے لیے۔"

"پنڈت جی" کی آواز ابھی تک بھرائی ہوئی تھی۔

"یہ میرا کرتوے (فرض) ہے مہاراج" ـــــ کمار نے ہاتھ باندھے۔

کمار کی ضد پر "پنڈت جی" کو ہتھیار ڈالنے پڑے اور وہ اُسی کھاٹ پر پاؤں پسار کر بیٹھ گیا۔

○

کمار اُسے تھوڑی دیر انتظار کرنے کے لیے کہہ کر چلا گیا اور خان سوچنے لگا کہ قدرت کو واقعی اُس کی حالت پر رحم آگیا ہے۔ یہ شخص بالکل فرشتہ بن کر اُس کی مدد کر رہا ہے۔ اگر وہ آج کی رات بھی اس علاقے میں گزار لیتا تو کل تک خاصا توانا ہو جاتا۔ کمار جیسے براہمنوں کے عقیدت مند سے یہ توقع تو فضول تھی کہ وہ اُس کے متعلق کوئی چھان بین کرتا رہے گا۔ اگر ایسی بات ہوتی بھی تو خان اُس کے لیے

اصل طور پر مکمل تیار تھا۔

کمار اُسے یہیں بٹھا کر گاؤں کی سمت جانے والے راستے پر چلا گیا تھا۔ شاید اپنے گھر سے پنڈت جی کے لیے "جل بھوجن" لینے گیا تھا۔ ان فارغ لمحات کو غنیمت جانتے ہوئے خان نے اپنے کپڑے ایک طرف اتار کر رکھے اور زیرِ جامہ کے ساتھ ہی ہینڈ پمپ کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ اُس نے پہلے ہندوؤں کے سے مخصوص طریقہ عبادت کے انداز میں دونوں ہاتھ جوڑ کر منہ سے اُلٹے سیدھے اشلوک نکالے پھر اکثر پنڈتوں کے سے انداز میں جھکتے ہوئے ایک ہاتھ سے ناک بند کر کے اپنا سر پانی کی دھار کے نیچے رکھ دیا۔

تین چار منٹ بعد جب وہ نہانے سے فراغت پا کر باہر نکلا تو اُسے اپنا وجود پہلے کے مقابلے میں خاصا ہلکا محسوس ہونے لگا۔ کھاٹ پر بیٹھے ہوئے اُسے پچھلے تمام واقعات ایک ایک کر کے یاد آنے لگے تھے اور اس کا دل اس تشکر کے جذبات سے بھر بھر آتا تھا۔ واقعی یہ اُس پر اللہ کی خصوصی کرم فرمائی تھی کہ وہ ابھی تک ان موذیوں کے شکنجے سے بچا ہوا تھا۔

کمار کی واپسی قریباً آدھ گھنٹے بعد ہوئی۔ اس مرتبہ اس کے ساتھ اُس کی بیوی بھی آئی تھی جس نے اپنے ہاتھوں میں "تھالی" اٹھا رکھی تھی اور اُس پر کپڑا ڈال کر اسے گرد و غبار سے محفوظ بھی کیا ہوا تھا۔

کمار کی بیوی پر پہلی نظر پڑتے ہی خان کو احساس ہوا کہ اس عورت کے ساتھ ناانصافی ہوئی ہے۔ بادی النظر میں اُس کی عمر بمشکل بیس سال دکھائی دے رہی تھی جبکہ اُس کا شوہر ڈھلتی عمر کا آدمی تھا۔

"شاید اس کی دوسری شادی تھی؟" ـــــ کچھ بھی ہو۔ اُس نے سوچا مجھے اس سے کیا۔

Scanned and PDF by Qamar Abbas

"کملا ہے مہاراج میری دھرم پتنی"۔۔۔ اُس نے خان سے اپنی بیوی کا تعارف کروایا۔ جس نے تھالی چارپائی پر رکھ کر پنڈت جی کے چرن چھو کر عقیدت و احترام کا اظہار کیا تھا۔

خان نے بھی کھڑے ہو کر دونوں ہاتھ باندھتے ہوئے اُسے پرنام کیا۔ اُسے اس کملا کی آنکھوں میں ہلکورے مارتی ایک مخصوص پیاس کا بڑی شدت سے احساس ہوا تھا۔ اُس کا لہجہ چغلی کھا رہا تھا کہ: "اُس کا تعلق اس علاقے سے نہیں۔ شاید بے چاری دسلی ہند کے کسی علاقے کی رہنے والی تھی اور ہاتھوں ہا بکتی ہوئی گجرات تک پہنچی ہوگی۔"

دونوں پاؤں چارپائی کے اوپر کر کے وہ پنڈتوں کے مخصوص انداز میں آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا۔ کملا نے تھالی اور تازہ پانی سے بھرا پیتل کا ایک لوٹا اُس کے سامنے رکھ دیا۔

"آپ جل بھوجن کیجئے مہاراج! میں ذرا سامنے سے لکڑی کاٹ لاؤں۔" اُس نے کھاڑی ہاتھوں میں تولتے ہوئے کہا۔

"اوشے۔۔۔ اوشے۔۔۔ (ضرور۔ ضرور)" خان نے کہا۔

"مہاراج کا خیال رکھنو۔" اُس نے جاتے جاتے اپنی بیوی کو تنبیہ کی جس نے گردن جھکا کر اُس کے حکم پر صاد کر دیا۔

○

سر جھکائے وہ کھانے میں مصروف تھا۔

۔۔۔ تازہ سبزی اور ہندو گھرانے کے بنے ہوئے چھوٹے چھوٹے مخصوص پھلکے اور اُن کے ساتھ مختلف اقسام کی کھٹی میٹھی چیزیں دیکھ کر اس کی بھوک چمک اٹھی تھی لیکن وہ بڑے سکون اور وقار انداز میں لقمہ لقمہ بڑی نزاکت

کھا رہا تھا۔ اس دوران اُس نے گو کہ براہِ راست کملا کی طرف دیکھنے کی جرأت نہیں کی تھی لیکن کن انکھیوں سے اُس نے دیکھ لیا تھا کہ کملا کی نظریں مسلسل اُس پر گڑی ہیں۔

گجر کے وہاں سے رخصت ہوتے ہی اُس کا چہرہ بدلنے لگا تھا اب وہ ایک سہمی ہوئی اور چادر اوڑھ عورت کے بجائے نوجوان لڑکی بنتی چلی جا رہی تھی۔ اس کے سر پر موٹے سوت کی چادر کھسک کر اُس کے شانوں پر آ رہی تھی اور ہوا نے اب اس کے بالوں سے اٹھکیلیاں کرنی شروع کر دی تھیں۔

حالات نے کملا بے چاری کو واقعی بہت چھوٹی سی عمر ہی میں مکمل عورت بنا دیا تھا اور خان نہیں چاہتا تھا کہ: "یہ معصوم لڑکی جسے بھارتی سماج نے فاحشہ بنا رکھا تھا اُس کے اعصاب پر غالب آئے۔" اُس نے جلد ہی خود کو سنبھال لیا۔

"کہاں کی ہیں آپ؟" کھانا کھاتے ہوئے اچانک ہی اُس نے کملا پر سوال داغ دیا۔

"میں اب کہاں کی رہی ہوں مہاراج۔۔۔ کہیں کی بھی تو نہیں رہی۔ نہ گھر کی نہ گھاٹ کی۔" اُس نے بڑی لمبی آہ بھر کر خاصے دُکھیا لہجے میں کہا۔

"کوئی تو دیس ہوگا آپ کا؟"

"ہاں مہاراج۔ ہمارا دیس تھا۔ گھر تھا۔ ماتا پتا تھے۔ بہن بھائی تھے۔ اب تو ہم بھی نہیں رہا۔" اس کا لہجہ قدرے گھمبیر ہو چلا تھا۔

"یہ سارا سنسار ہے ہی دُکھ کی نگری۔ یہاں سب روگ ہی روگ ہیں ہے بھگوان۔۔۔" خان نے اُس کی حالت پر کفِ افسوس ملا۔

"آپ نے ٹھیک ہی کہا مہاراج۔ ہم تو جنم جنم کے دُکھیا ہیں۔"

اس کی پہلے سے طے شدہ منصوبہ بندی میں کہیں بھی "رنی" کے کملا ذکر تک نہ تھا۔

Scanned and PDF by Qamar Abbas

"اچھا ہوا۔ اِس طرح میں بھی تو آپ سے ٹکرا گئی ہوں۔" وہ خاصی بیباک ہو رہی تھی۔

"میں تو ایک آدھ روز کا مہمان ہوں ۔۔۔ خان اِس کارڈ کو ہر صورت ہاتھ میں رکھنا چاہتا تھا۔

لگا راب ایک لڑکی گھسیٹتا ہوا اُس طرف آتا دکھائی دے رہا تھا۔ دونوں کی صورتحال کی نزاکت کا احساس بھی کر لیا تھا۔

کملا نے بڑے سلیقے سے دوبارہ موٹے سوت سے بنی ہوئی چادر اپنے سر پر ڈال کر دیہاتی عورتوں کی طرح لمبا گھونگھٹ نکال لیا تھا۔

○

لگا کے وہاں پہنچنے تک کملا نے اُس کے سامنے سے برتن ہٹا لیے تھے اور اب انہیں شاید مانجھنے جا رہی تھی۔

"آپ کا بہت دھنوار۔ اس کلجگ میں آپ ایسے اچھے لوگ ہی سنسار کو سورگ بنائے ہوئے ہیں۔" خان نے اُس کے نزدیک آتے ہی اُس میں ہوا بھرنا شروع کر دی۔

اُسے اس معاشرے کے دوغلے پن سے ابتدا ہی میں کراہت محسوس ہونے لگی تھی۔ بظاہر تو یہ شخص اتنا مذہبی بنا ہوا تھا کہ پنڈتوں کے پاؤں دھوتا پھر رہا تھا اور باطن میں وہ جنسی درندہ تھا اور محض اپنی جنسیت کو تسکین فراہم کرنے کے لیے اس اعلیٰ ذات میں بھی اُس نے کملا جیسی بدقسمت لڑکی خرید کر اپنے گھر میں بسا رکھی تھی۔

"مساوات اس معاشرے کی بنیاد ہے ۔۔۔" اُسے دورانِ تربیت اپنے اُستاد کا کہا ہوا فقرہ یاد آ گیا۔ "لیکن تم وہاں مصلح بن کر نہیں جاسوس بن کر اُن لوگوں کے

اب تک وہ حالات کے دھارے ہی پر بہتا ہوا یہاں آیا تھا۔

اُس نے قدم قدم پر نئی منصوبہ بندیاں کی تھیں۔ اور واقعی ایک تھکا دینے والی اعصابی جنگ خود سے لڑی تھی اور ۔۔۔ اب حالات نے اِس موڑ پر کملا کو اُس کے سامنے لا کر کھڑا کر دیا تھا۔

بھارت میں اِن حالات میں کسی بھی عورت کا سہارا اُس کے لیے باعثِ اطمینان ہو سکتا تھا! اُس نے کار سے ملاقات کے بعد جو نئی منصوبہ بندی کی تھی وہ سوچنے لگا تھا کہ: "اس میں کہیں یہ دھان پان سی لڑکی فٹ بھی بیٹھتی ہے یا نہیں؟"

فی الوقت اُسے اپنے سوال کا کوئی مناسب جواب نہ ملا اور اُس نے دیکھ اور انتظار کرو" کی پالیسی کو مفید جانا۔ اس کے باوجود وہ کملا کو کھونا نہیں چاہتا تھا۔

"آپ شاید بنگال کی ہیں؟" اُس نے پیش رفت کی۔

"مہاراشٹر کی۔ میرا جنم شاید بمبئی میں ہوا تھا۔ میرے ماں باپ نے مجھے صرف دو سو روپے کے عوض اُس کے ہاتھ بیچ ڈالا۔" ۔۔۔

"تم اِس کی پہلی بیوی ہو کیا؟"

"نہیں ۔۔۔" اُس نے کہا ۔۔۔ "پہلی بیوی تو دو بچوں کو جنم دے کر مر گئی میں تو دوسری ہوں۔ لیکن یہ بھی کیا معلوم سچ ہے یا جھوٹ ۔۔۔ گاؤں والے تو یہ کہتے ہیں۔ اِس گاؤں میں مجھ جیسی تین اور لڑکیاں بھی ہیں۔ وہ بھی خرید کر لائی گئی ہیں۔"

"اوہ ۔۔۔!" خان نے ہمدردی ظاہر کی۔

"آپ اِس کے واقف ہیں کیا؟ شہر جاتا رہتا ہے ناں؟"

"نہیں ۔۔۔ بس حالات نے اچانک ہی تمہارے پتی سے ٹکرا دیا۔"

Scanned and PDF by Qamar Abbas

راز چرانے جا رہے ہو۔ جذبات کو کبھی خود پر غالب نہ آنے دینا۔ جس معاشرے میں جا رہے ہو اُس کا ایک مکمل اور مربوط حصہ بن کر رہنا۔ اگر کبھی تم نے اُس سے ہٹ کر کچھ سوچنے یا کرنے کی ٹھانی تو بڑی بے رحمی سے مارے جاؤ گے۔"

اور اُسے بادلِ نخواستہ ہی سہی بہرحال ہندو بن کر رہنا تھا۔ فی الوقت اُس نے اِس معاشرے کے مذہبی پیشواؤں کی اولاد کا روپ دھار رکھا تھا جو اِس بات کا متقاضی تھا کہ وہ کمار سے بھی زیادہ بھرپور منافقت کا ثبوت دے۔

یہ اُس کی خوش نصیبی تھی کہ اُس کا سامنا بھی کمار جیسے روایتی ضعیف العقیدہ ہندو سے ہوا تھا جو ضرورت سے زیادہ براہمنوں کا تابعدار نکلا آیا تھا۔ کمار کو اُس نے جلد ہی ایک لمبی کہانی سنا دی کہ کس طرح اُس نے اپنے ماتا پتا کی مرضی کے خلاف باہر جانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اس نے کمار کو بتایا کہ وہ گریجویشن کر چکا ہے لیکن اِس کے باپ کی خواہش ہے کہ وہ اُس کی جگہ مندر کی گدی سنبھالے اور اگلا پروہت خود ہو۔

"ہم لوگ "وشنو ماتا" کے پجاری ہیں۔ یہ مندر میرے پردادا نے خود بنوایا تھا اور ماتا کے کئی تحائف ہمارے ہاں موجود ہیں۔ دادا کے بعد میرے پتا نے پروہت کی گدی سنبھالی تھی اور اب وہ مجھے یہاں بٹھانا چاہتے ہیں۔" اُس نے کمار کو مذہبی کمزوری سے خبردار فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

"مہاراج جی آپ کے پاس بھگوان کا دیا سب کچھ تو ہے۔ آپ کس چکر میں پڑ گئے۔" کمار نے اُسے سمجھایا۔

"بس ہماری بدھی (عقل) بگڑ گئی تھی۔ ہے ماتا وشنو والی۔ ہم پر مہربان ہو گئی۔" اُس نے خالص براہمنی انداز اپنایا۔ "اب بینتی (درخواست) کرنی ہے آپ سے۔" اچانک ہی ایک خیال اُسے آ گیا تھا۔

"کیا۔" کمار بسر و چشم حاضر تھا۔

"دیکھئے ہمارے پتا جی علاقے کے عزت دار آدمی ہیں۔ یوں بھی ہم نے یہ کام ان کی مرضی کے خلاف کیا تھا۔ اب بھگوان نے ہمیں سیدھا راستہ دکھا دیا ہے۔ ہم نے بھی توبہ کر لی۔ اب تو سارا جیون دھرم کی سیوا ہی میں بیتائیں گے۔ آپ اس بات کا تذکرہ اِس گاؤں میں اور کسی سے نہ کیجیے۔ بس یہ راز ہمارے اور آپ کے درمیان ہی رہنا چاہیئے۔ آپ لوگوں کو یہی بتائیں کہ ہم آپ کے مہمان ہیں اور آپ سے ملنے آئے ہیں۔"

"جیسی اچھیا (مرضی) مہاراج کی۔" کمار نے اُس کی ہاں میں ہاں ملائی اور ہاں دل ہی دل میں ایسے بیوقوف ہمدرد سے ملاپ پر ایک مرتبہ پھر بمدہ شکر ادا کیا۔

○

کملا اس دوران برتن دھونے سے فارغ ہو چکی تھی۔ کمار نے ٹوب ویل پر ہی ایک چھوٹے سے کمرے سے اُس کے لیے بستر نکال کر چارپائی پر بچھا دیا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اُس کے معزز مہمان کی مدارت میں کسی بھی قسم کی کوئی کمی آئے۔ خان نے کمار کو ہشیاری سے یہ باور کروا دیا تھا کہ "ماتا وشنو" کے مندر سے متعلق کچھ قیمتی اشیاء اُس کے پاس موجود ہیں اور اگر ایسی کوئی بھی شے کمار کے گھر میں پائی جاتی تو وہ دونوں میں لکھ پتی بن جاتا۔

اس دوران ٹوب ویل پر اکا دکا لوگ گزرتے ہوئے کمار کی خیریت معلوم کر چکے تھے۔ ابھی تک کسی نے خان کے متعلق دریافت نہیں کیا تھا۔ شاید دیہاتوں کے لوگ تھے اور انہوں نے پنڈت جی کے ٹھاٹھ باٹھ ہی دیکھ کر یہ اندازہ لگا لیا ہوگا کہ یہ کمار کے کوئی "خاص مہمان" ہیں اگر اس کے اپنے گاؤں

Scanned and PDF by Qamar Abbas

کا کوئی آدمی ہوتا تو وہ ضرور "پنڈت جی" کا جغرافیہ بھی معلوم کرتا جو انہوں نے کمار کو پہلے ہی سے سمجھا دیا تھا کہ اگر کوئی ان کے متعلق استفسار کرے تو اسے یہی بتانا کہ میں تمہارے ایک پرانے پنڈت دوست کا چھوٹا بھائی ہوں اور ایک شادی کا پیغام دینے آیا ہوں۔

کملا کو اس نے اس ہدایت کے ساتھ گاؤں کی طرف روانہ کر دیا تھا کہ وہ کسی سے خواہ مخواہ اس نئے مہمان کا ذکر نہ کرے۔ ابھی تک شاید اس نے کملا کو پنڈت جی کا مکمل تعارف نہیں کروایا تھا۔ دوپہر کے بعد جب کمار نے اسے گھر لے جانے کا ارادہ ظاہر کیا تو خان نے فوراً معذرت کر لی۔

"ہم یہیں ٹھیک ہیں شریمان جی! رام رام کر کے وقت گزار لیں گے۔ ہمارا من بڑا بوجھل ہو رہا ہے اپنے پاپ (گناہ) کا پرائیچت (کفارہ) ادا کیے بغیر ہمارا من ہلکا نہیں ہوگا ـــــ ہمیں یہیں رات گزارنے دیں۔" اس نے کمار کو سمجھایا۔

"جیسی مرضی مہاراج کی ـــــ" کمار نے سر تسلیم خم کیا۔

اس نے پنڈت جی کو کمرے کی چابی دے دی تھی۔ کمرے میں دو چارپائیاں ایک صراحی، پیتل کا لوٹا اور رامائن ایک اونچی جگہ پر ٹنگی ہوئی تھی۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی "امیت شرما جی" سیدھے رامائن تک پہنچے۔ پہلے دونوں ہاتھ باندھ کر انہوں نے اسے "متکارا" پھر ہاتھوں میں پکڑ کر آنکھوں سے لگایا اور اس کے بعد دوبارہ وہیں ٹانگ دیا۔

"بس ہمارا سمے یہاں بہت اچھا گزرے گا۔ ہم تو یوں بھی شام کے بعد پاٹھ ہی کرتے ہیں۔" اس نے رامائن کی دہاں موجودگی پر اپنی بے پناہ خوشی کا اظہار کر دیا۔

کمار نے کمرے کی چابی اسے تھما دی اور خود گاؤں کی طرف چلا گیا۔

اس نے بند کر دیا تھا۔ اِکا دُکا لوگ دُور دُور سے آتے جاتے رہے تھے، لیکن مقام کمار تھا کہ ابھی تک یہاں دیہات کی عورتیں کپڑے دھونے یا پھر کوئی نہانے کے لیے نہیں آیا تھا۔ بعد میں خان نے اس راز کی حقیقت کو بھی پا لیا؛ گاؤں کے لوگ کمار کے بُرے دیل پر اپنی عورتوں کو بھیجتے ہوئے گھبراتے تھے یوں بھی کوئی شریف عورت اس طرف پھٹکنے کی ہمت نہیں کرتی تھی۔

○

گاؤں سے واپسی پر کمار اس کے لیے تازہ چائے کا گلاس بھر کر لے آیا۔ ایک چھوٹی سی دیگچی کی بالٹی میں اس نے دودھ الگ سے رکھا ہوا تھا اور لفافے میں موسم کے مطابق فروٹ بھی تھا۔

"اب ہم رات کا بھوجن نہیں کریں گے۔" خان نے اسے اپنے فیصلے سے آگاہ کر دیا۔

"کہوں مہاراج! کیا غلطی ہو گئی مجھ سے ـــــ؟" کمار گھبرا گیا۔

"کچھ نہیں۔ کچھ نہیں۔ ہم رات کو زیادہ سمے جاگ کر پوجا پاٹھ میں گزاریں گے۔ بھوجن کے ساتھ ٹھیک نہیں۔" خان نے اسے تسلی دی۔

"ٹھیک ہے مہاراج" ـــــ کمار نے ہاتھ باندھے۔

اس نے مہاراج کو بتایا کہ بچوں کی وجہ سے وہ رات گھر گزارنے پر مجبور ہے۔ جہاں جی وہ چاہتا تھا کہ فی الوقت وہ چلا ہی جائے۔ یوں بھی وہ جانتا تھا کہ "کملا" کے علاوہ اس کی مجبوری اور کیا ہو گی۔ وہ سمجھ سکتا تھا کہ کمار اسے کبھی اکیلا چھوڑنے کا خطرہ مول نہیں لے گا۔

شام ڈھلتے ہی ٹھنڈک میں اضافہ ہونے لگا تھا۔ خان نے کمرے میں رکھی انگیٹھی روشن کر لی۔

Scanned and PDF by Qamar Abbas

"آپ اب جائیے ہماری پوجا کا سے ہو رہا ہے۔" اس نے کمار سے کہا۔

"ٹھیک ہے مہاراج۔"

"صبح جلدی آجانا۔ ہم چاہتے ہیں کل شام تک گھر پہنچ جائیں۔ وہ لوگ پریشان ہو رہے ہوں گے۔" اس نے کمار کو اگلا پروگرام بھی سمجھا دیا۔

کمار کے وہاں سے جاتے ہی اس نے لالٹین کی لو خاصی گھٹا دی۔ کمرے کے اندر سے گنڈی لگائی اور لمبی تان کے لیٹ رہا۔ اس دوران وہ چائے سے فراغت پانے کے بعد دودھ اور پھلوں سے بھی شوق فرما چکا تھا۔ کمار کی حد سے بڑھی ہوئی عقیدت مندی نے اُسے ابھی تک سونے بھی نہیں دیا تھا۔ کیونکہ وہ مسلسل اس کا دماغ چاٹتا رہا تھا۔

اب جو فرصت نصیب ہوئی تو جیسے ساری تھکن دوبارہ عود کر آئی۔ آدھ گھنٹہ تک وہ نیند سے جنگ کرتا رہا۔ پھر اس نے لالٹین بجھا دی اور لمبی تان کے سو رہا۔ وہ کب تک سوتا رہا؟ اس کا احساس اُسے نہیں تھا۔

صبح کمار وقت مقررہ پر آیا تو وہ دیوانگی کی حد تک اس کا عقیدت مند ہو چکا تھا۔ اُس نے آتے ہی پنڈت جی کے چرن چھوئے۔ کملا اُس کے سا حسبِ سابق تھالی اٹھا کر لائی تھی۔ اُس نے اپنے پتی دیو سے بھی زیادہ عقیدت کا مظاہرہ کیا اور آنکھ سے اشارہ کر کے مؤدب سی کھڑی ہو گئی۔

تعاقب

ہوٹل میں اپنی مخصوص میز پر وہ پچھلے آدھ گھنٹے سے براجمان تھا۔ یہاں لوگ اسے اچھی طرح جانتے تھے اور اُس کی علیت کی وجہ سے اس کا احترام بھی کرتے تھے۔ منوہر لال اُس کا نام تھا۔ اور سارا محلہ اسے "کامریڈ" کہہ کر پکارتا تھا۔ اس کی کمزوری سیاست سے زیادہ کیمونزم تھی لیکن حیرانگی کی بات یہ تھی کہ وہ کیمونسٹ پارٹی کا معمولی سا ممبر بھی نہیں تھا۔ جبکہ پارٹی کے وہ کراُسے "ولیوٹا" کا درجہ دینے لگے تھے۔

جب کبھی اس سے پارٹی والے عظیم انقلاب کے حصول کے لیے پارٹی میں شرکت کی درخواست کرتے۔ اُس کا ایک ہی جواب ہوتا۔ "فراڈ ہیں سب۔ سب فراڈ ہیں۔ جھوٹ بولتے ہیں یہ کیا خاک انقلاب لائیں گے۔"

اور لوگ مطمئن ہو رہتے۔ واقعی وہ سچا انقلابی تھا لیکن کیا مجال جو پولیس یا سی آئی ڈی میں اس کے خلاف ایک لفظ بھی کبھی لکھا گیا ہو۔ آج سے تین چار سال پہلے جب وہ اس قصبے میں آیا تھا۔ تو اس کے متعلق بڑی عجیب عجیب افواہیں گشت کرنے لگی تھیں۔ خفیہ پولیس نے ایک عرصے تک اُس پر کڑی نظر رکھی تھی لیکن اب اُسے وہ لوگ پاگل سے زیادہ اہمیت دینے کے لیے تیار نہیں تھے۔

کامریڈ منوہر لال اسی ایک ہوٹل پر بیٹھا کرتا تھا۔ عموماً اس کے لیے کونے والی

میز خالی رہتی تھی اگر وہاں کوئی موجود بھی ہوتا تو اُس کی آمد پر اُس کے احترام میں اُٹھ کر کھڑا ہو جاتا اور کرسی اُس کے لیے خالی ہو جاتی۔

○

اُس روز کامریڈ نے حسبِ معمول پچھلے آدھ گھنٹے سے اپنا لیکچر شروع کیا ہوا تھا اور لوگ بڑی عقیدت مندی سے اُس کے گرداگرد چائے کی پیالیاں تھامے بیٹھے تھے جب ایک مانوس چہرہ اس چھوٹے سے ہوٹل میں نظر آیا۔

دو بڑے شہروں کے درمیان واقع ہونے کی وجہ سے اس قصبے میں مسافروں کی آمد و رفت لگی رہتی تھی۔ کسی نے اُس طرف توجہ نہ دی۔

اجنبی، منوہر لال کے سامنے والی میز پر اس طرح بیٹھا تھا کہ کامریڈ کی نظریں اس کی تمام حرکات کا بخوبی جائزہ لے سکیں۔ اس کے اندر داخل ہونے پر کامریڈ نے ایک نظر اُس کے سر پر بندھی پیلے رنگ کی پگڑی پر ضرور ڈالی تھی لیکن چہرے سے کسی خاص ردِ عمل کا اظہار نہیں کیا تھا۔

کامریڈ کے سامنے بیٹھتے ہوئے اُس نے ایک مخصوص انداز سے زوردار انگڑائی لی۔ شاید سفر نے اُسے تھکا دیا تھا۔ کامریڈ نے اُسے انگڑائی لیتے ہوئے بھی دیکھا اور ایک مسکراہٹ اُس کے ہونٹوں پر پھیل گئی۔ ہوٹل کا واحد بیرا جو مالک کا بھائی بھی تھا اس کے پاس آرڈر وصول کرنے آیا۔

"یار بڑی توڑ لگ رہی ہے سگریٹ کی۔ پہلے مجھے باہر سے "چار مینار" کی تو لا دو۔" اُس نے یہ فقرہ اتنی اُونچی آواز سے کہا تھا کہ کامریڈ منوہر لال چونکے بغیر نہ رہ سکا۔

"پھر چائے اور برفی لے آنا۔" اُس نے دس روپے کا نوٹ اُسے تھما دیا۔

"اچھا مہاراج جی"۔۔۔ کہہ کر ہوٹل والے نے نوٹ پکڑ لیا اور سگریٹ

Scanned and PDF by Qamar Abbas

لینے چلا گیا۔

○

"اِدھر آجایئے آپ۔ میں بھی "چار مینار" ہی پیتا ہوں۔" کامریڈ نے اُسے مخاطب کیا۔

"اوہ! دھنواد، دھنواد"۔۔۔ کہتا وہ کامریڈ کے پاس آگیا۔

"کہاں جا رہے ہیں آپ؟"

"میں نے "موگا" جانا ہے۔ یہاں ایک کام کے لیے رُک گیا ہوں۔" موگا کے نام پر پھر کامریڈ کے کان کھڑے ہو گئے۔

"سگریٹ لیجئے آپ۔۔۔ "چار مینار" سگریٹ خوب ہے۔ آپ شروع سے کہاں ہیں؟ استعمال کر رہے ہیں؟" کامریڈ نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سگریٹ کی ڈبیا کھول کر اُس کی طرف سگریٹ بڑھا دیا۔

"نہیں۔ میں تو پہلے "بیڑی" پیا کرتا تھا۔" نووارد نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

اس موجود باقی لوگ اُنہیں گفتگو میں مصروف دیکھ کر اب ایک ایک کر کے "اچھا کامریڈ بھیا نمسکار" کر کر کے وہاں سے اٹھنا شروع ہو گئے تھے۔

"آپ کہاں سے ہیں آپ؟"۔۔۔ کامریڈ نے آخری "کوڈ" کا تبادلہ بھی کر لینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

"پاکوں کے پار والی بستی سے"۔۔۔ اجنبی نے اس مرتبہ آواز قدرے نیچی کر لی تھی جو سوائے کامریڈ کے اور کسی تک نہ پہنچ سکی۔

"اوہ"۔۔۔ کامریڈ کے ہونٹ گولائی اختیار کر گئے اور وہ بے ساختہ مسکرا دیا۔

"ویری گڈ تو ہے نا اُس طرف"۔۔۔ نہ چاہتے ہوئے بھی یہ فقرہ اُس کے منہ

Scanned and Edit by: Qamar Abbas

سے نکل گیا۔

"ہاں"۔۔۔ اجنبی نے مختصر سا جواب دیا۔

اسی دوران ہوٹل والا اُس کے لیے سگریٹوں کی ڈبیا لے کر آگیا تھا دونوں اُسے اپنی طرف آتے دیکھ کر خاموش ہو گئے۔

"آپ میرے ساتھ چائے ضرور پیجئے"۔۔۔ اجنبی نے کامریڈ سے بڑے عاجزانہ لہجے میں درخواست کی۔

"ہاں! ہاں! ضرور پیوں گا لیکن میزبان میں ہوں۔ آپ تو یہاں اجنبی ہیں۔"

کامریڈ شاید پہاڑوں کے پار والی بستی میں کھویا ہوا تھا۔

جب کبھی کوئی اُس طرف سے آتا تھا تو اُس کی جذباتی حالت کچھ ایسی ہی ہو جاتی تھی۔ وہ بڑا منجھا ہوا ایجنٹ تھا لیکن اپنے وطن کی سمت سے آنے والی ہوا بھی اُسے تڑپا دیا کرتی تھی۔

کامریڈ نے ہوٹل والے کو اشارہ کر دیا تھا کہ وہ اجنبی مسافر کے پیسے لوٹا دے کیونکہ وہ اس کا مہمان ہے اور یہاں کسی کی مجال نہیں تھی کہ "کامریڈ بھیتا" کے حکم کی

"آیئے باہر چل کر کھلی فضا میں بیٹھیں"۔۔۔ اجنبی نے خود ہی تجویز پیش کی۔

"اوہ! ہاں، ضرور، ضرور" کامریڈ ابھی تک شاید اُسی بستی میں گھوم رہا تھا۔

○

دونوں باتیں کرتے باہر آگئے۔ اُن کا رُخ بازار سے باہر اڈے کی طرف جانے والی سڑک کی طرف تھا۔ بازار کے خاتمے پر بنے ایک چھوٹے سے پارک میں کو بالکل ویران نظر آرہا تھا۔ دونوں بیٹھ گئے۔

انہوں نے یوں تو ہوٹل ہی میں "کوڈ ورڈز" کا تبادلہ کرتے ہوئے ایک دو کو اپنی شناخت سے مطمئن کر دیا تھا پھر بھی احتیاطاً یہاں بھی اُنہوں نے ایک دو

پھر تسلی کر لیا۔

اجنبی نے ابھی تک اُسے اپنا کوئی نام نہیں بتایا تھا، نہ ہی کامریڈ منوہر لال نے ابھی تک اُس کا نام پوچھنے کی زحمت کی تھی۔۔۔ دونوں نے ابھی تک صرف موسم کے متعلق ہی گفتگو کی تھی۔

اچانک ہی اجنبی نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا، اور ایک بند لفافہ اُسے تھما دیا۔

"لیجئے اب چلنا ہوگا"۔۔۔ اُس نے کامریڈ کی طرف مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔

"ہاں۔ آپ چلیں۔" کامریڈ نے بادلِ نخواستہ اُس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

"خدا حافظ"۔۔۔ نوردار نے بڑی آہستگی سے کہا۔

"خدا حافظ"۔۔۔ کامریڈ کی آواز قدرے بھرّائی ہوئی تھی۔

نوردار سیدھا چلتا چلا گیا۔ کامریڈ وہیں بیٹھا رہا۔ باغ کے دروازے کے قریب پہنچ کے لیے وہ رُکا۔ مڑ کر اُس نے کامریڈ کی طرف دیکھا اور ہاتھ ہلا کر آگے بڑھ گیا۔

اُس کے باغ سے باہر نکلتے ہی کامریڈ نے بڑی بیتابی سے لفافہ چاک کیا۔ اندر ایک پیلے رنگ کا کاغذ کا ٹکڑا برآمد ہوا۔ جس پر مختصر الفاظ لکھے ہوئے تھے۔

"اور وہی مل گئی ہے۔۔۔ اب پی۔ ایم نمبر لوٹ کر آنا ہے" نیچے ایک خاص نمبر لکھا تھا۔

کاغذ ہاتھ میں پکڑے وہ چند لمحے کچھ سوچتا رہا۔ پھر دوبارہ کاغذ پر نظریں دوڑائیں اس نے جیب سے ماچس کی ڈبیا نکالی اور کاغذ اور لفافے کو جلا کر اُس کی راکھ ہوا میں اُچھال ڈالی۔

گھڑی پر نظریں دوڑا کر اُس نے دل ہی دل میں ایک اندازہ لگایا اور اسٹور ٹہلتا ہوا بازار کی طرف آگیا۔ اِس مرتبہ اُس کا رُخ ہوٹل کے بجائے بازار کی دوسری سمت بنے اُس محلّے کی طرف تھا جہاں وہ ایک بڑے احاطے میں بنے بے شمار کوارٹروں میں سے ایک کوارٹر میں رہتا تھا۔ اِس بڑے احاطے میں رہنے والے تمام لوگوں کو اُس نے قریباً ایک ہی کنبے کا رُکن بنا دیا تھا اور سب لوگ الگ الگ رہتے ہوئے بھی ایک دوسرے کو اپنے گھر کا فرد سمجھتے تھے۔

"کیا بات ہے بیٹا! آج بڑی جلدی گھر آگئے"۔۔۔ اُس کے ساتھ والے کوارٹر میں رہنے والی جانکی دیوی نے پوچھا۔

"بس یونہی۔۔۔ آج بہن بہت یاد آرہی تھی"۔ اُس نے جانکی دیوی کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

"تو بُلوا لیتا اُس سے"۔

"ہاں موسی۔۔۔ مَیں سوچتا ہوں۔ آج شام کو چلا جاؤں۔۔۔" کہہ کر وہ اپنے کوارٹر میں جا گھسا۔

Scanned and PDF by: Qamar Abbas

○

کامریڈ منوہر لال کے کچھ رشتہ دار ابھی زندہ تھے۔ اُس سے اکثر لوگ ملنے بھی آیا کرتے تھے اور کبھی کبھی وہ بھی اُن سے ملنے چلا جایا کرتا تھا۔ آج بھی وہ اپنی بہن سے ملنے جا رہا تھا اور اُس احاطے کے لوگ اُس کی چند روزہ جدائی کے تصور ہی سے پریشان ہو رہے تھے۔

"گھبراؤ نہیں۔۔۔ مَیں کوئی مرنے نہیں جا رہا۔ دو تین روز میں لوٹ آؤں گا"۔ اُس نے سب کو پیار سے ڈانٹا اور اپنا چھوٹا سا اٹیچی کیس پکڑ کر باہر آگیا۔ لاری اڈے تک ایک دو آدمی اُسے چھوڑنے جا رہے تھے۔ جنہیں اُس نے زبردستی واپس لَوٹا دیا تھا۔

اڈے سے ٹکٹ خرید کر جب وہ لاری میں سوار ہو رہا تھا تو اُس کی جہاندیدہ نگاہوں نے اُس سُرخ پگڑی والے سکھ کی حرکات کا بخوبی جائزہ لے لیا تھا جس نے بڑی شائستگی سے اُس سے خفیہ رکھنے کی ہر ممکن کوشش کر ڈالی تھی۔

○

تعاقب کا یہ کھیل اُس کے لیے نیا یا انوکھا نہیں تھا۔۔۔ وہ اس میدان کا پرانا کھلاڑی تھا اور ایسی کسی حرکت کی نشاندہی اس کی چھٹی حس کر دیا کرتی تھی۔ گو اب سارے پولیس اور سیکورٹی کو اُس کے بھارتی ہونے کا یقین ہو چلا تھا لیکن وہ خود آج بھی بخوبی محسوس کر رہا تھا کہ پچھلے دو تین ماہ سے جب کبھی اُس نے اپنے گھر سے باہر جانے کی کوشش کی۔ اُس کی نگرانی ضرور کی جاتی تھی۔

خفیہ پولیس کے ایک انسپکٹر نے، جو اس کے مداحوں میں شامل تھا اُسے بتایا تھا کہ حکومت کو اُس کے "مسلم باڑی" ہونے پر شک ہے۔ اِس سلسلے میں یوں

Scanned and PDF by Qamar Abbas

بھی اُسے دو تین مرتبہ مختلف حیلوں بہانوں سے بلا کر حکومت نے اُس کی تفتیش کی تھی اس نے اپنے اعمال سے یہ ثابت کیا تھا کہ صرف "زبان" کی حد تک انتہا پسند کیونسٹ ہے، لیکن اس طرح تو خفیہ پولیس بھی اُن کی جان چھوڑنے کو تیار نہیں تھی۔

"آج کا یہ تعاقب بھی شاید اسی سلسلے کی کڑی ہو۔" اُس نے سوچا۔

لاری چل پڑی اُس نے ٹکٹ تو کسی اور شہر کا خریدا تھا، لیکن راستے میں ایک سٹاپ پر اچانک ہی اُتر جانے کا فیصلہ کر لیا۔ یہ علاقہ "بھوانی ماں" کا علاقہ کہلاتا تھا اور یہاں کا "بھوانی مندر" اپنی پوجا کے لیے سارے پنجاب میں مشہور تھا۔ دُور دُور سے یاتری یہاں ندریں اُتارنے آیا کرتے تھے۔

اُس سے دو سیٹیں پیچھے بیٹھا خفیہ پولیس کا اہلکار اُس کے اچانک اُترنے پر پہلے تو چونکا پھر اُس کی باچھیں کھل گئیں۔ اُس نے سوچا آج محنت ماں اس آگئی اور ضرور وہ یہاں کامریڈ منوہر لال کا کوئی خصوصی تعلق تلاش کرے گا۔

"بھوانی ماں" کے سٹاپ پر لاری سے قریباً ایک چوتھائی سواریاں اُتر گئی تھیں خفیہ پولیس کا سکھ اہلکار بظاہر خود کو حالات سے مکمل لاتعلق رکھنے کی شاندار ایکٹنگ کر رہا تھا لیکن اصل میں بُری طرح بوکھلا چکا تھا اور اس بوکھلاہٹ کے نتیجے ہی میں اس نے اپنا پاؤں سامنے سیٹ پر بیٹھی ایک موٹی عورت کے پاؤں پر رکھ دیا۔ جس نے اونگھتے ہوئے اپنی ٹانگیں سیٹوں کے درمیانی راستے میں پھیلا رکھی تھیں۔

عورت شاید ابھی تک نیم خوابی کی کیفیت کا شکار تھی۔ اچانک پاؤں پر پڑنے سے اُس نے گھبرا کر اتنی زور سے چیخ ماری کہ تمام سواریاں چونک کر اس طرف دیکھنے لگیں۔ عورت نے اس اثنا میں دروازے کی طرف بڑھتے سکھ کو دیکھا تھا جس سے نادانستگی میں یہ حرکت سرزد ہوئی تھی۔

موٹی عورت غصے اور تکلیف کے مارے اچانک پہلے تو اچھل کر کھڑی ہو

گئی کو کوستے ہوئے دھڑام سے سیٹ پر گرتے ہوئے اپنا پیر پکڑ لیا۔ بس کی سواریاں "بے چاری مظلوم عورت" کا ساتھ دے رہی تھیں اور انہوں نے اس پر لعن طعن شروع کر دی۔

بس کی تمام سواریوں کی طرف سے باجماعت ہونے والی پھٹکار نے اس کے اوسان آسمان پر چڑھا دیا تھا لیکن اس نے خاموش رہنے ہی میں عافیت جانی۔ وہ سمجھتا تھا کہ اب اُن لوگوں کو اپنی "سرکاری شناخت" کروائے گا وہ مار مار کر اس کا بھرکس نکال دیں گے۔

بس نکڑ سے گھما لئے دے رہی تھی کہ شاید کامریڈ پھر ہاتھ سے نکل گیا۔ لیکن اس کی جان میں جان آگئی۔ جب بس سے نیچے اُترتے ہی اُس نے سڑک کے ایک پان سگریٹ کی دُکان پر منوہر لال کو سگریٹ نوشی میں مصروف پایا۔ اس نے ایک ہاتھ میں "کمپا کولا" کی بوتل پکڑ رکھی تھی اور کسی دوسری دُنیا میں گم کھڑا رہا تھا۔

سکھ کو دل ہی دل میں بہت خوشی ہوئی اور سجدۂ شکر بجا لایا۔ کامریڈ نے اُسے دیکھ کر کوئی ردِ عمل کا اظہار نہیں کیا تھا۔ اُسی اطمینان سے اُس نے بوتل ختم کی اور سگریٹ کا آخری لمبا کش لے کر اُسے پاؤں کے نیچے پھینک کر مسل دیا۔ اب اُس کا رُخ "بھوانی مندر" کی طرف تھا۔ دوسرے یاتریوں کی طرح وہ بڑے احترام سے چلتا ہوا مندر تک پہنچا۔

مندر کے پہلو پر موجود تالاب میں اُس نے بھی دوسرے لوگوں کی طرح اشنان کیا۔ باہر موجود ناریل بیچنے والے سے دو ناریل خریدے اور مندر میں داخل ہو گیا۔ اہلکار بڑی حیرت سے یہ نظارہ دیکھ رہا تھا۔ اُس کی اطلاعات کے بالکل برعکس کامریڈ دھارمک قسم کا ہندو تھا۔ اس کے طریقۂ ہائے عبادات سے بھی یہی

Scanned and PDF by Qamar Abbas

ظاہر ہو رہا تھا جیسے وہ کسی پروہت کی اولاد ہے اور ایسی عبادات اُس کا روزانہ معمول ہیں۔

خفیہ پولیس کے اہلکار کو بھی بادلِ نخواستہ اُس کے ساتھ ہی مندر میں داخل ہونا پڑا۔ کامریڈ منوہر لال کا خشوع و خضوع اور انہماک دیکھ کر وہ اُسے بجائے مکمل باڑی کے صدیوں پرانا "تپ دھاری" سمجھنے لگا تھا۔ جب کامریڈ پجاری سے پرشاد لے کر واپس آیا تو سکھ اہلکار نے اُس کا پیچھا کرنے کی بجائے واپس لوٹ جانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

"درگا ماں" کے سٹاپ سے اپنے ٹھکانے تک وہ اپنے افسرانِ بالا کو گالیاں دیتا آیا تھا کہ انہوں نے اُس کا وقت ضائع کروانے کے لیے خوامخواہ اُسے روانہ کروایا۔ اگلے روز جب آفس پہنچ کر اُس نے "ڈائری" لکھی تو کامریڈ منوہر لال کو "دھارمک ہندو" قرار دیا اور جو لوگ اُسے "مکمل باڑی" بنانے پر تلے ہوئے تھے اُن کے بارے میں اچھی خاصی قصیدہ خوانی کر دی۔

○

مندر سے باہر آ کر منوہر لال نے سکھ کو واپسی کا راستہ ناپتے دیکھ لیا تھا بے اختیار ایک مسکراہٹ اُس کے ہونٹوں پر رینگ گئی۔ وہ اپنے ننھے قدموں سے چلتا "درگا ماں" بس سٹاپ تک پہنچ گیا۔

یہاں سے ابوہر پہنچنے تک اُس نے تین مرتبہ بسیں بدلی تھیں حالانکہ وہ چاہتا تو سیدھے راستے سے بھی یہاں آ سکتا تھا۔ ابوہر کے بس سٹاپ پر اُتر کر نے شہر کے چھوٹے سے بازار کا رُخ کیا۔ اور ایک شراب کے ٹھیکے کے سامنے کر کھڑا ہو گیا۔ ایک بوتل خرید کر اُس نے اپنے تھیلے میں ڈالی اور بڑے اطمینان چلتا ہوا شہر کے واحد بڑے بازار کے کونے پر بنے ایک آشرم کی طرف چل دیا۔

شام ڈھل رہی تھی جب وہ آشرم کے دروازے پر پہنچا۔ اندر بھجن گایا جا رہا تھا۔ "اپنے اندر عروج کو چھو رہی تھی۔ وہ ان سب باتوں سے لاتعلق سا آشرم کے رہائشی حصے کی طرف بڑھنے لگا۔ پندرہ بیس کوٹھڑیاں ایک قطار میں بنی ہوئی تھیں۔ کوٹھڑی داروں کی اس قطار کے سامنے سے گزر کر وہ آخری کونے والے کمرے کی طرف بڑھا۔

یوں دکھائی پڑتا تھا جیسے وہ یہاں کے چپے چپے سے واقف ہو۔ بھجن گایا جا رہے آشرم کا کوئی سیوادار وہاں نظر نہیں آ رہا تھا۔ کامریڈ نے ایک لمحے کے لیے رک کر کچھ سوچا پھر کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ اندر ایک کونے میں سیڑھیاں نظر آ رہی تھیں ——— کوئی بھی شخص باہر سے عمارت دیکھ کر یقین نہیں کر سکتا تھا کہ اس کمرے میں کوئی خفیہ راستہ اوپر جانے کا بھی ہوگا۔

سیڑھیوں کے ذریعے بغیر آواز پیدا کیے وہ اُوپر کوٹھے پر چلا گیا۔ کوٹھے پر چارپائیاں بچھی تھیں۔ ایک کونے میں بچھی چارپائی پر اُسے ایک پجاری لیٹا نظر آیا۔

"اے منوہر تم؟" اُسے پجاری کی آواز سُنائی دی۔

"ہاں میں ہوں کاکا!" ——— اُس نے پجاری کو جواب دیا۔

"کب آئے؟" پجاری نے ایک اور چارپائی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"آج ہی اور ابھی ابھی"

"کیا بات ہے اس مرتبہ بڑی دیر لگا دی ———" دوران گفتگو پجاری اُس کے ہاتھ میں پکڑے تھیلے پر مسلسل نظریں گاڑے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتا رہا۔ کامریڈ نے اس کا مدعا بھانپ لیا تھا۔ اُس نے تھیلے میں ہاتھ ڈالا اور ایک لفافے میں لپٹی ہوئی اُسے تھما دی۔ یہ وہی بوتل تھی جو اُس نے اُسی شہر کے ایک ٹھیکے سے شراب خانے سے تھوڑی دیر پہلے خریدی تھی لیکن بوتل کا لیبل اس دوران صاف ہو چکا تھا۔

"تیرے کاکا کیا یاد کرے گا۔ تیرے لیے خاص طور سے پہلے توڑ" کی لایا ہوں سالیوں

Scanned and PDF by Gamer Abbas

کو ایک ہفتہ پہلے بتانا پڑتا ہے۔"

"ارے جیتا رہ بھتیجے! تیری ان ہی اداؤں نے مار ڈالا ہے ہمیں ——" اس نے مذبحے بکرے کی طرح جھپٹ کر اس کے ہاتھ سے بوتل چھین لی —— "ابھی آیا" کہہ کر وہ ایک کونے میں بنی کوٹھڑی کی طرف بڑھ گیا۔

یہ کوٹھڑی پروہنا واحد کمرہ تھا اور شاید اس کا ذاتی کمرہ۔ اس نے کمرے میں پہنچنے تک بیسیوں مرتبہ بوتل کو چوما تھا اور اسے اپنے کمرے میں چھپا کر باہر آ گیا۔ لیکن اس تیزی سے اندر گیا، اس مرتبہ وہ باہر آیا تو ہاتھوں میں بستر تھامے ہوئے تھا۔ اس نے ایک خالی چارپائی پر بستر لگا دیا اور منوہر لال کو وہاں بیٹھنے کو کہا۔

منوہر لال بھی "نہ نہ" کرتا وہاں جا بیٹھا۔

اُسے وہاں بٹھا کر پجاری جھومتا ہوا نیچے اترا اور چند منٹ بعد اس کی واپسی ایک نوعمر لڑکے کے ساتھ ہوئی۔ جس نے ہاتھوں میں ٹرے پکڑ رکھی تھی جس میں تازہ کھانے کی اشتہا انگیز خوشبو منوہر لال کی بھوک کو چمکانے کے لیے کافی تھی "بھی کتھا" پسند روا ہی تھی لیکن وہ کھانا کھاتے ہی اُسی چارپائی پر لیٹ گیا۔ اٹھا اور بستر سمیت پجاری کے کمرے میں جا گھسا۔ رات گئے جب "پوجا" سے فارغ ہو کر پجاری جی اُوپر آئے تو اُن کے کمرے میں منوہر لال لمبی تان کر سو رہا تھا۔ پجاری جی نے ایک نظر اس کے چہرے پر ڈالی۔

"جیتے رہو بھتیجے! بھگوان تمہیں لمبی عمر دے کتنا خیال رکھتے ہو اپنے چچا کا" اس نے دل ہی دل میں کہا۔ اور بوتل ہاتھ میں پکڑے بڑی آہستگی سے باہر آ گیا۔

○

صبح اُٹھ کر سب سے پہلے کامریڈ نے اشنان کیا۔ اُس کے لیے پجاری جی نے نیچے ایک غسل خانے کو تالا لگوا رکھا تھا جو کامریڈ کو دیکھتے ہی رات والے خادم

لڑکے نے کھول دیا —— اشنان سے فارغ ہو کر کامریڈ "دل نخواستہ" بھجن کتھا" میں شمولیت کے لیے چلا گیا۔

کتھا کے خاتمے پر اس نے حسب روایت پرشاد بھی حاصل کیا۔ اور پجاری کے کمرے میں آ کر بیٹھ گئے۔ پجاری ابھی تک پوجا میں مصروف تھا، لیکن اس نے اپنے معزز مہمان کو بھلایا نہیں تھا۔ وہی نوعمر لڑکا کامریڈ کی آمد کے تھوڑی ہی دیر بعد اس کے لیے گرم گرم پوریاں حلوہ اور چائے لے کر آیا۔

"پجاری جی ابھی آتے ہیں —— آپ ناشتہ کیجیے" اُس نے بڑے مؤدب لہجے میں کامریڈ کو مخاطب کیا۔

"ٹھیک ہے —— جاؤ تم" —— اس نے لڑکے کی طرف دیکھے بغیر بڑی شان بے نیازی سے جواب دیا۔

ناشتہ کرتے ہوئے وہ گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ اُس کی اطلاع کے مطابق اس کا "پارسل" بہت احتیاط سے "پوسٹ" کیا گیا تھا لیکن ابھی تک وہ اپنی جگہ نہیں پہنچا تھا اس کے ساتھ ہی آر۔ وی، بھی بدل دی گئی تھی۔ اُسے تشویش صرف اتنی تھی، کہ کہیں "پارسل" غلط ہاتھوں میں نہ چلا گیا ہو۔ کیونکہ اُن لوگوں نے بہت جان سوزی کے بعد یہ "راستہ" تلاش کیا تھا۔

ایک بات تو صاف ظاہر تھی کہ "محفوظ راستے" پر سے کسی "پارسل" کا گم ہو جانا اس کی اپنی غلطی سے بہت کم ممکن تھا ضرور اس میں کسی "ڈبل کراس" کا ہاتھ تھا اور اُن کے درمیان —— کسی "ڈبل کراس" کی موجودگی ایک ہی کے لیے نہیں سب کے لیے تشویش اور تباہی کا باعث بھی بن سکتی تھی۔

کچھ بھی تھا اُسے بہرحال ابھی صرف "دیکھنا اور انتظار کرنا" تھا۔

○

Scanned and PDFed by Qamar Abbas

پنڈت جی کے منع کرنے کے باوجود کمار بہ ضد تھا کہ وہ بھی بس سٹاپ تک اُن کے ساتھ ضرور جائے گا ـــــ اور جب وہ ساتھ ہو ہی گیا تو چلتے چلتے خان نے اُسے ٹٹولا:

"آپ کا گاؤں بڑا خوبصورت ہے۔ ہم تو یہی سمجھے تھے کہ راجستھان کا یہ علاقہ صحرا ہوگا۔"

"مہاراج جی! آپ تو پڑھے لکھے لوگ ہیں۔ آپ کو علم نہیں راجستھان کا تو بس نام ہی ہے ـــــ یہ سارا گنگا نگر تک کا علاقہ پنجاب میں ہے ـــــ صدقے جایئے ہماری سرکار کے جس نے پنجابی صوبے کا نشٹ مارنے کے لیے اُس کے ٹکڑے کر دیے۔ چنڈی گڑھ تو گیا ہی تھا۔ بہانہ میں بھی خاصا علاقہ شامل کر دیا اور اس طرف ڈنڈی مار کر گنگا نگر بھی لے لیا ـــــ اب لے لیں سکھ پنجابی صوبہ ـــــ!!" کمار خاصا سمجھدار نظر آنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"ہم نے تو پہلی ہی نظر میں دیکھ لیا تھا کہ آپ بڑے کام کے آدمی ہیں" ـــــ خان نے اُس کی سیاست سے نجات پانے اور اپنا مقصد حاصل کرنے کے لیے اندھیرے میں تیر چلایا۔

"دھتواد" ـــــ کمار نے انکساری سے کہا۔

"کمار جی! جب ہم کسی کو اپنا سجن بنا لیتے ہیں تو اس سے دل کی بات چھپایا نہیں کرتے" ـــــ اس نے بڑے مضبوط لہجے میں کہا ـــــ "دھرم کرم اپنی جگہ ـــــ اور دھن اپنی جگہ۔"

اپنے آخری فقرے کا اُس نے بڑا خوشگوار ردِ عمل کمار کے چہرے پر دیکھا۔ اُس کی باچھیں کھلی جا رہی تھیں۔

"بالکل سچا کہا مہاراج!"

"ہمارے ماتا پتا نے آج تک دھرم کی ٹھیکیداری کر کے کمایا ہی کیا ہے۔"

"بالکل سچا مہاراج!" ـــــ کمار نے اگلی بات اُس کے منہ سے نکلوانے کے لیے اُس کی مزید حوصلہ افزائی کی۔

"سچی بات تو یہ ہے بھیتا نرے دھرم سے پیٹ نہیں بھرتا۔ اب تم سے کیا پردہ ہم تھوڑا بہت دھندا بھی کرتے ہیں۔ کبھی کبھی اُدھر سرحد پار سے کوئی مال اِدھر منگوا لیا اور کبھی اِدھر سے اُدھر بھیج دیا۔ مہینے میں ایک آدھ چکر بھی لگ جائے تو چاندی ہو جاتی ہے۔"

اُس کی بات مکمل ہوتے ہی کمار نے زور سے اُس کا ہاتھ دبا کر گرمجوشی کا اظہار کیا۔

"میں تو پہلے ہی سمجھتا تھا مہاراج جی! میری ساری زندگی انہی دھندوں میں گزری ہے لیکن آپ پنڈت جی مہاراج ہوتے کھل کر کہہ نہ سکا۔"

"آدمی تو بڑے سیانے ہو ـــــ کمار جی! ہم نے بھی یونہی تمہیں نہیں چن لیا۔" خان نے بھی مسکرا کے کہا۔

دونوں کھیتوں کے بیچوں بیچ چلے جا رہے تھے۔ سڑک یہاں سے نزدیک ہی تھی۔

"اب یہاں سے پیدل ہی چلنا چاہیے ـــــ باتیں بھی کرتے جائیں گے" خان نے تجویز پیش کی۔

"ٹھیک ہے مہاراج! بالکل ٹھیک ہے۔" کمار تو جیسے اُس کا دُم چھلا بن کر رہ گیا تھا۔ اُس نے کچھ سوچ کر ایک نیا راستہ پکڑ لیا۔

"ہاں سکھدیو کا میں نے ذکر کیا تھا وہ ہمارا کچھ مال لے کر بھاگ گیا ہے۔ پہلی کھیپ تھا بس ہم نے ہی اعتبار کر کے غلطی کی۔ خیر اب کچھ کر تو بیٹھا جا نہیں سکتا۔ سنا ہے کہ وہ ملکھانوں کے نزدیک ہی کہیں پچھلے دنوں نظر آیا تھا۔ اسی اطلاع پر ہم اس طرف ـــــ کمار جی! آدمی تم بڑے جی دار ہو اور سمجھدار بھی۔ سچی بات یہ ہے کہ میں اس علاقے میں تم جیسے کھرے بندوں کی تلاش ہی رہتی ہے۔ اگر جا ہو

Scanned and PDF by Qamar Abbas

تو ہم تمہیں دلوں میں لکھ پتی بنا دیں گے ـــــ" آخری بات کہہ کر خان نے اُس کا ہاتھ بھی گرمجوشی سے دبا دیا تھا۔

"مجھے ہمیشہ اپنا وفادار پائیں گے مہاراج ـــــ کتوں سے بھی زیادہ وفادار۔" جوشِ جذبات سے گلزار کی آواز کانپنے لگی تھی۔

خان چلتے چلتے اچانک رُک گیا۔ اُس کا ہاتھ اپنی قمیص کی جیب میں رینگ گیا اور باہر نکلا تو نوٹوں کی ایک گڈی اُس میں لہرا رہی تھی۔ گلزار کی رال ٹپک رہی تھی اور ندیدے بچوں کی طرح اس کی آنکھیں نوٹوں پر جمی تھیں۔ سو سو کے پانچ نوٹ گڈی سے الگ کر کے خان نے باقی نوٹ جیب میں ڈال لیے ـــــ اُس نے گلزار کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں پکڑا اور پانچوں نوٹ اس کے پسیجے ہوئے ہاتھ پر رکھ دیے ـــــ

"ہم یاروں کے یار ہیں گلزار جی! یہ صرف ہمیں ایک رات ٹھہرانے کی قیمت ہے ـــــ اگر سیدھی طرح چلتے رہو گے تو ساری زندگی عیش میں گزرے گی۔" اس نے اپنا نتھنہ گلزار کے کان کے قدرے نزدیک کر لیا تھا ـــــ "اِس گروہ میں بڑے بڑے کروڑ پتی اور افسر شامل ہیں لیکن کوئی کسی کے معاملے میں دخل نہیں دیتا ـــــ گلزار جی! ہمارے ہاتھ ہر جگہ تک پہنچ کر ہر چیز محفوظ ہو جاتی ہے ـــــ پولیس کبھی تمہاری ہوا کی طرف بھی نہیں دیکھے گی ـــــ لیکن شرط ایک ہے۔"

"کہ کرنا کیا ہوگا مہاراج" ـــــ گلزار کا چہرہ شدتِ جذبات سے سُرخ ہو رہا تھا۔ یہ پانچ سو روپیہ اُس کے تصور میں پانچ لاکھ کے برابر تھا۔ اُس نے واقعی زندگی میں کبھی اتنی بڑی رقم دیکھی تھی ـــــ کبھی یہ تصور بھی نہ کرنا کہ ہم سے غداری کر کے تم بچ جاؤ گے ـــــ میں نے کہا نا ـــــ ہمارے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔ ہم جتنے اچھے دوست ہیں اُتنے ہی بُرے دشمن۔"

"ایسا کبھی نہ ہوگا مہاراج! میں بھی جاٹ کا بچہ ہوں۔ جو زبان سے کہہ دیا سو کہہ دیا۔

اُس سے ہٹ جائے پر زبان نہیں کٹے گی۔"

"شاباش" ـــــ خان نے اُس کی پیٹھ پر تھپکی دی۔

"کرنے کرنا کیا ہوگا؟" اُس نے بے چینی سے پوچھا۔

"کچھ نہیں ـــــ بس عیش کرو اور پیسے کماؤ" ـــــ خان نے بڑے پُرسکون لہجے میں کہا۔

"پھر بھی مہاراج آخر کوئی سیوا تو کرنی ہی ہوگی۔"

"ہاں! جیسے آج میں اچانک تم سے ملا ہوں۔ کبھی کبھی کوئی "مہمان" اسی طرح دن یا رات کے کسی سمے میں تمہارے پاس آیا کرے گا ـــــ اپنی پہچان کروانے کے لیے وہ تمہارے سامنے میرا نام لے گا۔ بس اتنا کافی ہے ـــــ وہ تمہارے پاس ایک آدھ دن قیام کرے گا اور چلا جایا کرے گا ـــــ لیکن ہر آنے والا تمہاری جھولی بھر جایا کرے گا۔ بس ذرا آنکھیں اور کان کھُلے رکھا کرو۔ ملاقاتیوں میں ارد گرد جو کچھ سیکورٹی والے کریں اُس پر نظر رکھنا تمہارا کام ہے ـــــ تمہارا فرض ہوگا کہ اپنے کسی آدمی کی ہوا بھی سیکورٹی والوں کو نہ لگنے دو۔"

"ہاں مہاراج ـــــ یہ بھی کوئی کام ہے" ـــــ وہ خوشی سے دیوانہ ہوا جاتا تھا۔

"میں اتنے سے کام کا معاوضہ بھی ہزاروں روپے ملا کرے گا۔ اور ہاں جب کبھی ہمیں آپ سے کام کرنے کو چاہیے تو ہمیں اشارہ کر دینا ـــــ بھارت کے جس بڑے شہر کی بھی ہم تمہیں سیر کروائیں گے اور باقی سب کچھ بھی ـــــ ہاں ایک بات اور ہے کہ کسی آدمی کو جو تم سے ملنے آئے کبھی شراب اور عورت کے چکر میں نہ ڈالنا۔ اس کے سامنے کبھی خود ان دونوں کا نام لینا۔ اس کے لیے الگ سے انتظام ہوگا۔ ہم کام کے دوران کوئی غیر ذمہ دار حرکت برداشت نہیں کرتے۔" خان نے اپنی بات مکمل کر لی تھی۔

"آپ کا ایڈریس کیا ہوگا مہاراج ——؟" اُسے کام کی بات تو اب یاد آئی تھی۔

"کوئی نہیں —— ہم میں سے کسی کا کوئی ایڈریس نہیں ہوتا ہم لوگ خود ہی تم سے رابطہ قائم کر لیا کریں گے۔"

"اگر کوئی بات آپ تک جلدی پہنچانی ہو؟" —— کمار عقلمند نظر آنے کی کوشش کرنے لگا۔

"کہا نا کہ ہمارا آدمی تم سے ملتا رہے گا —— ہم ہفتے یا پندرہ دن میں ایک آدھ بار تم سے رابطہ کیا کریں گے —— جب آہستہ آہستہ تم اپنا اعتماد قائم کر لوگے اور ہمارے زیادہ نزدیک آجاؤ گے تو پھر اس کی ضرورت بھی باقی نہیں رہے گی —— دیکھو کمار جی اسب کچھ ہو جائے گا لیکن دھیرے دھیرے —— زیادہ گرم گرم کھانے کی کوشش میں اپنا منہ نہ جلا لینا ہاں —— ہمیں جاٹوت کے ٹٹو تو یہاں ہزاروں مل جاتے ہیں۔ ہم کسی سے بھی مدد لے سکتے ہیں لیکن ہمارا اصول ذرا الگ ہے۔ بس میرا من تم پر آ گیا اور میں نے تمہیں منتخب کر لیا —— اگر ہماری باتوں سے اتفاق ہو تو ہاں کرنا —— ورنہ کوئی زبردستی نہیں۔ میں تمہیں اور پیسے بھی دے دوں گا اور تمہاری ضرورت بھی پوری کرتا رہوں گا۔ کیونکہ میں نے تمہارا نمک کھا لیا ہے لیکن ایک دفعہ جب تم دھندے میں ہمارے ساتھی بن جاؤ گے تو پھر ہمارے بتائے ہوئے اصولوں پر عمل کرنا ہوگا —— ورنہ موت کسی بھی لمحے تمہیں آلے گی۔"

"میں بچہ نہیں ہوں مہاراج۔" کمار نے سر تسلیم خم کیا۔

کھیتوں کے بیچوں بیچ وہ مختلف پگڈنڈیاں مسترتا چلا جا رہا تھا۔ باتوں ہی باتوں میں انہیں وقت کا اندازہ بھی نہیں ہو پا رہا تھا۔ یوں بھی خان نے اتنی اہم اور دلچسپ گفتگو شروع کر رکھی تھی کہ کمار کے بے زمان و مکان کا احساس بھی ختم ہو کر رہ گیا تھا۔ کاجی چاہتا تھا کہ اسی طرح پنڈت جی اس کے لکھ پتی ہونے کی باتیں کرتے رہیں۔

Scanned and PDF by: Qamar Abbas

اس نے کھیتوں میں ایک ایسا راستہ اختیار کیا تھا کہ دو ڈھائی گھنٹے پیدل چلنے کے بعد خان کو شہر کے آثار نظر آنے لگے تھے۔ اس دوران وہ کسی بھی چونگی یا چیک پوسٹ کے نزدیک سے نہ گزرے تھے۔ باتوں ہی باتوں میں انہوں نے قریباً پانچ میل کا سفر طے کر لیا تھا۔ راستے میں شاید ہی کہیں کوئی ان کے قریب سے گزرا ہو۔ خان نے اندازہ لگا لیا تھا کہ کمار میں ایک اچھے "گائیڈ" کی تمام صلاحیتیں موجود ہیں اور وہ ایسے راستوں سے بھی آگاہ تھا جو اس کی دانست میں محفوظ راستے تھے —— ایسے ہی آدمی کی تلاش تھی۔ اگرچہ لاشعوری طور پر ہی سہی لیکن قدرت نے اس سے بڑا اہم کام لے لیا تھا۔ کمار کی ذات اس کا کوئی معمولی کارنامہ نہیں تھا۔

شہر میں داخل ہونے سے پہلے اس نے کمار کو رکنے کا اشارہ کیا۔ اس مرتبہ پھر اس نے جیب میں رینگا اور سو روپے کا ایک نوٹ نکال کر اس نے بچے کھچے کمار کو تھما دیا۔ "تمہارے بچوں کی مٹھائی ہے۔ اس میں تمہارا کوئی حصہ نہیں۔ یہاں سے تم الگ ہو جاؤ۔ رام رام۔"

○

اس نے شدھ کمار کو وہیں چھوڑا اور شہر کی طرف گھوم گیا۔ کمار حیرانگی سے اس کو جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ بمشکل اس کے منہ سے "رام رام" نکلا! اس آخری وار نے اسے گھائل کر دیا تھا اور وہ ذہنی طور پر خان کے ایک اشارے پر جان دینے کے لیے بھی تیار ہو گیا تھا۔

کمار کو وہیں چھوڑ کر وہ دوسری سمت گھوم گیا۔ کمار اسے تب تک جاتے ہوئے دیکھتا رہا جب تک خان درختوں کے جھنڈ میں غائب نہیں ہو گیا۔ اب وہ اس نالے کو پار کر رہا تھا جو شہر اور اس علاقے کے درمیان حد بندی کا کام دے رہا تھا۔ نالے کے اوپر سے فاصلے پر لکڑی اور لوہے کے گارڈروں کی مدد سے پل بنے ہوئے

Scanned and PDF by: Qamar Abbas

تھے جن پر سے لوگ آ جا رہے تھے۔

خان بھی ایک مکڑی کا پل عبور کر کے شہر میں داخل ہو گیا۔ اُس کے سامنے شہر کا بازار پھیلا ہوا تھا۔ اس بازار میں ضروریات زندگی کی ہر شے دستیاب تھی اور دُکاندار ایک دوسرے سے زیادہ بلند آواز میں اپنی اپنی اشیاء کی تشہیر کر رہے تھے۔ کان پڑی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ وہ لوگوں کی بھیڑ کے بیچوں بیچ راستہ بناتا بڑے اطمینان سے چلا جا رہا تھا۔

ایک قدرے ماڈرن سٹور پر رُک کر اُس نے اپنے لیے ایک ریڈی میڈ پتلون خریدی اور وہیں اپنے جسم پر "فٹ" بھی کر لی۔ پرانے کپڑے تھیلے میں منتقل ہو چکے تھے۔ دکان سے باہر آ کر اُس نے وہ تھیلا ایک چھوٹے سے ہوٹل کے نزدیک رکھ دیا ــــ بالکل اسی طرح جیسے کوئی بھول گیا ہو۔

تھیلے سے کچھ فاصلے پر کھڑے ہو کر وہ اُس کا کن انکھیوں سے جائزہ لیتا رہا۔ بمشکل دو ہی منٹ بعد اُس نے دبلے قدموں ایک ہندو لالے کو تھیلے کی طرف بڑھتے دیکھا۔ پہلے تو وہ تھیلے کے پاس لاتعلق سا کھڑا ہو گیا۔ پھر اُس نے لوگوں کی نظروں بچا کر تھیلا بغل میں دبایا اور بڑی تیزی سے بھیڑ میں غائب ہو گیا۔ خان نے اُسے دُور تک جاتے دیکھا اور پھر خدا کا شکر ادا کیا کہ تھیلا کسی "خاص آدمی" کے ہاتھ نہیں لگا۔ وہ تصور کر سکتا تھا کہ لالہ جی نے گھر پہنچ کر ابھی دم لیا ہو گا! بازار میں بنی واحد سڑک کے فٹ پاتھ پر سجی خوانچوں کی قطار میں بیٹھے ایک جینگ فروش سے اُس نے بظاہر ایک قیمتی جینگ بھی خرید لی تھی۔

سیاہ شیشوں کی اس جینگ نے اس کے چہرے کو خاصا رعب دار بنا دیا تھا۔ اُس کی منزل بریف کیس فروخت کرنے والوں کی دکان تھی۔ بازار میں بنی واحد دکان سے اُس نے ایک بریف کیس بھی خرید لیا اور جب آنکھوں پر چشمہ لگائے بریف

کیس اٹھائے وہ باہر نکلا تو خاصا معزز شہری دکھائی دے رہا تھا۔

ایک چاندی کی زنجیر میں ٹنگی "وشنو ماتا" کی مورتی اُس کے گلے کا ہار پہلے ہی بنی ہوئی تھی۔ اور وہ کسی بگڑے ہوئے ہندو گھرانے کا پڑھا لکھا نوجوان سرکاری ملازم نظر آتا تھا۔

اڈے پر پہنچ کر اُس نے بڑے اطمینان سے ٹکٹ گھر سے بھٹنڈہ کا ٹکٹ لیا اور ایک طرف ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ سگریٹ نہیں پیتا تھا لیکن اُس وقت اُس کے ہاتھ میں گولڈ فلیک کی ڈبیا اور ماچس پکڑی ہوئی تھی۔ سگریٹ سُلگا کر وہ بڑے انداز میں اُس کے کش لگا رہا تھا۔ رات کی نیند گو کر ختم تھی لیکن اتنے عرصے میں بھی خان کو بالکل تازہ دم کر رکھا تھا۔ اس کے نزدیک سے گزرنے والے ہر شخص پر نظر ڈال کر آگے نکل جاتے۔ اُس کے متعلق کسی کے ذہن میں شک نہیں ہو سکتا تھا۔

سگریٹ اُس نے قریباً آدھا پینے کے بعد بڑی لاپرواہی سے اپنے جوتوں تلے مسل دیا۔ لاری نے ہارن بجا دیا تھا اور وہ اب پنے تلے قدموں سے لاری کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس کی سیٹ پر ایک ریٹائرڈ قسم کا ہندو لالہ بیٹھا تھا۔ اُس کی آنکھوں پر لگے چشمے کے موٹے شیشے اس بات کی چغلی کھا رہے تھے کہ آدمی کچھ شُدبُد بھی رکھتا ہے۔

اس سیٹ پر خان بیٹھا وہ دو آدمیوں والی سیٹ تھی۔ اس کے دائیں ہاتھ اسی لالہ کی دو لڑکیاں براجمان تھیں۔ خان نے اُن لوگوں کی گفتگو سے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ بہاولپور کے لوگ ہیں۔

"بابو جی ــــ" اُس نے بڑے مؤدب لہجے میں اپنے ہمراہی کو مخاطب کیا۔

"کوئی بات نہیں ــــ کوئی بات نہیں" ــــ بوڑھا اُس کی بھرپور شخصیت سے

بس کی روانگی تک اُن لوگوں کی آپس میں ہونے والی گفتگو سے خان کو بہت کچھ سمجھ آ گیا تھا۔ وہ جان چکا تھا کہ یہ لوگ کسی شادی کی تقریب میں شرکت کرنے کے بعد واپس جا رہے ہیں۔ یہ فیملی دہلی کی رہنے والی تھی لیکن اپنے کسی عزیز کے ہاں کسی تقریب میں یہ لوگ ہلدوانی سے ہو کر جانا چاہتے تھے۔

"کیا شبھ نام ہے آپ کا" بوڑھے کو شاید بولنے کا مرض تھا۔

"جی اُردن کمار ــــ" خان کے مُنہ میں جو آیا وہی کہہ دیا۔

"کیا کرتے ہیں ــــ؟" بوڑھا اُس سے مکمل تعارف پر تُلا ہوا تھا۔

"لمبی کہانی ہے شریمان جی" خان نے اب اُسے سنانے کے لیے ایک کہانی تیار کر لی تھی۔

"اس سے بھی زیادہ" بوڑھے کی حس مزاح پھڑکی۔ بس کا ایک کنڈیکٹر بہت بے ڈھب اور خاصا لمبا تھا۔ اُس نے کنڈیکٹر ہی کی طرف اشارہ کیا۔

خان نے خدا کا شکر ادا کیا کہ یہ بھی کام کا آدمی نکلا تھا کم از کم وہ سفر کی بوریت سے تو بچ جائے گا ــــ لیکن اتنا ہی کیوں اُس نے تو مستقبل کے متعلق بھی منصوبے شروع کر دی تھی۔ اگر بوڑھا خود ہی اُس کے جال میں پھنسا جا رہا تھا تو وہ کون ہوتا ہے اُسے روکنے والا" اُس نے سوچا۔

"آپ نے بالکل صحیح اندازہ لگایا۔ نہ صرف اتنی لمبی بلکہ اس سے بھی زیادہ لمبے" خان نے گردن مسکراتے ہوئے کہا تھا۔ لیکن اس کا لہجہ بوڑھے کے جذبہ تجسس کو بیدار کرنے کے لیے کافی تھا۔

"بہت گہری باتیں کرتے ہو مہاشے! کہیں کوئی معشوق کا چکر تو نہیں ــــ" اس بوڑھے نے قریباً اُس کے کان کے نزدیک منہ لا کر سرگوشی کی تھی۔

"ارے نہیں انکل ــــ اتنی فرصت ہی زندگی میں کہاں ملی۔ لیکن آپ اپنا پرچ

Scanned and PDF by Qamar Abbas

لیجیے! تو کر دادا پڑھے"

"ہاں بھئی، تو میں بھول ہی چلا تھا جگن ناتھ سہائے نام ہے میرا۔ آج سے چھ ماہ پہلے تک ریلوے میں سپرنٹنڈنٹ تھا۔ اب ریٹائرڈ ہوں اور گھر بیٹھا مکھیاں مار رہا ہوں"

اس کے کوندے کی طرح ایک خیال اُس کے ذہن میں لپکا اور اُس نے کہہ دیا "خیر! ریٹائرمنٹ کے بعد آپ بیکار تو رہنے کے نہیں"

بوڑھے نے اتنی زور سے قہقہہ لگایا کہ اگلی سیٹ پر بیٹھی دونوں اُس کی لڑکیاں مڑ کر اسے دیکھنے لگیں۔

"سوری ــــ" اس نے لڑکیوں سے کہا پھر خان سے مخاطب ہوا ــــ "عجیب زمانہ آیا ہے یار نہ کوئی کھل کر ہنسنے دیتا ہے نہ رونے دیتا ہے۔ ہاں کچھ اپنا جغرافیہ بھی بتاؤ مہاشے!"

خان نے اس سے نظریں ہٹا کر اپنے چہرے پر خاصی سوگواری پیدا کی اور بس کی کھڑکی سے باہر گھورنے لگا۔ پھر چند لمحے بعد ٹھنڈی سانس لے کر بولا ــــ "بڑی عجیب بات ہے انکل آپ کے نزدیک بیٹھتے ہی ــــ آپ سے پرچے حاصل کرنے سے بھی پہلے مجھے لگا کہ میں آپ کو اپنا جاننے لگا تھا۔ یوں لگتا ہے کہ ضرور کسی پچھلے جنم میں میرا اور آپ کا کوئی سمبندھ رہا ہے۔ ضرور ایسا ہے ــــ ورنہ یوں اتنی جلدی میں کسی سے اپنا دکھ نہیں کرتا"

اس مرتبہ اس کی ایکٹنگ اتنی شاندار تھی کہ وہ خود اپنے آپ کو دل ہی دل میں داد دیے بغیر نہ رہ سکا۔ کیونکہ بوڑھا خاصا پریس ہو گیا تھا۔

"ہاں بیٹا ــــ ایسا ہوتا ہے۔ خود میرے ساتھ بھی زندگی میں کئی مرتبہ ایسا ہوا ہے۔ مجھے بالکل یوں لگا جیسے میں اپنے مدار سے بچھڑا ہوا کوئی ستارہ تھا جو واپس لوٹ گیا

Scanned and PDF by Gamar Abbas

ہوں ـــــ جیسے کوئی کرنج اپنی ڈار سے بچھڑ کر واپس اُن سے مل جائے۔ تمہارا اس طرح
بوجھل ہے کہہ ڈالو دل کی بات ـــــ دل ہلکا ہو جائے گا بیٹا! اس دُنیا میں کسی کے پاس
کسی کی بات سُننے کی فرصت بھی تو نہیں ہے ؟ پھر وہ خود بھی مُسکرا دیا ـــــ لیکن میرے
پاس ہے۔ میں تو ریٹائرڈ ہو چکا ہوں ناں!" ـــــ اُس کا لہجہ خاصا گمبھیر ہو چلا تھا۔

آگے بیٹھی لڑکیوں نے اب اس میں دلچسپی لینا شروع کر دی تھی۔ وہ اُسے اپنے
"پتا جی" کا کوئی پرانا جاننے والا سمجھنے لگی تھیں۔ دونوں کے کان اُن کی گفتگو ہی پر لگے
تھے۔ یہ اندازہ خان نہ لگا سکا کہ وہ اس کھٹارہ نما بس کے شور میں اُس کی آواز سُن
لی تھی یا نہیں ؟

لڑکیوں نے اپنی نشستوں پر اب پہلو بدلنے شروع کر دیے تھے۔ بھارتی ندیوں کی
فطری کروٹوں اُن پر بھی غلبہ پانے لگی تھی۔ دونوں اب خاصی ترچھی ہو کر بیٹھ رہی تھیں۔
ہاتھ والی لڑکی تو اب اس پوزیشن میں آ چکی تھی کہ براہِ راست خان کی آنکھوں میں
دیکھ سکے۔

خان نے بوڑھے کو کریدنا شروع کر دیا۔ اُس کی کہانی برصغیر کے ہر ریٹائرڈ آدمی
جیسی تھی۔ زندگی بھر محنت کی اب ذرا آرام کا وقت آیا تو اپنوں نے دھتکار
کر دیا۔

اب میں المیہ بوڑھے جگن ناتھ سہائے کی جان کا روگ بنا جا رہا تھا۔ خان کے
اظہارِ ہمدردی کے لیے الفاظ کا بے پناہ ذخیرہ موجود تھا جس کا اُس نے بے دریغ
کیا اور جب وہ لوگ ایک اسٹاپ پر رُکے جہاں بس نے قریباً پندرہ بیس منٹ
تھا تو بوڑھا سہائے اُس کی مکمل گرفت میں آ چکا تھا۔

بس سٹینڈ میں بنے ایک ہوٹل کے کیبن میں جگن ناتھ کی ساری فیملی موجود تھی
دانستہ باہر کھڑا رہا لیکن سہائے اُسے ضد کر کے اندر لے گیا۔ اُس نے اپنی فیملی کا

اُس سے کروایا۔ بڑی بیٹی مسز سوشیل شادی شدہ اور دو بچوں کی ماں تھی لیکن اُس نے اپنے
بچوں سے علیحدگی نہیں برتی تھی اور اگر سہائے نہ بتاتا تو خان اُس کے بجائے سہائے کی
دوسری بیٹی آشا کو اُن بچوں کی ماں سمجھ لیتا۔ تیسری بیٹی جو اب تک خاصی ٹیڑھی ہو کر
خان کو کن انکھیوں سے دیکھتی آئی تھی سوشیل سے چھوٹی اور آشا سے بڑی تھی اور ایک
پرائیویٹ گرلز کالج میں گریجوایشن کے آخری سال کی طالبہ تھی۔

"کیا شبھ نام ہے آپ کا" ؟ خان نے خود ہی اُس کا تعارف دریافت کیا تھا۔

"جی رما" ـــــ اُس نے خاصی لجاجت کا مظاہرہ کیا۔

اگر وہ اکیلی ہوتی تو خان ضرور اس کے اس انداز پر تبصرہ کر کے اُس کے
دماغ میں اپنے پہلے سے موجود جگہ پر قبضہ جمانے کی کوشش کرتا لیکن یہاں اُس نے
خاص انداز سے مُسکرانے ہی پر اکتفا کیا۔ یہ الگ بات کہ اُس کے مُسکرانے کی یہ
ادا رما کو ضرورت سے زیادہ بھا گئی۔ سہائے کے واحد لڑکے کا نام کشور سہائے تھا جو
تھا تو رما کی بہادت کا طالب علم لیکن اپنی عمر سے کہیں بڑا دکھائی دیتا تھا۔

خان نے اپنی طرف سے پُرتکلف ناشتے کا آرڈر دیا سوائے رما اور سہائے کے
باقی سب نے چائے، ٹوسٹ اور اُس سے متعلقہ لوازمات کو شتابی جان کرنے میں کچھ سے کام
لیا تھا۔ سوشیل کے دونوں ہی بچے ننھا سری دانش اور مینا کشی اس معاملے میں کچھ زیادہ
ہی تکلف سے کام لے رہے تھے۔ اپنی ماں کی آنکھیں دکھانے اور گھورنے کو انہوں نے یکسر
نظر انداز کر دیا تھا۔

ناشتے کو رد کرتے ہوئے خان نے جس بے رحمی سے اُسے "ٹپ" کیا تھا اُس پر اس
کی فیملی کا چونکنا بالکل فطری بات تھی۔

بس میں سوار ہونے تک وہ رما کو اپنی وجاہت اور باتوں کر امارت کا قائل

Scanned and PDF by Qamar Abbas

بس کے چلتے ہی بوڑھا سہائے اُس کا 'دکھ' جاننے پر بضد ہوا اور خان کو بادل نخواستہ اُسے بتانا ہی پڑا کہ 'پتاجی کے سورگباش (مرنے) ہونے کے بعد اُس کے دونوں بڑے بھائی جو شادی شدہ ہیں سانپ بن کر دولت پر بیٹھ گئے ہیں۔ ماں بچپن ہی میں گئی تھی۔ جب وہ بڑے بھائیوں کو خود پر ہونے والی زیادتیوں کا احساس دلاتا ہے تو وہ اُلٹا اُسے آوارہ گرد اور لاپرواہ کہہ کر مورد الزام ٹھہرانا شروع کر دیتے ہیں اور اپنا حصہ لے کر الگ ہو جانے کی دھمکی دیتے ہیں!

"لے لو خان تم اپنا حصہ اور علیحدہ بزنس کر لو۔"

بوڑھے سہائے کے منہ میں پانی بھر آیا۔ اور وہ چھٹی چھٹی نگاہوں سے اُس کی طرف دیکھنے لگا۔

"انکل اکیلا آدمی کچھ نہیں کر سکتا ——— کچھ نہیں کر سکتا۔" خان نے ٹھنڈی آہ بھری۔

"بیٹا! تم نے خود ہی تو کہا تھا کہ پچھلے جنم میں ضرور تمہارا میرے ساتھ کوئی رشتہ ہے۔ پھر بھی خود کو اکیلا محسوس کرتے ہو؟" سہائے نے بڑے گمبھیر اور ہمدردانہ لہجے میں تسلی دلائی۔

جواب میں جس ردِ عمل کا اظہار خان نے کیا تھا وہ سہائے کے لیے بالکل غیر متوقع تھا۔ اُس نے جگن ناتھ سہائے کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام کر بڑی زور سے انتہائی محبت سے دبا دیا تھا اور جب سہائے کی نظر اُس کے چہرے پر پڑی تو وہ حیران کر ہی تو رہ گیا تھا!

——— بے چارے اروِن گارگ کی آنکھوں میں تیرتے آنسو اُس کی عینک کے شیشے سے بھی صاف دکھائی پڑتے تھے!

خان نے جیب سے رومال نکال کر عینک کو ایک ہاتھ سے اوپر اُٹھایا اور آنکھوں سے آنسو پونچھے اور اپنا منہ کھڑکی کی طرف کر کے خود کو دل ہی دل میں

سہائے نے اُس کی پیٹھ تھپکتے ہوئے اُسے حوصلہ دلایا اور مردوں کی طرح زندگی گزارنے کا مشورہ بھی دیا۔ دونوں پھر نارمل لہجے میں باتیں کرنے لگے۔ اِس دوران سہائے نے خود ہی ایک تجویز اُس کے سامنے رکھ دی۔

"لے اگلے مہینے تک اپنے لئے یا جات مل جائیں گے۔ اگر تم مناسب سمجھو تو مل کر ہی انہیں کریں گے ——— بیٹا! تم مجھے اپنے سورگباشی پتا سے بڑھ کر پاؤ گے۔"

خان چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر اُس نے ایک گہری سانس لی اور سہائے سے مخاطب ہوا۔

"انکل! آپ کو اپنے لئے یا جات کی ضرورت بھی پیش نہیں آئے گی۔ انہیں کسی دولت کے لیے سنبھال رکھیے ——— میرے پاس دولت بہت ہے لیکن پیار نہیں۔ مجھے آپ کی پدارہ شفقت ہی چاہیئے تھی وہ مل گئی ——— میں آپ سے دہلی میں ملوں گا اور وہیں کروں گا جو آپ چاہیں گے۔"

بوڑھا سہائے جوشِ محبت سے پگھل پگھل گیا۔ اُس نے کپکپاتے ہاتھوں سے خان کے دونوں کندھے دبا کر اپنی اس کیفیت پر قابو پانے کی کوشش کی تھی۔ بوڑھے نے نہ صرف اُسے دہلی میں اپنے گھر کا پتہ سمجھایا تھا بلکہ رما کو یہ بھی کہا تھا کہ وہ اپنی ڈائری کے ایک ورق پر اروِن کمار کو ایڈریس لکھ کر دے دے۔

رما نے خوبصورت فریضہ بڑے احسن طریقے سے اور مسکراتے ہوئے ادا کیا تھا۔ اُس نے صرف ایک کاغذ پر ایڈریس لکھا بلکہ ایک ٹیلیفون نمبر کونے میں لکھ کر پی پی کا لفظ بھی انگریزی میں لکھ دیئے تھے۔ یہ کام اُس نے اتنی ہوشیاری سے کیا کہ اپنے ساتھ بیٹھی بڑی بہن سوشیل کو شک تک نہیں ہونے دیا۔

ایڈریس والا کاغذ بھی اُس نے براہِ راست خان کو تھمایا تھا۔ جس نے ایک کونے

Scanned and PDF by: Qamar Abbas

میں لگے ٹیلیفون نمبر پر مسکراتے ہوئے اُس کا شکریہ ادا کیا۔

بٹھنڈہ آگیا ——!

سب لوگ اُتر گئے۔ یہاں سے انہیں الگ ہو جانا تھا۔ سہائے نے خان کو اُس گھر کا ایڈریس بھی سمجھا دیا تھا جہاں اُن لوگوں نے شادی کی تقریب میں شرکت کرنی تھی۔ یہ اُس کے سالے کا گھر تھا اور اُس نے خان سے بضد ہو کر وعدہ لے لیا تھا کہ وہ ضرور کم از کم اُس شادی میں شرکت کے لیے آئے گا۔

خان نے اُن کی خوشی کے لیے "بادلِ نخواستہ" یہ وعدہ کر لیا تھا۔ ورنہ وہ تو بظاہر اتنا مجبور تھا کہ اپنے کاروباری اوقات میں سے ایک گھنٹہ بھی فراغت کے لیے نہیں نکال سکتا تھا جب سہائے نے اُس سے یہاں کا ایڈریس دریافت کیا تو اُردی کمار جی نے بڑی خوش دلی سے اُسے ٹرخا دیا:

"انکل عجیب بات پوچھی آپ نے بھی..... بھئی ایڈریس کیا؟ تمام مارکیٹیں ہی اپنا ہیں۔ میں یہیں پر گھوموں گا۔ کچھ پیسے لینے ہیں اور کچھ نئے آرڈرز ——"

"اچھا اچھا بیٹا جیسے تمہاری مرضی —— لیکن شادی پر آنے کا وعدہ نہیں بھولنا"

نے مندی بخوں کی طرح خان سے یقین دہانی حاصل کی۔

جاتے ہوئے وہ مینا کشی کو ماری اڈے سے خوبصورت گڑیا کا تحفہ خرید کر دینا نہیں تھا۔ ننھی مینا کشی کب سے اس گڑیا کا نظارہ کیے جائے ماں سے اس کے حصول کے لیے لیکن ہر مرتبہ مسز سوشیل اُسے گھور کر رہ جاتی۔

"رہنے دیتے بھائی صاحب! اس کی تو عادت ہی یہی ہے۔ ہر چیز کے لیے ہے" مسز سوشیل نے احساسِ تشکر میں ڈوبنے کے باوجود فرار کی راہ ڈھونڈنی چاہی

"کوئی بات نہیں۔ میری بھی یہی عادت ہے —— لیکن میرا کیس ذرا مختلف ہے کوئی لے کر نہیں دیتا —— دیکھا! وہ لوگ بہت خوش قسمت ہوتے ہیں جن کی خوا

کرنے کے لیے کوئی موجود ہو۔" اُس کا لہجہ اتنا گمبھیر تھا کہ مسز سوشیل دہل کر رہ گئی۔

رما کے دل میں تو اُس کے لیے اب محبت کے ساتھ ترحم اور ہمدردی کے جذبات بھی بیدار ہونے لگے تھے۔ اُن لوگوں سے رخصت ہوتے ہوئے خان نے خاص طور سے رما ہی کی طرف ہاتھ باندھ کر پرنام کیا تھا۔ جواباً اُس نے سینے کے سامنے دونوں ہاتھ باندھے بالکل دیوی کی تصویر کی مانند اُسے تب تک جاتے ہوئے دیکھتی رہی جب تک وہ ایک نزدیکی موڑ کے پیچھے غائب نہ ہو گیا۔

○

منوہر لال سورج چڑھنے تک پجاری کے ہاں ہی ٹکا رہا پھر اُس نے پجاری سے کہیں جانے کی "آگیا" (اجازت) لی اور شام تک لوٹ آنے کا وعدہ کر کے باہر آگیا! اُس نے کپڑے تو سادہ سے کھدر کے پہن رکھے تھے لیکن چہرے مہرے سے کوئی نہ کوئی دھیاتی قسم کا فلاسفر نظر آرہا تھا۔

مندر سے باہر آکر اُس نے سگریٹ سلگایا اور کسی گہری سوچ میں ڈوبا اُس کے لیے کھڑی اپنا بس سٹینڈ کی طرف جا رہا تھا۔

—— قریباً ایک گھنٹہ بعد وہ الوہر کے بارڈر سکیورٹی فورس کے کمپنی ہیڈ کوارٹر کے سامنے کھڑا تھا۔

انکوائری پر اُس نے اپنا نام پتہ لکھایا اور ایک کیپٹن سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی "مقصدِ ملاقات"؟ دریافت کرنے پر اُس نے کوک کر قریباً گھور کر دیکھا۔

"اُس سے پوچھ لو"

کوک نے ایک لمحے کے لیے اُس کی طرف دیکھا لیکن اُس کی آنکھوں سے نکلنے والی چنگاریوں نے کوک کر دوبارہ اُس کے چہرے کی طرف دیکھنے کی ہمت نہ دلائی۔ وہ سہم کر رہ گیا۔ اُس نے ایسی آنکھیں نہیں دیکھی تھیں! اُس نے "انٹر کام" پر کیپٹن دُوبے کا نمبر

Scanned and PDF by Qamar Abbas

گیا اور جیسے ہی اُس کے مُنہ سے ملاقاتی کا نام نکلا، دوسری طرف سے کیپٹن نے اُسے ڈانٹ دیا۔

"ابھی تک وہ باہر ہی کھڑے ہیں ــــ وہ اتنی زور سے چیخا کہ کمرک کی گھگی بندھ گئی۔

"یس سر ــــ میں ابھی بھیج رہا ہوں سر!" اُس کی زبان لڑکھڑائی۔

"شٹ اپ۔ میں جیپ بھیجتا ہوں اُنہیں لینے کے لیے۔" کیپٹن نے فون کریڈل پر پٹخ دیا۔

منوہر لال جو کمرک کے چہرے پر بدلتی کیفیتوں سے لُطف اندوز ہو رہا تھا، اس گفتگو کے خاتمے پر اُس کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

"میرے خیال سے تمہیں "مقصدِ ملاقات" کا علم ہو گیا ہو گا؟"

"شما کریں مہاراج! میں یہاں غیا غیا آیا ہوں۔" اُس نے لاشعوری طور پر ہاتھ بھی باندھ دیے۔

منوہر لال بغیر کوئی جواب دیے سامنے سے آتی جیپ کی طرف متوجہ ہو گیا ــــ جیپ اس کے نزدیک آ کر رُک گئی۔ ایک مستعد نائیک نے ڈرائیور کی سیٹ سے اُتر کر اُن دیکھتے ہی ایڑیاں بجا کر تعظیم دی۔ شاید وہ اس کا شناسا تھا۔ پھر ہاتھ جوڑ کر اُس نے منوہر لال کو پرنام کیا اور بڑے مؤدب لہجے میں اگلی سیٹ پر بیٹھنے کی دعوت دی۔

منوہر لال اُس کے ساتھ بیٹھ گیا! دو تین منٹ جیپ کچی پینڈ کوارٹر کی مختلف روشوں پر دوڑتی رہی بالآخر ایک میدان کے کونے میں بنے جھونک نما کمرے کے سامنے رُک گئی۔ اس کے دروازے پر کیپٹن دُوبے بانہیں پھیلائے اُس کا منتظر تھا۔

"ارے تم کہاں سے ٹپک پڑے مہاراج!" کیپٹن دُوبے نے اُسے دیکھتے ہی نعرہ لگایا۔

"بس زندہ تھا آ گیا ــــ" منوہر لال نے ہنستے ہنستے اُس کی پیٹھ پر دھول جمائی۔

"یار اتنی دیر نہ لگایا کرو۔ ورنہ کسی روز ہم مر جائیں گے شریمان جی!" کہہ کر کیپٹن دُوبے اُس کی کمر کے گرد بازو حائل کر کے اُسے بڑی بے تکلفی سے اندر اُسی بیرک میں لے آیا جہاں اُس کا دفتر تھا۔

اُس کی میز کے ایک کونے پر بی ایس ایف کا مخصوص چھوٹا سا جھنڈا لہرا رہا تھا اور دیوار پر گاندھی کی تصویر لٹک رہی تھی۔ میز کے ایک کونے میں ایک حوالدار ہاتھوں میں کاغذ پنسل تھامے بیٹھا تھا۔ اُنہیں اس طرف آتے دیکھ کر وہ اور مؤدب ہو کر بیٹھ گیا۔

"تم جاؤ بیلا ــــ ذرا ٹھہر کر آ جانا ــــ" دُوبے نے اُسے ہاتھ کے اشارے سے ٹالنے کو کہا۔

"نہیں ــــ" منوہر لال کی آواز میں نامحسوس پن کچھ زیادہ ہی سمٹ آیا تھا! "اسی لیے میں نہیں چلتے نہیں آتا۔ تم سرکاری کام کو مجھ پر اثر نہ دیا کرو۔" اُس نے دُوبے کو مخاطب کیا۔

"بس ہو گیا جاشن شروع ــــ" اُس نے منوہر لال کی طرف دیکھا اور حوالدار کو چلے کا اشارہ کیا۔

حوالدار کے کُرسی پر بیٹھتے ہی دُوبے نے پُش بٹن پر ہاتھ رکھ دیا! دوسرے ہی لمحے اردلی اُس کے سامنے کھڑا تھا۔

"دس منٹ بعد چائے اور بسکٹ لے آنا ــــ" اُس نے اردلی کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

منوہر لال اُس کی میز پر رکھے ایک انگریزی اخبار کی ورق گردانی کرنے لگا۔ اُس نے دُوبے کو "کام کی بات" کرنے کا موقعہ دیا تھا۔

"ہاں کہاں پہنچے تھے۔" دُوبے نے حوالدار کو مخاطب کیا۔ شاید وہ اُسے کچھ لکھوا رہا تھا۔

"جی ــــ" حوالدار نے مؤدب لہجہ میں کہنا شروع کیا۔ "لاش پوسٹ مارٹم کے لیے بھیج دی گئی ہے۔"

"اچھا اگے لکھو۔" اُس نے دوبارہ سٹارٹ لیا۔

Scanned and PDF by: Qamar Abbas

"یس سر" حوالدار کا قلم تیزی سے چلنے لگا۔

"پاک سپاہی کے لیے تین متبادل ناکہ بندیاں کی گئیں۔ دو مرتبہ وہ ہاتھوں میں آکر مقامی پولیس اور ہوم گارڈز کی نااہلی کی وجہ سے نکل گیا ـــــ آرمی انٹیلی جنس کی مس سلوچنا کو اس نے ریلوے لائن کے نزدیک "ڈاج" کیا ہے ـــــ مس سلوچنا نے جو شباہت اس کی بتائی ہے۔ اس سے سپاہی کی پہچان مشکل ہے"۔۔۔۔

تینوں چیک پوسٹوں کی رپورٹ منسلک ہے۔ میرے خیال کے مطابق وہ اس علاقے سے نکل چکا ہے۔ مزید تحقیقات جاری ہے"۔

اس نے حوالدار کو کہا کہ ٹائپ کرنے کے بعد فلاں فلاں آفس کو ایک ایک کاپی ڈسپیچ کردے۔ اخبار کی سطروں پر نظریں جمائے منوہر لال کو اس رپورٹ کے خاتمے پر گویا نئی زندگی نصیب ہوئی تھی۔ اس کے لیے یہ امر باعث اطمینان تھا کہ "پاک سپاہی" ابھی تک گرفتار نہیں ہو سکا۔ اس مختصر گفتگو سے وہ کم از کم ایک نتیجے پر تو پہنچا تھا کہ اس مرتبہ محکمہ انٹیلی جنس کا سابقہ کسی عام ایجنٹ سے نہیں بلکہ تربیت یافتہ اور مکمل "پاک سپاہی" سے انہیں پالا پڑا ہے۔

حوالدار کی روانگی کے بمشکل دو منٹ بعد ہی مؤدب اردلی چائے کی ٹرے اٹھائے اندر آگیا۔ دونوں ادھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے۔ یہ ملاقات شاید ڈیڑھ ماہ کے بعد ہوئی تھی جسے وہ لوگ "خاصی مدت" سمجھ رہے تھے۔ دونوں کے درمیان اتنی بے تکلفی تھی کہ دوبے کے سٹاف کے اکثر لوگ بھی منوہر لال کو پہچاننے لگے تھے۔

"کیا چکر ہے مہاراج کہیں کوئی اور جگ تو نہیں کروانے لگے۔ پھر پاکستانی گھس بیٹھیوں کی خبریں آنے لگی ہیں اخباروں میں"۔ منوہر لال اب اپنے مطلب کی طرف آرہا تھا۔

"ارے چھوڑو یار۔ اپنے دھندے میں تو یہ سب کچھ چلتا ہی رہتا ہے۔ ادھر کا مال

ادھر اور ادھر کا مال ادھر۔ لیکن یار اس مرتبہ تو حد ہی ہو گئی"۔

"کیا؟" ـــــ چائے کی پیالی میں چمچہ ہلاتے ہوئے منوہر لال بالکل یوں اُس کی طرف متوجہ ہوا جیسے واقعی کوئی انہونی بات ہو گئی ہو۔

"اس مرتبہ جو پاک سپاہی اُدھر سے آیا ہے۔ ہم نے اُسے پھانسنے کا مکمل منصوبہ بنا لیا تھا ـــــ اپنا ایک خاص آدمی اُس کے ساتھ چپکایا تھا لیکن کمال کر دیا پٹھے نے"۔ دوبے نے چائے کا ایک لمبا گھونٹ بھرا۔

منوہر لال استفہامیہ نظروں سے اُس کی طرف دیکھتا رہا۔ اُس نے مُنہ سے کچھ نہ کہا۔ بلکہ وہ نہ صرف خود بچ کر نکل گیا بلکہ جاتے جاتے اُس ڈبل کراس کا جو ہم نے اس کے ساتھ چپکایا تھا بھی صفایا کر گیا"۔

"اور تم لوگ مُنہ دیکھتے رہ گئے"۔ منوہر لال نے اُس کا تمسخر اُڑایا۔

"اس ایک یہی کمی ہے تم میں۔ جو ہر وقت "سندھ بھارتی" بننے کے چکر میں پڑے رہتے ہو یار! تم اُن کو کیا سمجھتے ہو۔ وہ کوئی کم نہیں کسی بات میں۔ ارے یہ تو شکر کرو کہ ہمارا "سکیا" (آبادی) زیادہ ہے۔ اُن سے اور "خفیہ" میں لاکھوں حرام خور ایجنٹ کی کمائی پر پل رہے ہیں جو کبھی بھول چوک سے کوئی ایک آدھ پاکستانی ان کے ہاتھ آجاتا ہے ـــــ وہ بھی ہماری کوشش سے نہیں گردش حالات سے"۔

"اچھا یار لعنت بھیجو کوئی اور بات کرو ـــــ وہ اُس کی سناؤ تمہاری شادی کا کیا"۔ منوہر لال نے مطلوبہ مقصد حاصل ہونے پر خود ہی گفتگو کا رُخ دوسری طرف موڑ دیا۔ یہ ملاقات سے بھی زیادہ محتاط ایجنٹ تھا اور شاید یہی اُس کی کامیابی کا راز بھی تھا۔ دوبے کی میز سے کچھ فاصلے پر اُس کے کلرکوں کی میزیں بچھی تھیں اور وہ یہ بھی جانتا تھا کہ وہاں سے کوئی اٹھ کر اگر کسی کام سے اِس طرف آئے بھی تو اُس کے

Scanned and PDF by Qamar Abbas

کانوں میں اس گفتگو کی بھنک بھی پڑ سکے۔

"وہ شاردا....." دُوبے نے کھوکھلا قہقہہ لگایا۔

اس مرتبہ منوہر لال کے چونکنے کی باری تھی۔ آج تک کیپٹن دُوبے کے لہجے میں اُس نے ایسی یاسیت کبھی نہیں دیکھی تھی۔

"کیا ہُوا؟" وہ پوچھے بغیر نہ رہ سکا۔

"بھاگ گئی سالی"..... دُوبے نے جذبات سے عاری لہجہ اپنایا۔

منوہر لال حیران تھا کہ کیپٹن دوبے جیسا عیاش ہندو نوجوان بھی کبھی کسی فاحشہ سے محبت کر سکتا ہے۔ اُس نے تو شاردا کو یونہی اُس کے ساتھ چھوڑ دیا تھا لیکن بات تو کچھ اور نکل چکی تھی۔ اگر یہ سب کچھ سچ تھا تو منوہر لال کے لیے یہ "نیچر گفٹ" ہوتا۔ اس سے دُور نکل چکی تھی۔ اگر یہ سب کچھ سچ تھا تو منوہر لال کے لیے یہ "نیچر گفٹ" ہوتا۔ اس سے شاردا کے معاملے میں دُوبے کو مختلف بہانوں سے کُریدا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ اس بھارتی سیکورٹی فورسز انٹیلی جنس کے کیپٹن دُوبے کو شاردا نامی اس فاحشہ سے محبت ہو گئی تھی جسے اُس کی امرتسر میں پوسٹنگ کے دوران منوہر لال نے ایک منصوبے تحت دُوبے سے ٹکرایا تھا۔

دوپہر کا کھانا دونوں نے اکٹھے کھایا۔ اس دوران منوہر لال اُس سے خاصی کام کی بات جان چکا تھا۔ دُوبے نے اُس کے سامنے اپنا دل کھول کر رکھ دیا تھا۔ یہ اُس کا بچپن بڑا المیہ تھا کہ اُس کے باپ نے جو بی ایس ایف کا بہت بڑا آفیسر تھا اپنے بیٹے کو بھی اس کی مرضی کے بالکل خلاف یہاں بھرتی کروایا تھا۔ دُوبے بنیادی طور پر آرٹسٹ تھا اور آرٹ ہی کی دُنیا میں بہت آگے نکل جانے کی حسرت دل میں لیے بیٹھا تھا۔

منوہر لال سے اُس کی دوستی کی سب سے بڑی وجہ یہی تھی کہ اُس نے دُوبے کے دل میں جھانک کر اس کے اندر ایک عرصے سے مچلتی اُمنگوں کو نوچ لیا تھا اور اس کے اندر بیٹھے آرٹسٹ کی حوصلہ افزائی کی تھی۔ اُن دونوں کی ملاقات بھی اچانک

یہ اُن دنوں کی بات تھی جب کیلاش دُوبے ابھی اکیڈمی سے فارغ ہو کر آیا ہی تھا۔ اُس نے آرمی میں کمیشن لیا تھا۔ ایک روز ایک کلب میں اُس سے منوہر لال ٹکرا گیا تھا۔ اُس دن بھی منوہر لال نے ایسے ہی سادے کپڑے پہن رکھے تھے لیکن اُس کی آنکھوں اور باتوں میں موجود مقناطیسیت نے تو گویا دُوبے کو جکڑ کر رکھ دیا تھا۔ پھر وہ جہاں بھی گیا منوہر لال اُس سے ملنے کو آتا رہا۔ اُس کی کوئی بات کوئی حرکت منوہر سے پوشیدہ نہیں تھی۔

آرمی سے وہ کیپٹن ہونے کے بعد اب ڈیپوٹیشن پر یہاں بی ایس ایف (بارڈر سکیورٹی فورس) میں آگیا تھا۔ اُس کی پوسٹنگ اکثر پنجاب ہی کے سرحدی علاقے میں ہوتی تھی اس لیے دونوں ایک دوسرے سے بآسانی مل لیا کرتے تھے۔

منوہر لال نے ابھی تک براہِ راست اُس سے کوئی خاص تعلقات استوار نہیں کیے تھے۔ اس نے ہندو نوجوانوں کی فطری کمزوری شراب اور عورت ہی کے ذریعے اس کے بارے میں مطلب کی بات نکلوائی تھی۔ شاردا بھی منوہر لال کی رچائی ہوئی ایک ایسی ہی "کام نکلنے" پر اُس نے حسبِ وعدہ پردہ سکرین سے غائب کر دیا تھا لیکن اُسے کیا خبر تھی کہ کیپٹن دُوبے شاردا کے اتنا قریب بھی آسکتا ہے۔

سہ پہر تک دونوں اکٹھے رہے پھر منوہر لال اُس سے حسبِ سابق بہت جلدی اجازت لے کر وعدہ کر کے الگ ہو گیا۔ دُوبے اُس کے "نہ نہ" کرنے کے باوجود اُسے اپنی جیپ میں بس سٹینڈ تک چھوڑنے آیا تھا۔

وہاں سے آتے ہی اُس نے ایک میڈیکل سٹور کا رُخ کیا اور وہاں سے کچھ گولیاں خرید کر اُس نے جیب میں ڈال لیں۔ پھر شراب کے ٹھیکے سے اُس نے کھٹیا مار دیسی شراب کی اچھی خاصی مقدار خریدی اور بازار کے پہلی طرف واقع قدرے اُجاڑ جگہ کا رُخ کیا۔ ایک گورنر

Scanned and PDF by Qamar Abbas

عافیت بن بیٹھ کر اُس نے شراب کی بوتل کا ڈھکن کھولا۔ اچانک اٹھنے والی بدبو کے جھونکے نے اُس کو چکرا کر ہی تو رکھ دیا تھا۔

اپنی ناک سکیڑتے ہوئے اُس نے اپنی جیب سے گولیاں نکال کر بوتل میں انڈیل دیں۔ بوتل میں کچھ بلبلے پیدا ہوئے اور اس میں موجود شراب کی رنگت بھی بدل گئی۔ بوتل پر لگا لیبل بھی اُس نے پھاڑ کر الگ کر دیا اور اس کا منہ بند کر کے اُسے دوبارہ نزدیکی کھیت کی نالی میں موجود پانی سے اچھی طرح دھو لیا تاکہ لیبل کا نام و نشان تک باقی نہ رہے۔

اپنے تھیلے میں بوتل ڈالنے سے پہلے اُس نے بوتل کو اچھی طرح ہلا جلا کر دیکھ لیا تھا کہیں بوتل کے پیندے میں تو کوئی گولی نہیں بیٹھی ہوئی لیکن تمام گولیاں شراب میں اچھی طرح حل ہو چکی تھیں۔

آشرم کے دروازے ہی پر اُس کا "پجاری کاکا" جانے کتنی شدت سے اُس کا منتظر تھا۔ منوہر لال کو آتے دیکھ کر وہ بڑی بے چینی سے آگے بڑھا اور بے اختیار اُس سے لپٹ گیا۔ اُس کی گھاگ نظروں نے تھیلے کے اندر کا بھی شاید ایکسرے کر لیا تھا۔ منوہر لال نے بھی کچھ کہے سنے بغیر تھیلا اُس کے ہاتھ میں تھما دیا خود سیڑھیاں چڑھ کر اوپر جانے لگا۔ پجاری پالتو کتے کی طرح اُس کے پیچھے پیچھے دُم ہلاتا آ رہا تھا۔ کمرے میں پہنچ کر وہ بستر پر لیٹ گیا۔

"بھتیجے پرماتما تجھے سکھی رکھے۔ کتنا خیال رکھتے ہو اپنے چاچا کا۔" پجاری نے بوٹ چومتے ہوئے کہا۔

"بس کاکا۔ دیکھ لو تمہاری خاطر کہاں کہاں کی خاک چھاننی پڑتی ہے۔ اِدھر اُدھر میں میرا ایک دوست ہے اس دھندے میں۔ اُسی سے لایا ہوں خالص طور سے تمہارے لیے۔ یاد کرو گے کاکا اپنے بھتیجے کو۔" اُس نے لیٹے لیٹے جواب دیا۔

پجاری نے بچے شیروں کی طرح دانت نکال دیے۔ اُس نے بوتل کو اپنی چارپائی کے نیچے ایک ٹرنک میں رکھ کر اُسے دوبارہ تالا لگا دیا تھا اور اس کے گرد اگرد لپٹی ہوئی زنجیر کو چارپائی سے باندھ کر باہر آ گیا۔

چند منٹ بعد ہی آشرم کا ایک خدمت گار اُس کے سرہانے پُرتکلف چائے لیے کھڑا تھا۔ منوہر لال اُٹھ کر چارپائی پر ہی ٹانگیں لٹکا کر بیٹھ رہا۔ خدمت گار نے ہدایت کے مطابق ہاتھ اُس کی ٹانگیں دبانے کے لیے آگے بڑھائے لیکن منوہر لال نے اشارے سے اُسے وہاں سے بھگا دیا۔

شام تک وہ بے سُدھ سوتا رہا۔ آج تین چار روز کے بعد وہ اطمینان کی نیند سویا تھا۔ جب وہ اُٹھا تو پجاری کاکا اُس کے دیے ہوئے "دو آتشہ" سے باہر کوٹھے پر بیٹھا انتظار کر رہا تھا۔ میلے سے کپڑوں میں ملبوس ایک درمیانی عمر کی "بھگت" کو اُس نے اپنے ساتھ رکھا تھا۔ منوہر لال اُس کے نزدیک سے گزر کر چپ چاپ آگے بڑھ گیا۔ وہ سیڑھیوں کی طرف جا رہا تھا۔

"اس ایک ہی عیب ہے تم میں بھتیجے جو ہر وقت "ویشنو" بنے رہتے ہو۔ اگر شراب کو واقعی دیوتا بن جاؤ۔" پجاری نے اس کے پیچھے لڑکھڑاتی آواز میں کہا۔

نیچے آ کر منوہر لال نے اپنا کھانا خود تیار کیا اور وہیں کھا کر آشرم سے باہر نکل گیا۔ کافی دیر تک وہ ایک ٹوٹے نما ہوٹل میں بیٹھا چائے اور سگریٹ سے دل بہلاتا رہا۔ پھر آشرم میں واپس آ گیا۔ پجاری کاکا کے نزدیک سے گزرتے ہوئے اس نے اپنا منہ دوسری طرف پھیر لیا تھا اور اپنی کوٹھڑی میں آ کر لیٹ رہا۔

صبح سویرے اُس نے پجاری کاکا سے بمشکل جانے کی اجازت لی اور بھجن کتھا ختم ہونے سے پہلے جانے والی بس میں سوار ہو گیا۔

○

Scanned and PDF by Qamar Abbas

ٹھنڈہ کا وہ غالباً سب سے مہنگا ہوٹل تھا جہاں اُس نے قیام کیا۔ ایک مودب ویٹر اس نے اُس کے کمرے تک اُس کی راہنمائی کی تھی۔ خان کو یہ بات پہلے پہل تو عجیب لگی لیکن اُسے یاد آگیا انسٹرکٹر نے بتایا تھا: "وہاں کسی بھی بے حیائی کے مظاہرے پر قطعاً ابنارمل ہونے کی ضرورت نہیں، نہی خود کو اُس ماحول سے الگ رکھنے کی کوشش کرنا۔"

اُس نے اپنے کمرے ہی میں ایک کارڈ پُر کر کے ویٹر کے حوالے کیا جس نے جھک کر بظاہر مودب ہونے کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے تمام جسمانی خطوط کرکے اُس سے شکریہ کہہ کر کارڈ دوبارہ وصول کر لیا تھا۔

دروازہ پر رُک کر اُس نے دوبارہ اُس انداز میں جھک کر اُسے تعظیم دی دروازہ بند کر کے باہر نکل آئی۔ دروازے کے باہر اُس نے کارڈ پر لکھے لفظ "دیکھ مسکراتے ہوئے نظر ٹھہرائی پھر آگے نکل گئی۔

خود کو "ویلکم" لکھ کر خان نے بہرحال ہوٹل والوں کو اس بات کا پابند کر دیا کہ وہ اُسے بغیر گوشت کے کھانوں کا مینو ہی بھیجا کریں۔ ایسے بڑے ہوٹلوں ٹائپ گاہکوں کی آمد ہوٹل کے عملے کے لیے نیک شگون نہیں ہوتا تھا۔ وہ ان گاہکوں سے مایوس ہی رہا کرتے تھے، کیونکہ وہ لوگ "ریزرو" ہی رہتے "ریزرو" رہنے والے گاہکوں سے ہوٹل کے عملے کو زیادہ "معاشی تعاون" کی بندھتی تھی۔

شام کے بعد وہ تھوڑی دیر کے لیے چہل قدمی کو بازار میں نکل گیا۔ ذہن میں جلد ہی ہوٹل کے گردوار موجود سٹرکوں اور راہ گزر کو آنے والے راستوں لیے تھے۔ شام کے بعد جب وہ ہوٹل واپس لوٹا تو یہ شہر اس کے لیے اجنبی تھا۔ اُسے یہاں کے بیشتر گلی محلوں کے نام ازبر تھے۔

ہی آمد پر اُس نے ہوٹل کے ڈائننگ ہال کا رُخ کیا۔ اُس نے کونے والی ایک میز سنبھال تھی۔ ہال میں ہلکا ہلکا لیکن بہت بے ہودہ میوزک بج رہا تھا اور اسی مناسبت لوگ موجود تھے۔ چونکہ یہ اس شہر کا غالباً سب سے مہنگا ہوٹل تھا اس لیے نام شہر کے "ٹرخا اُمڈ آئے تھے۔

اُن دنوں بھی ہفتہ کی شام تھی جس کے لیے یہ ہوٹل خاصی شہرت رکھتا تھا۔ خالی ہی سے ریزرو ہو چکی تھیں۔ تھوڑی ہی دیر بعد ایک مودب بیرا اُس کے ایک کھڑا تھا۔ خان نے اپنے لیے سبزیوں کے سوپ کا آرڈر دیا اور جیسے ہی کی پر اس نے نظریں اٹھائیں ایک مرتبہ تو اُس کا سارا جسم ہی جھنجھنا اُٹھا اس میں شاید ہی کسی خاتون نے اپنا مکمل جسم لباس سے ڈھانپ رکھا تھا، اس کے سر پر براجمان تھی۔ اُس نے تو جیسے کپڑے کوئی مکروہ شے سمجھ لے تھے، سکرٹ اور معمولی سی تنگ چولی کے ساتھ ہاتھ میں پرس جھلاتی وہ اس لا رہی تھی۔

اس نے اُسے آتے ہوئے شاید نہیں دیکھا تھا۔

"میں یہاں بیٹھ سکتی ہوں" ——— اُس نے خان کی آنکھوں میں بڑی بیباکی سے اور اُس کے جواب کا انتظار کیے بغیر اُس کے سامنے بیٹھ گئی ——— "آپ نے ——— بیٹھتے ہی اُس نے دوسرا فقرہ داغا۔

——— آپ کے بیٹھنے کا بھلا کون کافر برا مان سکتا ہے" وہ پگھل گیا۔

اُس کا وہ ہمدرد ابھی تک اُس کے لاشعور میں گونج رہا تھا ——— کبھی خود کو ——— کا مرتکب نہ کرنا۔ اگر کہیں زیادہ نیک نظر آنے کے چکر میں پڑ گئے تو نئے ——— اس پاکیزگی کا تصور بھی نہیں پایا جاتا جو ہمارے نوجوانوں کے لیے ضروری

Scanned and PDF by: Qamar Abbas

"بہت مصیبت ہو جاتی ہے کبھی کبھی۔ ڈھنگ کا یہی ایک ہوٹل ہے اس شہر میں اور یہاں سکون سے بیٹھنے کو جگہ میسر نہیں"۔۔۔۔ اس کی زبان پھر چل پڑی۔

"جی ہاں۔ میں بھی یہی سوچ رہا تھا"۔۔۔۔ وہ اور کیا کہتا۔

"آپ شاید پہلی مرتبہ آئے ہیں یہاں"۔۔۔۔ خان اُس کے سوال پر چونکا پھر سنبھل گیا۔

"کیا مشبہ نام ہے آپ کا؟"۔۔۔۔ وہ اب مکمل خادم بن چکا تھا اور لڑکی کو سکھ موقعہ دینے کے لیے بھی تیار نہیں تھا۔

"اوہ شما کیجئے۔۔۔۔ یہ تو مجھے پوچھنا چاہئے تھا۔ سُکھشنا پاٹل" لڑکی مسکرائی "مجھے اروِن کہا کرتے ہیں"۔۔۔۔ خان نے اُس کی مکمل حوصلہ افزائی کی۔۔۔۔ "کام کے سلسلے میں آیا ہوں۔۔۔۔ اور اجنبی ہوں"۔

"بہت خوشی ہوئی آپ سے مل کر"۔۔۔۔ لڑکی نے اپنا ہاتھ بے اختیار آگے بڑھا دیا۔ اُس کا ہاتھ تھامتے ہوئے خان نے بھی بڑی گرمجوشی کا مظاہرہ کیا تھا۔

سُکھشنا پاٹل بمبئی سے یہاں آئی تھی لیکن وہ یہاں اکثر آتی رہتی تھی۔ اُس کا قریباً سارا خاندان یہیں آباد تھا۔ باپ کی تمام رشتہ داریاں بھی اسی شہر میں تھیں۔ بزنس کے سلسلے میں وہ مہاراشٹر میں پچھلے دس سال سے سیٹ ہو چکا تھا اور اپنے کو بھی وہیں لے گیا تھا۔

سُکھشنا نے ہائی سکول تک پڑھنا وہیں تعلیم حاصل کی تھی اور عمر کا زیادہ تر ننھال کے پاس گزارا تھا۔ اب بھی جب کبھی اُسے موقعہ ملتا وہ داؤ لگا کر اُس کے ہاں جاتی تھی۔ امیر لوگ تھے، دولت کی ریل پیل تھی ہوائی جہاز سے آنا جانا اُس کے لیے مشکل نہیں تھا۔

ہیرے کی آمد تک سُکھشنا نے اپنے تمام جسمانی نشیب و فراز سے خان کو متعارف کروا چکی تھی اور دونوں آپس میں خاصے فری بھی ہو چکے تھے۔ یوں بھی اس سارے

کے لئے اور پھر حسن اتفاق سے سوسائٹی کی ایک ہی کلاس سے تعلق رکھنے والوں کا آپس میں گھل جانا کوئی اچھنبے کی بات نہیں تھی۔

خان نے اُسے بتایا کہ وہ ایک کاروباری آدمی ہے اور ابھی تک "زیرِ تربیت" ہی ہے اس نے سُکھشنا کے لیے کاران سُوپ بھی منگوا لیا تھا اور سُوپ کی چسکیاں لیتے ہوئے دونوں ایک دوسرے کو چاٹ جانے والی نظروں سے دیکھتے ہوئے مصروفِ گفتگو تھے۔

"مجھے کاروباری لوگوں سے سخت نفرت ہے لیکن آپ سے نجانے کیوں میں نفرت نہیں کر پا رہی۔ شاید آپ باہر ہی سے کاروباری ہوں۔ اندر سے انسان....." اُس نے آنکھوں میں مسکراتے ہوئے جھانکا۔

"اں سُکھشنا جی۔۔۔۔ سچ کہا آپ نے، واقعی میں باہر سے کاروباری ہوں"۔۔۔۔ خان کا انداز یک لخت بدل گیا۔ یوں جیسے وہ دُکھی ہو گیا ہو۔ پھر اُس نے سُکھشنا کو اپنی دردناک کہانی سُنا دی کہ وہ تو اصل میں آرٹسٹ بننا چاہتا تھا لیکن ظالم باپ نے اُس سے اپنی مرضی سے زندہ رہنے کا حق اُس کے پتاجی کے مرنے کے ساتھ ہی چھین لیا تھا۔

اُس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ سُکھشنا بھی اپنے باپ کے طرزِ عمل سے نالاں ہے اور یہ بھی کہ وہ لاکھ ماڈرن ہونے کے باوجود اب بھی موقع ملتے ہی بھاگ کر ننھال چلی آتی ہے۔ اُس کی اسی کمزوری پر اُس نے ضرب لگائی تھی۔

پہلی ہی نظر میں سُکھشنا اُسے عام سی ہندو لڑکی دکھائی پڑی تھی اور یہ بھی محض آدھ گھنٹہ ہی میں سُکھشنا اُس سے کھل مل گئی۔

دونوں ڈائننگ ہال سے اُٹھ کر کمرے میں چلے آئے تھے۔ خان نے ہیرے کے لیے کافی لانے کی ہدایت کی تھی۔ اور دونوں اب کافی کی چسکیاں لیتے ہوئے ہیرے کے دُکھ درد پر جان دے رہے تھے۔

سُلکھشنا نے بڑی بے باکی سے اس بات کا اقرار کر لیا تھا کہ وہ بھی عام ہندو لڑکیوں کی طرح عورت کی عصمت کو بے معنی چیز سمجھتی ہے اور روحانی سے زیادہ جسمانی تعلق پر یقین رکھتی ہے۔ لیکن اُس نے یہ بھی سچ کہا تھا کہ وہ یہ سب کچھ محض اس لیے کر رہی تھی کہ یہ عمل بہت پہلے سے جاری ہے اور اُسے بھی بہرحال اس میں سے گزرنا ہے۔ اُس کے ماں باپ اس کے سامنے شراب پیتے تھے۔ انہوں نے کالج لائف کے آغاز ہی سے اپنی بیٹی کو بھی شراب کے ذائقے سے آشنا کر دیا تھا اور اب وہ وقت کی بہت سی لہروں میں سے ایک لہر بن کر حالات کے دھارے پر بہہ رہی تھی۔

باتیں کرتے ہوئے اُس نے اپنے جسمانی خطوط کی مکمل نمائش کا مشن جاری رکھا تھا یہ الگ بات کہ خان کا ذہن کچھ اور ہی سوچ رہا تھا۔ فی الوقت اُسے تمام کارڈز اپنے ہاتھ میں رکھنے تھے۔ اس لیے بادلِ نخواستہ وہ اُس میں ضرورت سے زیادہ دلچسپی ظاہر کرنے پر مجبور تھا لیکن جب بات حد سے بڑھ گئی تو اُس نے سُلکھشنا کو نیچے چلنے کی دعوت دی۔ سُلکھشنا کے "نہ نہ" کرنے کے باوجود وہ بڑی بے تکلفی سے اُس کا ہاتھ تھامے اُسے نیچے ڈانسنگ ہال میں لے آیا۔ ہال میں داخل ہوتے ہی بے اختیار اُس کے منہ سے آواز بلند ہوئی، "آسمان سے گرا کھجور میں اٹکا"۔ وہاں کیبرے ناچ ہو رہا تھا۔ روشنی کی بدلیوں کے بھنور اُٹھ رہے تھے۔ بشکل خان نے اپنی مثل کو کنٹرول کیا۔

بالآخر یہ اذیت ناک ناچ ختم ہوا اور اُس نے خدا کا شکر ادا کیا۔

○

جب سُلکھشنا اور خان ڈانسنگ ہال میں داخل ہوئے عین اُن لمحات میں ایک خوبصورت لڑکی کا ہاتھ تھامے ڈانسنگ ہال میں داخل ہو رہا تھا۔ آج خلاف اُس نے نہایت قیمتی سوٹ زیب تن کیا ہوا تھا۔

Scanend and PDF by: Qamar Abbas

پیلا گلاب

ہال کے ایک کونے میں کھڑے ہو کر کامریڈ منوہر لال نے طائرانہ نظروں سے اندر موجود لوگوں کا جائزہ لیا۔ اُس کی نظریں مختلف چہروں سے پھسلتیں خان پر جم کر رہ گئیں۔ جس نے سوٹ پر گلاب کا پھول تو لگا رکھا تھا لیکن یہ خان ہی جانتا تھا کہ اُس نے کتنی مشکلوں کے بعد یہ پیلے رنگ کا گلاب حاصل کیا تھا۔

اس بڑی طرح سُلکھشنا اُس سے چپٹ کر رہ گئی تھی۔ اِس کے بعد سوائے اُس سے باتیں کرنے کے وہ کوئی اور کام کرنے کے قابل نہیں رہ گیا تھا لیکن اپنی "پہچان" کے لیے یہ پیلا گلاب بہرحال اُس نے ہوٹل کی بالکنی میں لٹکتے ایک گملے سے اُتار ہی لیا تھا۔

سُلکھشنا اُسے حیرت سے پھول چوری کرتے دیکھتی رہی۔

"یہ گلاب میری زبردست کمزوری ہے ـــــ جہاں کہیں بھی نظر آ جائے۔ یہی حال ہوتا ہے" اُس نے اِس بات کا اطمینان کر لیا تھا کہ کسی نے سوائے سُلکھشنا کے اُسے یہ کام کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔

"لوگ تو سُرخ گلاب پر مرتے ہیں مگر آپ.....؟"

"میں ایسا ہی ہوں۔ ایسا اوقات میں کئی ضروری اور اچھی باتیں اپنی انفرادیت کے چکر میں چھوڑ دیتا ہوں" ـــــ اُس نے سُلکھشنا کی بات بڑے فلسفیانہ

Scanned and PDF by: Qamar Abbas

اندازہ میں کاٹ دی۔

پھول کوٹ کے کالر میں سجا کر وہ نیچے ہال میں آیا ـــــ تو ڈائننگ ہال میں بیٹھے دو تین عورتوں اور مردوں نے اُس کے کالر میں لگے اِس پیلے رنگ کے پھول کو عجیب سی نظروں سے دیکھا بھی لیکن وہ بظاہر ہال میں موجود لوگوں کی موجودگی سے بے نیاز شکار ہی میں مگن تھا۔

○

کامریڈ منوہر لال کے ساتھ چپٹی ہوئی لڑکی گو کہ شکل سے فاحشہ نہ لگتی تھی لیکن اس کے اطوار بالکل فاحشہ عورتوں کے سے تھے ـــــ اُس نے اچانک ہی کامریڈ کا ہاتھ کھینچ کر اُسے اپنی طرف متوجہ کیا تھا اور وہ اُس کے ساتھ ہی کھنچتا ہوا خان کے بالکل سامنے والی میز پر آکر جم گیا تھا۔

موڈب بیرے نے مینو لاکر اُس کے سامنے رکھ دیا۔ منوہر لال نے اُسے جو کچھ آرڈر لکھایا وہ کوئی نواب ہی لکھا سکتا تھا۔ لڑکی اُس سے پہلے ہی متاثر تھی، اب تو بالکل دب کر رہ گئی تھی۔

"میں تو صرف سبزیوں کا سوپ پیوں گا لیکن تمہیں ڈاکٹر نے میرے خیال سے کسی شغل سے منع نہیں کیا؟" اُس نے اپنی ساتھی کو متوجہ کیا۔

اس کی ساتھی لڑکی کو اُس کا ساتھ دیتے ہوئے اب خاصی اُلجھن ہونے لگی تھی وہ بھنڈہ کے اونچے حلقوں خصوصاً ٹرفا اور اعلیٰ افسران میں اُٹھنے بیٹھنے والی شریف تھی خود اُس کا خاوند ایک بڑا سرکاری افسر تھا یہ الگ بات کہ اکثر اس کی ڈیوٹی سے باہر ہی رہا کرتی تھی اور وہ بیچاری اپنی "منہائی" کا روگ ختم کرنے اعلیٰ سوسائٹی اٹھنے بیٹھنے لگی تھی۔

منوہر لال بھی ایک دن یوں ہی اُسے ٹکرا گیا تھا۔ دونوں کا تعارف آج

ماہ پہلے لدھیانہ میں ہوا تھا۔ اُس نے پہلی ملاقات میں منوہر لال کو بھی شرفا کے اس حلقوں ہی کا نمائندہ جانا تھا جس سے اُس کا واسطہ رہتا تھا۔ اُسے اُمید تھی کہ اُس پر کچھ روپے خرچ کرنے کے بعد اب منوہر لال اُن کا معاوضہ بھی وصول کرے گا لیکن اسے بڑی خوشگوار حیرت کا سامنا کرنا پڑا۔ جب اُس نے دیکھا کہ منوہر لال نے نہ تو شراب کا آرڈر ہی "میٹ" کے نزدیک پھٹکا۔ وہ رات کافی دیر تک ہوٹل کے لان کے ایک تاریک گوشے میں بیٹھے رہے، کئی مرتبہ دورانِ گفتگو اُس کا جی چاہا کہ اب منوہر لال اُسے فوراً اپنے کمرے میں جانے کی دعوت دے کیونکہ ٹھنڈی ہوا نے شراب کا اثر دوبالا کر دیا تھا لیکن منوہر نے رات زیادہ گزر جانے کا احساس دلا کر اُس سے رخصت طلب کر لی۔

اس کے بعد بھی وہ لوگ آٹھ دس مرتبہ آپس میں ملے تھے لیکن کیا مجال جو کبھی اُس نے منوہر لال کی آنکھوں میں خمار دیکھے ہوں ـــــ اوّل تو اُسے اس گہری آنکھوں میں جھانکنے کا موقع ہی نصیب نہ ہوتا اور اگر کبھی منوہر لال اُس کی آنکھوں میں جھانکتا تو وہ اس کی آنکھوں کی گہرائیوں میں ڈوبتی چلی جاتی جہاں ایک پُراسرار تقدس کے سوا اُسے اور کچھ دکھائی نہ پڑتا۔

آج بھی وہ اچانک ہی آگیا تھا اور وہ دونوں ڈنر کھانے کے لیے اس ہوٹل میں چلے آئے تھے۔ بیرے نے بڑے اہتمام سے اُن کے سامنے ڈنر سجا دیا تھا۔

منوہر لال بظاہر اپنی ساتھی کی گفتگو میں مکمل دلچسپی لے رہا تھا لیکن اصل میں وہ خان کو دیکھ رہا تھا۔ اُسے بخوبی احساس ہو چکا تھا کہ خان نے لڑکی کو بادلِ نخواستہ ہی اپنے ساتھ اُسی کی طرح چمٹایا ہوا ہے۔

خان اور اُس کی ساتھی لڑکی دونوں اب کھانے سے فراغت حاصل کر چکے تھے! خان نے ہی ادا کیا تھا اور دونوں اُٹھ کر اب ہوٹل کے اُس راستے کی طرف جا رہے

Scanned and PDF by: Qamar Abbas

تھے جو انہیں رہائشی کمروں کی طرف لے جاتا۔

انہیں سیڑھیوں کی طرف بڑھتا دیکھ کر اچانک ہی منوہر لال پر کھانسی کا دورہ پڑ گیا۔ اُس کی ساتھی لڑکی حیرانگی اور تشویش کے ملے جلے جذبات سے منوہر لال کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"شما کرنا (معاف کرنا)" اُس نے اپنی ساتھی لڑکی سے معذرت کی اور باتھ روم کی طرف آگیا۔

باتھ روم میں داخل ہوتے ہی اُس کی کھانسی ختم ہو گئی ایک لمحے کا توقف کیے بغیر وہ دوسرے راستے سے ہوٹل کے رہائشی کمروں کی طرف مُڑ گیا۔ اُس نے دانستہ وہ راستہ اختیار کیا تھا جس پر اُس کا ٹکراؤ خان سے ہو سکے۔ خان نے بھی اُس کی طرح لفٹ استعمال کرنے کی بجائے سیڑھیوں کا راستہ اپنایا تھا۔ وہ بھاگم بھاگ ہوٹل کی بالکونی میں پہنچا تو بالکونی سے آگے اُسے واحد راستے کی طرف جاتا دکھائی دیا جس کے بعد رہائشی کمروں کی قطار شروع ہو جاتی تھی۔

اپنی دانست میں منوہر لال نے بہت احتیاط اختیار کی تھی، لیکن خان کے حساس کان اور بیدار چھٹی حس نے بالکونی سے گھومتے ہی تعاقب کا احساس کر لیا تھا۔ سنکھشا کو خاصی دیر ہو گئی تھی اور وہ اونچی اونچی آواز میں قہقہے لگاتی اُس کے ساتھ ہی اوپر تک آئی تھی۔

منوہر لال دبے پاؤں اُس کے پیچھے آرہا تھا۔ خان کے لیے اب سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں رہا تھا کہ وہ اپنے تعاقب میں آنے والے کو یہ احساس دلائے بغیر کہ اُس تعاقب کا علم ہے اپنے کمرے میں چلا جائے اور اُس نے وہی کیا۔ سنکھشا کی کمر میں ہاتھ ڈالے بھارتی معاشرے کی مروجہ اخلاقیات کے عین مطابق وہ کمرے میں گھس گیا۔

منوہر لال جو اس کے پیچھے پیچھے چلا آرہا تھا اُس سے دو قدم آگے جا کر رُک گیا۔ اُس نے کمرے کا نمبر نوٹ کیا۔ دل ہی دل میں اُسے دو تین مرتبہ دہرایا اور بڑی تیزی

سے آگیا۔ جہاں اُس کی ساتھی خاتون بیقراری سے اُس کی منتظر تھی۔

"خیریت تو تھی ——" اُس نے منوہر لال کی طرف اپنی سیٹ چھوڑ کر کھڑے ہوتے ہوئے بیقراری سے بڑھ کر کہا۔

"بس، وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔" منوہر لال نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔

"کیا مطلب؟ کیا ہوا؟"

"آج چھ ماہ بعد ایک دوست کے بضد ہونے پر ایک پیگ لے لیا تھا۔ اب پھر ماتا بھگتوں گا! اُف —— بھگوان نے مجھے بیماری ہی لگائی تھی تو کوئی اور لگا دیتا۔" اُس نے اپنے لیے میدان ہموار کرنے کا یہ موقع بھی ڈھونڈ لیا تھا۔

"اوہ مائی گاڈ" —— عورت پریشان نظر آرہی تھی۔

"میرے خیال سے اب چلنا چاہیے۔ میری طبیعت ابھی تک ٹھیک نہیں ہوئی۔" منوہر لال نے معذرت کی۔

"اوہ ضرور، ضرور" —— عورت نے بیرے کو متوجہ کرنے کے لیے چمچہ بجایا۔

تھوڑی دیر بعد دونوں ہوٹل سے باہر آرہے تھے —— منوہر لال کے نہ نہ کرنے کے باوجود اُس کی ساتھی خاتون نے بل خود ادا کیا تھا —— ہوٹل کے پارکنگ ایریا میں کھڑی ایک کار کی طرف دونوں بڑھ رہے تھے۔

ڈرائیونگ سیٹ عورت نے ہی سنبھالی تھی اور منوہر لال اُس کے ساتھ بہت احوال سا ہو کر بیٹھا تھا۔ ازلی بیماروں کی طرح اُس نے اپنی ٹانگیں پھیلا لی تھیں اور سیٹ پر بے دم سا ہو کر گر پڑا تھا۔

"میری مانو تو آج میرے ہی گھر پر رہ لو" —— عورت نے اس کی تشویشناک حالت کے پیش نظر مدد کی پیشکش کی۔

"نہیں ڈیئر —— سوچتا ہوں اس مختصر زندگی میں کوئی کام ادھورا نہ چھوڑ جاؤں۔"

Scanned and PDF by Qamar Abbas

"ایسی باتیں نہ کیا کرو۔ میرا دل بیٹھنے لگتا ہے۔ تم نہیں جانتے منوہر لال میں تم سے کتنی محبت کرنے لگی ہوں۔" اُس کی آواز بھرا گئی تھی۔

"سیتا دیکھو نارمل رہا کرو ــــ میں تمہارا بہت احترام کرتا ہوں۔ ہم اچھے دوست ہیں۔ میرے لیے یہی بہت ہے۔ ایک ایسا آدمی جس کی زندگی کا پل بھر بھی بھروسہ نہ ہو۔ اُس کے متعلق ایسی سوچ رکھنا درست نہیں۔ میری بیماری ابھی تک ڈاکٹروں کی سمجھ میں نہیں آئی۔ صرف یہ کہتے ہیں کہ شراب اور میٹ چھوڑ دوں۔ میں نے چھوڑ دیا ہے۔ بس کبھی بدمستی سے بے احتیاطی ہو جائے تو جان پر بن آتی ہے۔"

"میرے ساتھ چلو نہ دہلی! میرا کزن سپیشلسٹ ہے ــــ اُسے کیوں نہیں دکھاتے۔"

"اچھا، بوبی جی! ابھی تو مجھے یہاں ڈراپ کیجئے نا ــــ پھر کبھی یہ بھی سوچیں گے۔" منوہر نے اُسے کار روکنے کو کہا۔

آج شاید پہلی مرتبہ اُس نے منوہر کی بات نہیں مانی تھی اور اس کے نہ نہ کرنے کے باوجود وہ اُسے اپنے گھر لے آئی تھی۔ اوّل تو اُس کا خاوند گھر پر تھا ہی نہیں اور اگر ہوتا بھی تو اُس کے لیے یہ کوئی نئی بات نہ ہوتی۔

بیڈ روم میں پہنچتے ہی منوہر لال نڈھال سا ہو کر بستر پر گر گیا۔ سیتا نے بڑے احترام اور محبت سے اُس کے جوتے اور کوٹ اُتار دیا اور اس پر گرم کمبل ڈال کر باہر نکل آئی۔ اُس کی زندگی میں منوہر لال پہلا ایسا مرد آیا تھا جس نے اُسے مردانگی کے احترام پر مجبور کر دیا تھا ورنہ آج تک تو وہ خود کھلونا بنی رہی تھی یا پھر اُس نے مردوں کو کھلونا بنائے رکھا تھا۔

دروازہ بند ہونے کی آواز سُن کر بھی وہ اُسی پوزیشن میں دم سادھے لیٹا رہا۔

قریباً پانچ منٹ بعد وہ اٹھا دروازہ اُس نے اندر سے لاک کر دیا۔ اس کا ہاتھ ہی سرہانے تپائی پر دھرے ٹیلیفون کی طرف بڑھا لیکن کریڈل پر ہاتھ رکھ کر چند لمحے

رکھنے کے بعد اُس نے فون وہیں رکھ دیا۔

اُس کی آنکھیں بڑی بے چینی سے کمرے میں سجی اشیاء کا جائزہ لے رہی تھیں۔ کچھ سوچنے کے بعد وہ ٹیپ ریکارڈر کی طرف بڑھا۔ ٹیپ ریکارڈر کے ساتھ درجنوں کیسٹ پڑے تھے۔ اُس نے قدرے ایک پرانا کیسٹ ٹیپ ریکارڈر میں لگا دیا اور کمرے کا دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔ اب اُس کا رُخ ڈرائنگ روم کی طرف تھا۔

ڈرائنگ روم میں ہلکی روشنی کا بلب جل رہا تھا۔ سیتا غالباً سونے کی تیاری کر رہی تھی اسے آتے دیکھ کر اُس نے لائٹ جلا دی۔

"خیریت تو ہے ــــ" وہ بے چین ہو گئی۔

"بالکل ٹھیک ہوں سیتا! دیکھو تم یہ زیادتی نہ کرو۔ میں یہاں سو جاتا ہوں، تم اپنے بیڈ روم میں سو جاؤ۔" اُس نے اظہار ہمدردی کیا۔

"اوہ منوہر تمہیں اٹھنا نہیں چاہیئے تھا۔ چلو چلو! میں تمہیں چھوڑ آؤں۔" وہ منوہر کو اٹھا کرنے کے باوجود اُسے بیڈ روم تک چھوڑ گئی۔ بیڈ روم کا دروازہ بھی اُس نے ادھ کھلا بند کر دیا تھا۔

آدھ گھنٹہ انتظار کرنے کے بعد منوہر ایک مرتبہ پھر کمرے سے باہر نکلا اور یہ اطمینان کرنے کے بعد کہ سیتا سو گئی ہے۔ بیڈ روم میں واپس آ گیا۔ اُس نے معمولی روشنی والا بلب بھی بجھا دیا تھا اور کھڑکی کے سامنے سے پردہ بھی سرکا دیا تھا تاکہ چاند کی روشنی اندر آ سکے۔ اس روشنی میں اُس نے کیسٹ پر ایک پیغام ریکارڈ کیا اور اُسے اپنے سرہانے رکھ کر لیٹ گیا۔ ٹیپ کو دوبارہ اُس نے بالکل اُسی پوزیشن میں رکھ دیا جس میں پہلے تھی۔ پردہ اپنی جگہ پر کرنے کے بعد اُس نے ایک مرتبہ پھر صورتِ حال کا جائزہ لیا اور دروازہ اندر سے لاک کر کے سو گیا۔

○

Scanned and PDF by: Qamar Abbas

وہ رات خان کے لیے الف لیلیٰ کی کوئی طلسماتی رات بن کر رہ گئی تھی۔

اُسے سنگھشنا اور خود سے اعصاب شکن جنگ لڑنا پڑی تھی۔ خاصی رات گئے جب سنگھشنا کا نشہ قدرے اُترا تو اُسے احساس ہوا کہ اُسے واپس بھی جانا ہے اور خان نے اُس کے جاتے ہی سجدۂ شکر ادا کیا۔ رات قریباً دو بجے وہ سویا اور صبح سات بجے تک وہ سوتا رہا۔

اُس کی نیند فون کی گھنٹی کی آواز سے کھلی تھی! پہلے تو وہ ایک دو لمحے کے لیے بھونچکا ہی رہ گیا کہ اُسے کس نے فون کیا ہے۔ پھر کچھ سوچتے ہوئے اُس نے لیٹے لیٹے فون اٹھا کر "ہیلو" کہہ ہی دیا۔

"روم نمبر ۴۹ سے بول رہا ہوں۔ کال پلیز" آپریٹر لائن پر تھا۔

"او۔ کے" اُس نے آپریٹر کو اجازت دے دی۔

تھوڑی دیر بعد ایک غیر مانوس سی آواز اُسے ٹیلیفون پر سنائی دے رہی تھی:

"آپ "نام" سے تو نہیں آئے جی؟"

لفظ "نام" پر وہ چونکا۔ اُس کا دل بھی ایک مرتبہ زور سے دھڑکا۔

"آپ کہاں سے آئے ہیں؟" اُس نے اب "کوڈ ورڈز" کا تبادلہ شروع کر دیا تھا۔

"جی میں تو الہور سے آیا ہوں۔"

"کیا ہے آپ کے پاس کپڑا، سگریٹ، خوشبویات کس کا بزنس کرتے ہیں؟"

"میں تو اشیائے خورد و نوش کا بیوپاری ہوں مہاراج۔"

"اوہ تو آپ ہیں درشن لال جی۔" اُس نے آخری پتہ بھی پھینک دیا۔

"ہاں مسٹر اروِن" دوسری طرف سے جواب پر اُسے مکمل اطمینان ہو گیا۔

"میرے لائق کیا سیوا ہے؟"

"آپ کو تھوڑی دیر بعد ملتا ہوں۔"

"او۔ کے" سلسلہ منقطع ہو گیا۔

○

خان نے خدا کا شکر ادا کیا کہ وہ اپنے آدمیوں میں پہنچ تو گیا۔ یہ بات اس کے لیے اطمینان بخش تھی۔

اس ہوٹل میں آنے سے پہلے اُس نے ایک خاص نمبر پر صرف اپنے ہوٹل کا نام بتا کر فون بند کر دیا تھا۔ اور رات ڈنر پر ہدایات کے مطابق اپنے کوٹ کے کالر میں پیلے رنگ کا پھول لگا لیا تھا۔ اب اُسے یہ اطمینان ضرور ہو گیا تھا کہ رات اُس کا تعاقب کسی سرکاری آدمی نے نہیں بلکہ اُس کے اپنے ساتھیوں میں سے کسی ایک نے کیا تھا۔

وہ خود کو ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا! اُس نے ناشتہ اپنے کمرے ہی میں منگوایا اور اب کپڑے بدلتے ہوئے ناشتے کا منتظر تھا کہ دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔ خان نے اٹھ کر دروازہ کھولا کہ ناشتہ آگیا ہے لیکن دروازے پر ایک خالی ہاتھ سٹیورڈ اُس کا منتظر تھا۔

"سر! ایکسکیوز می! آپ کے لیے" کہہ کر اُس نے ایک بند لفافہ خان کی طرف بڑھا دیا۔

"تھینک یو" اُس نے سٹیورڈ کو ٹپ کیا اور اندر چلا آیا۔

لفافہ موٹے کاغذ کا تھا اور اسے احتیاط سٹیپلر سے بند کیا گیا تھا۔ خان نے کھولنے سے پہلے یہ اطمینان حاصل کر لیا تھا کہ اُسے راستے میں چیک تو نہیں کیا گیا؟ پھر اُس نے میز پر رکھ دیا اور ناشتے کا منتظر ہو رہا۔ تھوڑی دیر بعد ناشتہ آگیا۔

ویٹر کے جانے پر اس نے دروازہ لاک کیا اور لفافہ چاک کر دیا۔ لفافے سے ایک اور چابی برآمد ہوئی۔ خط میں صرف اتنا لکھا تھا کہ وہ ریلوے اسٹیشن کے لاکر نمبر ۴۵

سے ایک کیسٹ نکال لے اور رات ہونے تک اپنا پیغام وہاں رکھ دے۔

خط پڑھنے کے بعد اُس نے جلا کر واش بیسن میں ضائع کر دیا اور ناشتہ مکمل ہونے پر اُس نے کمرے سے ہی سلگھشا کا نمبر ملایا ـــــ وہ ابھی تک سو رہی تھی۔

خان نے اُسے تائید ایزدی جانا۔ اِس طرح وہ اس کی مزید صحبت سے قدرے محفوظ بھی رہ سکتا تھا! اپنا نام اُس نے نوٹ کروایا اور کمرہ لاک کر کے باہر نکل گیا۔ اُس کا رُخ بٹھنڈہ کی اُس آبادی کی طرف تھا جہاں اکثر ملازمین رہائش پذیر تھے اور جس کا ایڈریس اُسے بوڑھے نے دیا تھا۔

○

اُس نے جان بوجھ کر پہلے قریباً ڈھائی تین گھنٹے تک بٹھنڈہ کے مختلف حصوں کا جائزہ لیا اور جب وہ دوپہر کے قریب شادی والے گھر پہنچا تو بٹھنڈہ اُس کے لیے اجنبی نہیں رہا تھا۔ اُس نے باہر بیٹھے نوجوانوں میں سے ایک کے ذریعے اندر بھیجا۔ بمشکل دو ہی منٹ کے بعد اُس کے سامنے رما کھڑی تھی۔ اُس کے سینے کا زیر خان کو یہ احساس دلانے کے لیے کافی تھا کہ وہ اُس کا نام سُن کر بھاگتی ہوئی آئی ہے۔

اچانک خان کو سامنے دیکھ کر وہ گنگ ہی تو رہ گئی تھی اور یہی حال خان کا بھی تھا! اُس نے گو کہ رما کو بس کے سفر میں بھی جی بھر کے دیکھا تھا لیکن آج تو اُس کا سراپا واقعی قیامت ڈھا رہا تھا۔ رما اتنی خوبصورت بھی ہو سکتی ہے، اُس کو تو گمان بھی نہیں گزرا تھا۔ وہ شاید زندگی کے کمزور ترین لمحے تھے جب وقت کی گرفت اُس پر سخت ہو گئی تھی۔ خان نے اُس کیفیت سے فرار ضرور چاہا تھا لیکن اُس کی تو ایک اسیر بے دام سے زیادہ اور کچھ نہیں تھی۔

اُس لمحے خان کو احساس ہوا جیسے وہ بہت لمبی مسافت طے کر کے صرف اسی یہاں پہنچا تھا کہ رما اُسے مل جائے۔ اُس نے موت کی لمبی سرحد جو پچھلے تین روز سے

Scanned and PDF by: Qamar Abbas

صرف اِس لیے کہ زندگی رما بن کے اُس سے گلے آن ملے۔

آج شاید یہاں رسم مہندی ہی ادا کی جا رہی تھی۔ اسی مناسبت سے اُس نے سرسبز رنگ کی ساڑھی زیب تن کر رکھی تھی۔ ہاتھوں اور بالوں میں کلیوں کے گجرے سجائے جب وہ اُس کے سامنے آئی تو خان کو یوں محسوس ہوا جیسے زندگی کے تپتے جھلستے ریگزاروں میں سفر کرتے ہوئے اچانک شام اُتر آئی ہو۔ ایک ٹھنڈک ایک بے نام سی طمانیت اُس کے اندر اُترتی چلی گئی۔

اُس کی حالت اُن مسافروں جیسی تھی جو صدیوں کا سفر پاٹنے کے بعد منزل کو اچانک پا لیتے ہیں۔

سُن کی دیوی نے دونوں ہاتھ پارجتی کی طرح اپنے سینے پر باندھ کر اُسے نمسکار کیا۔ خان کے ہاتھ بھی کسی میکانکی عمل کے تابع اوپر اٹھے اور بندھتے چلے گئے۔ دونوں ہتھیلیوں میں رفاقت گویائی سلب ہوتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

"اندر آیئے نا" ـــــ بالآخر رما نے ہی حوصلہ کیا۔

"جی اچھا" ـــــ کہہ کر وہ بہوت سا اُس کے پیچھے پیچھے اندر آ گیا۔

دونوں کو بہت سے لوگوں کے درمیان سے گزر کر کمرے تک پہنچنا تھا! لوگوں کے درمیان سے گزرتے ہوئے اُسے بہت سی نظریں اپنے جسم پر چبھتی محسوس ہوئی تھیں۔ ایک آدھ فقرہ بھی تعزیحاً یا مذاقاً رما کی طرف اُچھالا تھا۔ اُس وقت خان رما کے چہرے پر اُمڈتی حیا کی سُرخی نہ دیکھ سکا۔

اس کمرے کا اختتام ایک چھوٹے سے کمرے پر ہوا۔ کمرے کے ایک کونے میں سامان پڑا تھا اور زمین پر چٹائی بچھی ہوئی تھی اور ایک کونے میں کُرسی دھری تھی۔ بالکل شادی والے گھروں کا سا ماحول تھا۔ شاید سہائے فیملی کو یہ کمرہ گھر والوں کی طرف سے دیا گیا تھا۔

Scanned and PDF by: Qamar Abbas

"کیسے ہیں آپ۔ بہت دیر کردی آپ نے آنے میں" ۔۔۔ رما کے لہجے میں گلہ اپنا نہ
نے اُسے ایک مرتبہ تو ہلا کر ہی رکھ دیا تھا۔

"دیر کیسی؟ ابھی کل ہی کی تو بات ہے۔ آج میں آگیا" خان نے سنبھالا لیا۔

"بیٹھ جائیے ناں۔ کب تک کھڑے رہیں گے آپ" اس نے کمرے میں دھری دا
کرسی کی طرف اشارہ کیا ۔۔۔ "اسے اپنا ہی گھر جانیئے۔ لیکن نہیں ۔۔۔ شاید میں غلط
کہہ گئی۔ آپ کا گھر تو بہت بڑا ہوگا نا"

"رما جی بات گھر کی نہیں۔ گھر کے مکینوں کی ہوتی ہے۔ جس گھر میں آپ ایسے
لوگ موجود ہوں....."

"یہ ہمارا گھر نہیں" ۔۔۔ رما نے ہنستے ہوئے بات کاٹ دی "ہمارا گھر تو وہاں ہ
ہے"

آپ جس گھر میں بھی آئیں گی۔ وہی گھر سج جائے گا ۔۔۔ خان کہے بغیر نہ رہ سکا۔

"بیٹھئے ناں۔ میں آپ کے لیے چائے لاتی ہوں۔ باقی سب لوگ تو ابھی بازار سے
پتاجی کر گئے تھے آپ آئیں تو جانے نہ دوں"

"شکریہ کہتے ہوئے وہ کرسی پر بیٹھ گیا۔

○

رما اپنے تبسم کی بجلیاں اس پر نچھاور کرتی باہر چلی گئی ۔۔۔ کمرے میں
رہ گیا! اندر تو کوئی نہ آیا لیکن باہر خاصا ہنگامہ برپا رہا۔ شاید اس مکان کے کسی
والے کمرے میں لڑکیاں مل کر شادی بیاہ کے گیت گا رہی تھیں، لیکن خان کا
لہروں سے بے نیاز صرف یہ سوچ رہا تھا، کہ وہ اتنا کمزور کیوں ہو گیا ہے؟ اس
نے اس پر کیا سحر پھونک دیا ہے کہ وہ اس کی آنکھوں کی گہری جھیل میں ڈو
ہے۔

اسے اپنے رویے کی کوئی خاص توجیہہ دستیاب نہیں تھی اور وہ خاصی اُلجھن محسوس
کر رہا تھا، اس اُلجھن سے نجات اُسے تب ملی جب رما ہاتھوں میں ٹرے تھامے
واپس آئی۔

"لیجئے۔ آپ کو انتظار کرنا پڑا ۔۔۔" اس نے برتن وہیں چٹائی پر رکھ دیئے اور
خود بھی اس پر بیٹھ کر خان کے لیے چائے بنانے لگی ۔۔۔ "بور تو نہیں ہو رہے آپ۔"

"نہیں تو۔ آپ کے ہوتے ہوئے بوریت کیسی؟" خان کو اپنے لفظوں کی ادائیگی پر بھی
اختیار نہیں رہا تھا۔ "آپ یہاں نیچے کیوں بیٹھی ہیں۔" وہ اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ کچھ بھی
ہو، تھا تو وہ مسلمان نارہ ۔۔۔ عورت کا احترام اس کی گھٹی میں پڑا تھا، وہ رما کے "نند"
ہونے کے باوجود اس کے قریب ہی چٹائی پر بیٹھ گیا۔

رما کی نظر دونوں کے درمیان رکھی تھی اور رما سوچ رہی تھی، یہ واقعی انسان ہے
یا کسی روپ میں کسی دیوتا نے جنم لے لیا ہے؟ ۔۔۔ اس کے نزدیک وہ ہندو نوجوان کوئی
ہی ہو سکتا تھا جو عورت کا احترام بھی کرتا ہو، ورنہ تو یہاں عورت کو جسمانی لذت کے
حصول کا ایک ذریعہ سمجھنے کے علاوہ کوئی مرتبہ ہی نہیں دیا جاتا تھا۔

وہ جس کالج میں پڑھتی تھی وہاں آئے روز اس کی کوئی نہ کوئی ہم جماعت کسی نہ
کسی کی درندگی کی بھینٹ چڑھ جاتی اور لوگ ایسے کسی بھی تازہ واقعے کے فوراً
بعد اس بربریت کے خلاف جلوس نکالتے تھے لیکن ان کے اس جلوس پر اُن کے
اپنے ہی نہیں پولیس والے بھی ہنسا کرتے اور بس! اس سے آگے پھر لیڈروں
کی بات کا ایک لایعنی سلسلہ شروع ہو جاتا۔

رما کو ہمیشہ اپنے معاشرے کی ان کھوکھلی اقدار سے نفرت رہی تھی۔ اس کے اندر
ایک لاوا کھول رہا تھا جسے پھٹ جانے کی راہ ابھی شاید میسر نہیں آ رہی

Scanned and PDF by: Qamar Abbas

تھی۔ آج ـــــ پہلی مرتبہ اُسے احساس ہوا کہ "اس معاشرے میں عورت کا احترام کرنے والے اُردن کے ریبے نوجوان بھی موجود ہیں۔"

"کہاں چلی گئی آپ رما جی؟" خان نے اُسے گہری سوچ کی دلدل سے باہر کھینچا۔

"کہیں نہیں۔ سوچ رہی تھی۔ آپ سے مل جانا ہی میرا سوبھاگیہ (خوش قسمتی) تھا۔"

الفاظ بے اختیار اس کے مُنہ سے نکلے اور خان کے دل میں ترازو ہو گئے۔

"میں بھی یہی سوچ رہا ہوں ـــــ اُسے کہنا ہی پڑا۔ کم از کم اس معاملے میں وہ اس سے زیادہ دیر تک منافقت نہیں کر سکتا تھا۔

"کیا سوچ رہے ہیں آپ نسکار ـــــ اچانک ہی آشا اندر داخل ہوئی۔ خان تو گڑبڑا کر ہی رہ گیا۔

"ارے تم!" خان نے جواب میں ہاتھ باندھے۔

"کب آئیں تم واپس؟" رما نے اپنی خجالت مٹانے کو کہہ دیا۔ وہ خان کی دل کی کیفیت کا احساس بھی کر چکی تھی اور یہ بھی جانتی تھی کہ آشا کتنی شرارتی ہے۔

"دیدی میں تو کب سے آئی ہوں۔ آپ کی باتیں چھپ کر سُن رہی تھی۔" اس نے مسکراتے ہوئے خان کی آنکھوں میں جھانکا جو اُس سے نظریں چُرا رہا تھا۔ اُس کی اس بات پر دونوں کے دل زور سے دھڑکے تھے ـــ لیکن رما جلدی نارمل ہو گئی وہ اپنی بہن کو اچھی طرح جانتی تھی۔

"اچھا اچھا زیادہ زبان نہ چلایا کرو۔" رما نے اُسے پیار سے ڈانٹ دیا۔

"نہیں چلاتی زبان لیکن جاؤں گی نہیں۔ مجھے بھی تو اُردن کمار جی سے ملنا تھا۔" نے بہن کو چڑایا۔

"کیا ہرج ہے رہنے دیجئے اسے۔" خان بھی اب سنبھل چکا تھا۔

"ارے جاتی ہے یا....." رما نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا اور آشا باہر بھاگ

"بل دیکھوں باقی گھر والے بھی آئے ہیں یا نہیں۔" وہ باہر نکل گئی۔

"اس کی واپسی بمشکل چند منٹ بعد ہی ہو گئی تھی۔ اس کی زبانی خان کو علم ہوا کہ "اس کے گھر کے باقی لوگ واپس نہیں لوٹے۔ آشا تو اپنی کسی دوست کے ہاں گئی تھی ... واپس آئی ہے۔"

"تھوڑی دیر کے لیے آگیا (اجازت) دیجئے۔ شام تک واپس آجاؤں گا۔ ابھی ... کام کرنا ہے۔"

"بیٹھ رہیئے ناں ـــــ ابھی سب لوگ آجائیں گے۔" رما کا دل نہیں چاہتا تھا کہ وہ اس وقت جائے۔

"آپ کی بھی کیسی کمبخت کا جی چاہے گا آپ کے پاس سے اٹھ کر جانے کو ـــــ بس ایک ... کام کرنے ہیں پھر لوٹ آؤں گا۔"

رما نے اُسے بادلِ نخواستہ ہی جانے کی اجازت دی اور ـــــ دروازے کے باہر ... اُسے چھوڑنے آئی تھی۔ اس دوران اُس نے بجائے خان کو کتنی مرتبہ یاد دلایا: کہ ... شام تک بہر صورت واپس آنا ہے۔

○

... سے رخصت ہو کر خان سیدھا ریلوے سٹیشن پہنچا تھا ـــــ

اس نے پہلے سٹیشن کے گرد و نواح تین چکر کاٹ کر صورتِ حال کا جائزہ لے لیا۔ کوئی غیر ... تو نہیں؟ کچھ سادہ کپڑوں والے اُس کی نظر میں کھٹکے مزور تھے لیکن اس نے ... کیا کہ وہ لوگ معمول کے مطابق ڈیوٹی دے رہے ہیں۔

... کے کہ تسلی پر کھڑے ہو کر اُس نے پھر احتیاطاً اردگرد نظر دوڑائی اور ... دیکھ کر بالآخر وہ لاکر کی طرف بڑھا ـــــ اندر ایک لفافہ میں بند ایک ... تھا۔ اُس نے لفافہ اٹھایا اور بڑے اطمینان سے کوٹ کی جیب میں ڈال لیا۔

Scanend and PDF by Qamar Abbas

تالا لگانے کے بعد وہ پُر اعتماد قدموں سے مڑا اور کچھ سوچتا ہوا نزدیکی ٹیلیفون بوتھ کی طرف چل دیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ اپنے ہوٹل میں فون کر رہا تھا۔

آپریٹر کی زبانی اُسے معلوم ہوا کہ مس سنگھشنا نامی کسی خاتون کے اب تک تین چار فون آچکے ہیں۔ پھر ریسپشن سے اُسے اطلاع ملی کہ وہ قریباً آدھ گھنٹہ اُس کا انتظار کرنے کے بعد واپس چلی گئی ہے۔

خان نے خدا کا شکر ادا کیا۔ میدان فی الوقت تو صاف ہی تھا۔ وہ سیدھا ہوٹل اور اپنے کمرے میں چلا گیا۔ اُس نے دروازہ اندر سے لاک کیا اور باتھ روم کا جائزہ لینے کے بعد ٹیپ ریکارڈر میں وہی کیسٹ لگا کر سننے لگا۔

کیسٹ پر اس کے لیے ایک خاص پیغام اور کورڈورڈز میں ٹھنڈو کے لیے ایک بتایا گیا تھا۔ اُس نے دوبارہ ٹیپ چلا کر وہی پیغام سنا اُسے ذہن نشین کیا اور پیغام کر دیا۔ کیسٹ اُس نے جیب میں رکھ لی تھی۔ اپنے کمرے میں بیٹھ کر اُس نے اپنے منگوائی اور وہیں سے سنگھشنا کو ٹیلی فون کرنے لگا۔

اس مرتبہ بھی سنگھشنا اُسے گھر پر نہیں ملی تھی۔ لیکن کال موصول کرنے والی عورت نے اُسے بتا دیا تھا کہ سنگھشنا خود اُسے بے چینی سے ڈھونڈ رہی ہے اور کے ہوٹل بھی گئی تھی۔ اب وہ مقررہ وقت کے لیے اپنے کسی دوست کے گھر گئی ہے نے پیغام لکھوا دیا کہ وہ اب صبح ہی کو اُسے ملے گا کیونکہ آج اُسے اپنے عزیزوں ہاں شادی میں شریک ہونا ہے۔ اُس نے بھی اپنی طرف سے انہی جذبات کا اظہار تھا جو اُسے سنگھشنا کی طرف سے موصول ہوئے تھے۔

اپنے کمرے سے باہر نکلنے کے لیے وہ ابھی پُر تول ہی رہا تھا کہ ٹیلی فون کی گھنٹی لگی۔ خان نے ریسیور اُٹھایا ـــــ دوسری طرف سنگھشنا تھی۔

"اوہ کہاں کھو گئی ہو تم؟" اُس نے بڑی بے تکلفی سے سنگھشنا کو مخاطب کیا اور اُس کے جواب دینے سے پہلے ہی اس سے ڈھیروں شکوے اور گلے کر دیے۔ خود سنگھشنا سے اب اس کے مسلسل غائب رہنے پر غصہ آنے لگا تھا۔ اُلٹا خود کو شرمندہ محسوس کرنے لگی تھی۔

خان نے اُسے بتایا کہ کس بے چینی سے اُس نے سارا دن اُس کے بغیر گزارا۔ دوستی سے اُسے آج شادی کی تقریب میں شرکت کرنی ہے۔ اس لیے اُس کی معذرت۔ سنگھشنا نے اُس سے شادی والے گھر کا ایڈریس دریافت کیا تاکہ وہاں ملاقات ہو سکے تو خان نے بڑے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"بھگوان کے لیے اس کا تصور بھی نہ کرنا۔ اگر تم نے وہاں پہنچنے کی کوشش بھی کی تو ہاں جائیداد سے عاق ہو جاؤں گا۔"

"بزدل کہیں کا" ـــــ سنگھشنا نے ہنس کر کہا۔

سلسلہ منقطع ہونے پر خان نے خدا کا شکر ادا کیا۔

○

ہوٹل سے وہ سیدھا رُما ہی کے پاس چلا آیا تھا ـــــ

گھر کے باقی لوگ بھی آچکے تھے اور اُس کا بڑی بے چینی سے انتظار کر رہے تھے۔ بڑھا سہائے اور اُس کی بیوی تو اس پر مٹے جا رہے تھے شاید سہائے نے انہیں بتا رکھا تھا کہ لڑکا سونے کی کان ہے۔ سب ہی اس کی خدمت پر کمربستہ تھے۔ اُردن کا اس طرح اچانک آمد اُن کے لیے بہت خوشی کا باعث بنی تھی۔ بوڑھے جگن ناتھ نے اُس کا تعارف اپنے بیٹے کی حیثیت سے لوگوں میں کروایا تھا اور وہاں موجود لوگوں کی اکثریت اس "بیٹے" کو حسد اور کچھ رشک کی نگاہوں سے دیکھ رہے

رات گئے تک اس نے شادی کی تقریبات میں شرکت کی۔ ہر جگہ رما اُس کو نمایاں نظر آئی۔ اُس کے چہرے پر نظر ٹھہرتی ہی نہیں تھی۔ رما نے بھی بیسیوں مرتبہ مختلف بہانوں سے اپنا آپ اُسے دکھایا تھا۔ وہ عورت تھی اور قدرت نے اُسے یہ خوبی ودیعت کی تھی کہ مرد کے چہرے کو دیکھ کر اس کے دلی جذبات کا اندازہ لگا سکے۔ وہ محسوس کر سکتی تھی کہ جس طرح دورانِ سفر وہ اردن کمار کے تیرِ نظر کی گھائل ہو گئی تھی، بلکہ اُسی کیفیت میں اب اردن کمار بھی مبتلا ہو گیا تھا۔

رات گئے وہ اُن لوگوں سے رخصت طلب کر کے ہوٹل جانے لگا تو سمائے کی بہن بضد تھی کہ وہ اُن کے ساتھ ہی رہے، لیکن اس دوران تقریباً آدھ گھنٹے تک اردن کمار تنہائی میں جگن ناتھ سمائے کو سمجھاتا رہا تھا کہ اُس نے کس طرح اپنے بکھرے ہوئے پیسے سمیٹے ہیں اور اکٹھے کرنے ہیں تاکہ اُس کے گھر والوں کو اُس کی کسی حرکت پر شک نہ گزرے۔ اسی لیے شاید سمائے نے اشارے سے اپنی بیوی کو منع کر دیا کہ وہ خان کی مرضی میں کوئی دخل نہ دے۔

رما اُسے سڑک تک چھوڑنے آئی تھی۔ رات کے دس بج چکے تھے لیکن ابھی تک شہر میں رات کے آثار نظر نہیں آ رہے تھے۔ زندگی دن کی طرح مکمل بیدار تھی۔ مارکیٹیں کھلی تھیں اور کاروبارِ زندگی اپنے عروج پر تھا۔

"جی تو نہیں چاہتا تھا جانے کو لیکن مجبوری ہے" ــــ اُس نے چلتے چلتے رما سے کہہ ہی دیا۔

"آپ واپس تو آئیں گے ناں ــــ دہلی ــــ میں آپ کا بہت انتظار کروں گی" رما سے بھی نہ رہا گیا۔

"میں دہلی ضرور آؤں گا اور کبھی واپس نہیں جاؤں گا۔" اُس نے ایک لمحے کے قریب رُک کر بڑے ڈرامائی انداز میں رما کی آنکھوں میں جھانکا۔

Scanned and PDF by Qamar Abbas

رما بے قابو ہوئی جا رہی تھی۔

"سچ" ــــ خان نے اپنا ہاتھ اُس کے بڑھے ہوئے ہاتھ کی طرف بڑھا کر مضبوطی سے تھام لیا۔ وقت کی نبضیں تو جیسے تھم گئیں۔ جانے کب تک وہ اسی طرح بے خودی کے عالم میں ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے کھڑے رہتے کہ قریب سے گزرتی ایک موٹر سائیکل والے نے بہت زور سے اُن کے نزدیک پہنچ کر ہارن دے کر دونوں کو چونکا دیا۔

"اچھا نمسکار" ــــ خان نے دونوں ہاتھ باندھ کر اُسے پرنام کیا۔

"نمسکار" ــــ رما کے ہونٹ کپکپائے اُس نے لرزتے ہاتھ اپنے سینے پر ایستادہ کر لیا۔

○

ہوٹل کی سیڑھیوں کی طرف ابھی اُس کا پہلا قدم ہی اٹھا تھا۔ جب ایک نسوانی آواز نے اُس کے قدم تھام لیے۔ کسی نے اُس کا نام لے کر اُسے مخاطب کیا تھا۔ گردن گھما کر اُس کی نظر سُلکھشنا پر پڑی۔

"اوہ ڈیئر ــــ کہاں چلے گئے تھے تم ــــ اتنی دیر" ــــ اُس نے شکایتی لہجے میں اُس کو مخاطب کیا۔

"معاملہ ہی ایسا تھا دیوی جی! ورنہ آپ کی صحبت تو مقدر والوں ہی کو ملتی ہے۔"

"اچھا اچھا بس زیادہ بناؤ نہیں۔ آؤ کمرے میں چلتے ہیں" اُس نے بڑی بے تکلفی سے خان کا بازو پکڑ لیا۔

خان نے بھی کچھ کم بے تکلفی کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔ وہ فی الحال اپنے کسی بھی عمل سے اپنا حال ظاہر کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ سُلکھشنا کی کمر میں ہاتھ ڈالے وہ لفٹ کی طرف چلا تھا۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی سُلکھشنا نے ایسی بے ہودہ حرکت کی جس پر خان حیران رہ گیا لیکن اس نے خود کو سنبھالے رکھا۔ ابھی تک وہ اس لڑکی کو سمجھنے کی

کوشش کر رہا تھا۔ کبھی وہ اُسے کوئی مظلوم اور ٹھکرائی ہوئی لڑکی دکھائی دیتی اور کبھی ضرورت سے زیادہ چالاک ـــــ وہ کوئی ایسی گری پڑی عورت نہیں تھی کہ اُسے خان جیسا اور کوئی اِس شہر میں میسّر ہی نہ تھا۔

پھر ایسی کیا بات ہے؟ اُس نے خود سے سوال کیا اور اس کے ذہن نے فوراً ہی دوسرا رُخ اُسے دکھانا شروع کر دیا۔

"ایکسکیوزمی ڈیئر" ـــــ اُس نے خان کو مخاطب کیا اور اپنا بڑا سا پرس وہیں میز پر پھینک کر باتھ روم میں جا گھسی۔

ایک خیال بجلی کے کوندے کی طرح اچانک ہی اُس کے ذہن میں لپکا ایک لمحہ ضائع کیے بغیر خان نے پرس اٹھا لیا۔ پرس لاک نہیں تھا۔ پہلی ہی جیب کھلنے پر اُس کا اعشاریہ ۲۲ بور کے ننھے سے پستول پر پڑی۔ مزید کچھ دیکھے بغیر اُس نے پرس بند کر کے اِس عمل میں بمشکل ایک منٹ صرف ہوا تھا۔

جس طرح اُس نے پرس کھول کر دوبارہ بند کیا تھا۔ کوئی ہوشیار آدمی بھی اندازہ نہیں لگا سکتا تھا کہ پرس کھول کر دیکھا گیا ہے یا اُس کے رکھنے کی جگہ تبدیل ہوئی ہے۔ وہ پستول دیکھ کر ایک لمحے کے لیے چونکا ضرور تھا لیکن اب بالکل نارمل تھا۔

تھوڑی دیر بعد ہی سُکھشنا باہر نکل آئی۔

"کیا منگواؤں تمہارے لیے؟" ـــــ اُس نے چہکتے ہوئے پوچھا۔

"جو تمہارا دل چاہے۔"

"میں تو بڑی طرح کھانا کھا کر آیا ہوں" ـــــ اُس نے اپنے پیٹ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ "کافی منگوا لیتے ہیں۔"

"جو تمہاری مرضی" ـــــ سُکھشنا اُس کے اور نزدیک آ گئی۔

خان نے کچھ سوچا اور ایک پلان فوراً اُس کے ذہن میں آ گیا۔ بیرے کے کافی دے

Scanned and PDF by Qaiser Abbas

اُس کی ہر بیہودہ حرکت کا جواب اُس سے زیادہ گرمجوشی کے ساتھ دیتا رہا۔ کافی اُس کے لیے سُکھشنا نے ہی تیار کی تھی۔ اُس نے ایک ادائے خاص سے غم کھاتے ہوئے خان کو کافی پیش کی تھی۔ کافی کی چسکیاں لیتا ہوا وہ اچانک ہی اُٹھ کھڑا ہوا۔ اُس کی یہ حرکت سُکھشنا کو گھبرا دینے کے لیے کافی تھی۔

"میرا خیال ہے اب تم نکل ہی جاؤ" ـــــ خان کا وار اتنا بھرپور اور اچانک تھا کہ واقعی سُکھشنا بوکھلا کر رہ گئی۔

"تم میں کبھی نہیں" ـــــ اُس نے اُٹھنا چاہا۔

"میں ہندی بول رہا ہوں مس سُکھشنا یا جو کوئی بھی تم ہو" خان کا لہجہ بڑا سرد تھا۔

سُکھشنا چند سیکنڈ اُسی انداز میں بیٹھی کچھ سوچتی رہی۔ پھر اُٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ اُس کے تاثرات بالکل بدل چکے تھے اور تھوڑی دیر پہلے تک جو فاحشہ پن اور مکاری اُس کی شکل سے جھلک رہی تھی وہ غائب ہو چکی تھی۔ اِس وقت خان کو وہ کوئی بارہ سال کی معصوم لڑکی نظر آ رہی تھی۔

"اِس سلسلے میں کمار آپ کا اندازہ ٹھیک ہے۔ بالکل ایسے ہی جیسے ہمارا اندازہ آپ کے متعلق ٹھیک تھا" ـــــ فقرے کے آخری حصے پر خان کا سارا جسم ہی تو لرز اٹھا تھا۔ "اس سلسلے میں پولیس سے نہیں پہلے تو یہ بات ذہن نشین کر لیجئے۔ البتہ اُن لوگوں سے ضرور ہم اپنی سرگرمیاں جاری رکھتے ہیں۔ کمار صاحب! پہلے روز آپ جب بھنڈارہ پر اترے تھے تو ہمارے گروہ کے ایک آدمی کو آپ پر شک گزرا تھا کہ آپ جیسے کام کے آدمی ہو سکتے ہیں۔"

"کیا کام کرتے ہو تم لوگ" ـــــ خان نے بڑے سرد لہجے میں اُس کی بات کاٹی۔

"بہت سے کام۔ کوئی بھی غلط کام ـــــ مجھے سب کچھ بتانے کا حکم نہیں۔ کیونکہ میری نظروں میں اُن لوگوں کے نزدیک معمولی سی فاحشہ کے سوا اور کچھ نہیں۔"

Scanend and PDF by Qamar Abbas

"دیکھو مجھے بنانے کی کوشش نہ کرو۔ میرا گروہ تم سے بھی طاقتور ہے، جس کا ایک ثبوت تو یہی ہے کہ میں تمہیں جان چکا ہوں۔" خان نے اُس کی آنکھوں میں جھانکا۔

سُلگھشنا نے دورانِ گفتگو اپنے پرس کی طرف سرکنا شروع کر دیا تھا۔ گو کہ اُس نے یہ حرکت بہت ہی نامحسوس انداز میں کی تھی لیکن خان کی متجابی نظروں سے وہ محفوظ نہ رہ سکی۔

"زیادہ چالاکی اچھی نہیں ہوگی تمہارے لیے ——" اُس نے کافی کی پیالی پکڑے ہوئے دوسرے ہاتھ سے اس کا پرس بھی اُٹھا لیا۔ کافی کا ایک لمبا گھونٹ بھر کر اُس نے پیالی میز پر رکھ دی اور خود مڑ کر قریبی صوفے پر بیٹھنا چاہا۔

جیسے ہی وہ صوفے کی طرح گھوما کھڑی ہوئی سُلگھشنا کے جسم میں حرکت پیدا ہوئی اُس نے اپنی دانست میں خان کو بے خبر پا کر اُس پر جست لگائی تھی۔

سُلگھشنا کے پاؤں اور خان کی ٹانگ ایک ساتھ چلے تھے اور ہوا ہی میں وہ دائیں پہلو پر آن گری تھی۔ اُسے اپنا پیٹ کٹتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ خان بغیر کچھ کہے بڑے اطمینان سے اپنی جگہ بیٹھ گیا:

"اگر تمہارے پاس سائیلنسر ہوا اس پستول پر فٹ کرنے کے لیے تو میں تمہیں اپنے جسم پر چھ گولیاں چلانے کی اجازت بھی دے سکتا ہوں لیکن افسوس شور و ہنگامہ مجھے پسند نہیں۔"

خان نے اُس کی طرف دیکھنا بھی گوارہ نہیں کیا تھا۔ اُس کے اچانک بدلے ہوئے روپ نے سُلگھشنا کو بوکھلا کر رکھ دیا تھا۔ اُسے یہ شخص کوئی بہت بڑا اذیت پسند نفسیاتی لگا تھا جو اپنے شکار کو تڑپا تڑپا کر مارنے کا قائل ہو۔ خان نے اُس کا سارا پرس میز پر اُلٹ دیا تھا اور وہ چھوٹا سا سیکیورٹی کارڈ اُٹھا کر دیکھنے لگا تھا جس پر سُلگھشنا کی سرکاری شناخت درج تھی۔

"اوہ لیڈی انسپکٹر سی آئی ڈی ——" اُس کے ہونٹ دائرے کی شکل اختیار کر گئے "میں نے تمہارے ساتھ کوئی دھوکا نہیں کیا۔ نہ ہی تمہارے متعلق ابھی کوئی مثبت رپورٹ

"کیا ہے؟"

"تم نے جھوٹ کیوں بولا تھا ——؟"

"مسٹر کمار! میری ڈیوٹی تھی۔ میرا فرض تھا کہ جب تک تمہارے متعلق مطمئن نہ ہو جاؤں میں اپنی اصلیت سے آگاہ نہ کروں۔ تم دیکھ سکتے ہو میں نے اپنا نام تمہیں صحیح بتایا ہے۔"

"مس سُلگھشنا! میں تمہیں اپنے متعلق بہت کچھ بتا دیتا ہوں۔ میرا نام بھی غلط ہے پہچان بھی۔ میں ابھی سے آیا ہوں یہاں صرف ایک بات کا پتہ لگانے کے لیے کہ حال ہی میں سرحد پار سے ہمارے لیے جو افیم آئی تھی اس کی مخبری کرنے والے کو پولیس نے کہاں چھپا رکھا ہے! اور —— مجھے اب اس بات کا علم ہو چکا ہے! اپنے گرگے افسروں سے کہہ دینا کہ اب ہم اُسے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ تم لوگ اُسے بچا نہیں سکتے۔ افسوس یہ اطلاع ہے کہ اُس وقت ملے گی جب میں یہاں سے جا چکا ہوں گا۔"

"دیکھو کمار! گو تمہارا پیشہ ایسا ہی ہے لیکن مجھ پر اعتبار کرو۔ میں واقعی تم سے بہت متاثر ہوں ——" اُس نے پالنسہ پھینکنا چاہا لیکن خان جان چکا تھا کہ وہ اب بھی ڈبل کراس کر رہی ہے۔

"میں جھوٹ گھڑنے کا رکارڈ ہوں مس سُلگھشنا جانتی ہو آج لاکھوں میں کیوں کھیل رہا ہوں؟"

سُلگھشنا نے اس کی طرف بڑی عجیب لیکن استفہامیہ نظروں سے دیکھا —— "صرف ایک کروڑ کی کبھی پرواہ نہیں کرتا۔"

"تم یہ توقع کرو گے یہ ہوٹل ہمارے آدمیوں سے بھرا پڑا ہے مسٹر کمار! ہم اتنے جاہل نہیں ہیں کہ اپنے افسران کی جان کو خطرے میں ڈال کر بے نیاز ہو کر بیٹھ جائیں۔ جیسے ہی تم اکیلے باہر آؤ گے، مارے جاؤ گے ——" سُلگھشنا نے آخری ہتھیار بھی آزمانے کا فیصلہ کر لیا۔

"تم اور بھی اچھا ہے! تمہارے جیسی خوبصورت لڑکی کا اپنے ہاتھوں گلا گھونٹنے کے

بعد کس کافر کو بھی چاہے گا زندہ رہنے کو؟" اُس نے مسکراتے ہوئے کہا اور واقعی سُلگھٹ سہم کر رہ گئی۔ ایسے نوجوان خوبصورت اور اقلیت پسند مجرم سے اُس کو پالا آج پہلی مرتبہ پڑا تھا۔

اچانک ہی خان کی چھٹی حس نے اُسے احساس دلایا کہ یہ لڑکی وقت ضائع کر رہی ہے۔ اگر اس کی بات سچ ہی تھی تو یہ ممکن تھا کہ اس کے نیچے موجود ساتھی اوپر چلے آئیں وہ اُٹھ کر کھڑا ہو گیا اور سُلگھٹ کے بالکل قریب آ گیا۔

"میرا خیال ہے ہمیں وقت ضائع نہیں کرنا چاہیئے: بزنس اپنی جگہ، لیکن ایسی خوبصورت رات اور تمہارے قرب سے فائدہ نہ اٹھانا بھی تو کفرانِ نعمت ہو گا۔"

اُس نے اپنا لہجہ بولنے کی اتنی شاندار اداکاری کی تھی کہ دل ہی دل میں بے اختیار اُس نے خود کو داد دی۔ اُس کی آواز ہوس کے مارے تماش بین کی سی ہو گئی تھی اور یہی شاید سُلگھٹ کی آرزو بھی تھی۔

"اوہ مسٹر ــــ" اُس نے خود سپردگی کے عالم میں سسکاری بھری۔

خان کے ہاتھ بڑے وحشیانہ انداز سے اُس کی طرف بڑھے تھے۔ سُلگھٹ نے بھی جان کر وہ اسے اپنی آغوش میں لے لے گا لیکن خان کوئی بھی معمولی سی لغزش کا معمولی سا فائدہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ اُس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ کمرہ ساؤنڈ پروف نہیں اور وہ سُلگھٹ کو چیخنے کا موقع دینے کے لیے بھی تیار نہیں تھا۔ اس کے دونوں آگے کو بڑھے ہوئے ہاتھ اُس کے کندھوں پر جم گئے۔ اور دائیں ہاتھ کا انگوٹھا گردن کے نزدیک ایک نروس رگ میں گڑ گیا۔

سُلگھٹ کو یہ احساس ضرور ہو رہا تھا کہ اس کی جان آہستہ آہستہ نکل رہی ہے۔ وہ چیخنا چاہتی تھی لیکن آواز نکالنے پر اُسے قدرت نہیں رہی تھی۔ جانے خان نے اُس کے جسم کی کون سی رگ دبا دی تھی کہ سارا جسم سُن ہو کر رہ گیا تھا۔ وہ اپنے کسی عضو کو حرکت

Scanned and PDF by: Qamar Abbas

کے قابل بھی نہیں رہی تھی۔

ہر سیکنڈ کے اندر ہی اُس کا ذہن تاریکیوں میں ڈوبنے لگا اور ڈوبتا چلا گیا ــــ وہ کٹی ہوئی شمنی کی طرح خان کے بازوؤں میں لہرا رہی تھی۔

ــــ خان نے اُسے بڑے اطمینان سے بیڈ پر لٹا دیا تھا۔ خان کو اندازہ تھا کہ ڈھائی گھنٹے سے پہلے وہ ہوش میں نہیں آ سکے گی اور اُس کے لیے ہنڈہ سے نکل جانے کے لیے یہ وقفہ کافی تھا۔

○

اس کے فوراً ہی بعد وہ کمرے سے باہر نہیں نکلا تھا، گو کہ اس نے کافی لانے والے کو پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ وہ ٹرے برتن لینے آئے۔ پھر بھی احتیاطاً اس نے اپنے کمرے کے دروازے پر باہر کی سمت ہوٹل کی طرف سے فراہم کردہ "ڈونٹ ڈسٹرب پلیز" کا سٹیکر چسپاں کر دیا گیا تھا۔ ٹرے والی چابی ابھی تک محفوظ تھی۔ اب تک اُسے اس بات کا اندازہ ہو چکا تھا کہ یہ "ڈپلی کیٹ" چابی ہے۔ اصل چابی کہیں اور ہو گی۔ شاید اُس کے پاس سے ڈراپ کروایا تھا۔

ایک کاغذ پر مختصر سا پیغام اور خفیہ الفاظ میں تازہ واردات کے متعلق لکھ کر اُس نے کاغذ کو جیب میں رکھا اور بڑے اطمینان سے باہر نکل آیا۔ راہداری سنسان پڑی تھی لیکن کمرے کو تالا لگانا نہیں بھولا تھا۔ اس نے اپنے کپڑے تبدیل کر لیے تھے اور ٹیلی فون کی گھنٹیوں کی بیل لگانے کے بعد کورٹ کے کالر کھڑے کر لینے سے اب اُسے پہچاننا ناممکن نہیں رہا تھا۔

لفٹ کے بجائے اُس نے سیڑھیوں کا راستہ اختیار کیا اور بغیر آواز پیدا کیے سیڑھیاں اترتا چلا آیا۔ ہال میں رش اتنا زیادہ تھا کہ تل دھرنے کو جگہ نہیں تھی۔ لوگ مغربی میوزک کی دھنوں پر اپنے ساتھیوں کے ساتھ محوِ رقص تھے کسی نے اُس کی طرف دیکھنے کی زحمت

ہی گوارہ نہیں کی تھی۔ کاؤنٹر کے نزدیک سے گزرتے ہوئے اُس نے احتیاطاً چلتے چلتے سگریٹ سلگانے کے بہانے اپنا چہرہ دوسری طرف موڑ لیا تھا اور اسی ایکشن میں باہری دروازے تک چلا آیا تھا۔

اسٹیشن یہاں سے بمشکل ایک میل دُور تھا۔ لیکن یہاں تک پہنچنے کے لیے اُس نے تین سواریاں بدلی تھیں۔ آخری مرتبہ جب وہ ایک سائیکل رکشہ میں سوار ایک بازار سے ہو کر جا رہا تھا تو اُس نے اپنا بھاری اوورکوٹ بھی اُتارا ہوا تھا۔ یہ اوورکوٹ وہ جان بوجھ کر ایک جگہ بھول آیا تھا۔

اسٹیشن کے دوسری طرف بنے بازار میں اُس نے سائیکل رکشہ والے کو بھی خاصا گھما دیا۔ اب وہ پیدل مختلف گلیوں کے چکر لگاتا اسٹیشن تک آیا تھا۔ لاکر کے روم تک کوئی ذی ہوش دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اُس نے بڑے اطمینان سے لاکر کھولا اور وہ رقعہ تہہ کر کے اندر رکھ کر دوبارہ تالا لگا دیا۔ جو کرے سے نکلتے ہوئے اُس نے لگا دیا تھا۔

اسٹیشن پر کھڑی دو تین گاڑیوں میں سے ایک کی وسل سنائی دی تو وہ بھاگتا ہوا اُسی ٹرین کی سمت بڑھنے لگا۔ ٹرین نے اب آہستہ آہستہ رینگنا شروع کر دیا تھا لیکن ایک ڈبے میں سوار ہونے میں وہ کامیاب ہو گیا۔ یہ فسٹ کلاس کا ڈبہ تھا اور قریباً خالی۔ کھڑکی کے نزدیک والی ایک سیٹ پر وہ ڈھیر ہو گیا۔ سردی میں اُونگھتی ایک دو سواریوں نے اُس کی طرف دیکھا پھر دوبارہ اونگھنا شروع کر دیا۔

ٹرین کا پہلا سٹاپ قریباً آدھ گھنٹے بعد آیا تھا۔ یہ بڑا ویران سا اسٹیشن تھا۔ اُس نے نام پڑھنے کی کوشش کی لیکن اندھیرے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ ٹرین نے یہاں بمشکل دو تین منٹ سٹاپ کیا تھا پھر وہ آگے کی جانب رینگنے لگی۔ ابھی تک کوئی ٹکٹ چیک کرنے والا نہیں آیا تھا۔ گاڑی یا تو اتنی سردی میں اپنے کمرے سے باہر نکلنے کا خطرہ مول لینے کو تیار نہیں تھا یا شاید کبھی وہ یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ فسٹ کلاس کے ڈبے میں

Scanned and PDF by Qamar Abbas

اتنی رات گئے کوئی مسافر بغیر ٹکٹ کے سفر کر رہا ہے۔

رات گاڑی کی رفتار کے ساتھ ساتھ بڑی آہستگی سے رینگ رہی تھی۔ چاند جو اس کی کھڑکی کے سامنے اب تک مسلسل اُس کا ہم سفر بنا ہوا تھا اب شاید کہیں منہ چھپانے کی فکر میں تھا۔ خان سوچ رہا تھا اس مسلسل اور تھکا دینے والی دوڑ کا خاتمہ آخر کہاں ہو گا۔ اب تک اسے کہیں بھی پاؤں جمانے کا موقعہ نہیں ملا تھا۔ یہ حسنِ اتفاق تھا یا بھارتی انٹیلی جنس کی باخبری کہ اب تک وہ لوگ اس کے پیچھے تھے لیکن یہ اُس کی قسمت ضرور رہی تھی کہ ان لوگوں کے ٹک کرنے سے پہلے ہی وہ اُن کے ہاتھوں سے نکل جاتا تھا۔

لکشمنا کے متعلق تو واقعی وہ حیران رہ گیا تھا کہ وہ بھی سی آئی ڈی انسپکٹر ہو گا۔ اُس کی تربیت کا صدقہ تھا جو اُس نے اس پُراسرار لڑکی کے متعلق اس طرح سوچنا شروع کر دیا تھا۔

اس کا ذہن ٹرین کی رفتار کے ساتھ ساتھ سفر کر رہا تھا۔ جب اچانک ہی کسی نے اس کے کندھے پر بڑے شائستہ انداز میں ہاتھ رکھ کر اُسے مخاطب کیا۔ خان نے گردن گھما کر اُس کے سر پر ٹکٹ کلکٹر کھڑا تھا۔ اس نے بغیر کچھ کہے جیب میں ہاتھ ڈالا اور اس کے ہاتھ نوٹ گن کر اُس کی طرف بڑھا دیے ـــــ ہوڑھا ٹکٹ کلکٹر بڑی حیرت سے اسے دیکھنے لگا:

"میں نے ٹکٹ مانگا تھا شریمان جی ـــــ" اُس نے سمجھا شاید خان نے اُسے غلط نوٹ دے دیے ہیں۔

"ٹکٹ بے مہاراج جی! میں دو تین اسٹیشن بعد اُتر جاؤں گا۔" اُس نے بڑے کھوئے ہوئے اور دھیمے لہجے میں کہا۔

"آپ جائیں گے کہاں؟"

Scanned and PDF by: Qamar Abbas

"کوشش مجھے اپنی منزل کا علم ہوتا ــــ" خان نے لمبی اور ٹھنڈی آہ بھری۔ ٹکٹ کلکٹر خاصا پسیج گیا۔ اُس کا تیر عین نشانے پر لگا تھا۔

"ٹھیک ہے جیسی آپ کی مرضی" ــــ ٹکٹ کلکٹر نے مزید بحث مناسب نہ سمجھی اور آگے بڑھ گیا۔ نوٹ جیب میں ڈالتے ہوئے اُس کے ہاتھ کپکپا رہے تھے۔ اُسے کسی نے آج تک اتنی بڑی رشوت شاید پہلے کبھی پیش ہی نہیں کی تھی۔ جاتے جاتے ایک لمحے کے لیے وہ رُکا پھر واپس مڑ کر اُس تک پہنچا اور بڑی آہستگی سے قریباً چمکتے ہوئے اُس کے کان میں کہا ــــ "میری ڈیوٹی صبح چھ بجے ختم ہو جائے گی"۔

"بے فکر رہو بیٹے اس سے پہلے ہی دفع ہو جاؤں گا" ــــ خان نے آواز دبا کر بڑے پھاڑ کھانے والے لہجے میں جواب دیا۔

ٹکٹ کلکٹر بیچارا سہم کر پیچھے ہٹ گیا اور دوبارہ پلٹ کر اُس نے خان کی طرف دیکھا بھی نہیں تھا۔ سردی رات ڈھلنے کے ساتھ ساتھ بڑھ رہی تھی اور خان سوچ رہا تھا کہ اُسے اوور کوٹ بھولنا نہیں چاہیے تھا۔

ایک دو مرتبہ اُس نے سیٹ سے سر ٹکا کر اونگھنے کی ایکٹنگ بھی کی تھی۔ اُس کے سامنے کئی برتھ خالی پڑے تھے لیکن وہ نیند کا خلوہ مول لینے کے لیے تیار نہ تھا۔

○

صبح کے قریباً چھ بج رہے تھے۔

گاڑی اس دوران راستے میں کتنے مرتبہ کھڑی ہوئی تھی لیکن ڈبے میں صرف ایک موٹا سا ہندو لالہ ہی سوار ہوا تھا۔ یہاں اتنی عزت تھی کہ بہت بڑے بڑے آدمی بھی فرسٹ کلاس میں سفر کرنے کا حوصلہ نہیں کرتے تھے۔ خان کو یاد آگیا۔ ٹکٹ کلکٹر نے بتایا تھا کہ اس کی ڈیوٹی صبح چھ بجے ختم ہو جائے گی۔

گاڑی اس مرتبہ ایک اسٹیشن پر رُکی تو انبالہ کے بڑے بڑے الفاظ اس کی آنکھوں

اشتہار بیچا کرنے لگے۔ اُس کے ہونٹوں پر ایک مسکراہٹ خود بخود سے پھیلتی چلی گئی۔ اپنے آپ سے وہ باہر نکل آیا۔ دو سواریاں اور بھی اُس کے ساتھ اُتری تھیں۔ بیکنڈ اور تھرڈ کلاس کے ڈبوں سے لوگوں کا اژدہام باہر کو لپک رہا تھا۔ وہ بھی تھوڑی دیر بعد اس ہجوم کا ایک حصہ بنا اسٹیشن کی سیڑھیاں عبور کرتا باہر آرہا تھا۔

انبالے میں زندگی بیدار ہونے لگی تھی۔ مندروں اور گوردواروں کے لاؤڈ سپیکر اپنی اپنی دھار پچار رہے تھے۔ اُس نے اپنے ہاتھ میں پکڑے واحد بریف کیس کا جائزہ لیا۔ جیبوں اور جیکٹ کی جیبوں میں موجود نوٹوں کو تھپتھپا کر محسوس کیا اور بجائے سیدھے راستے پر آگے کے ایک ذیلی راستے سے جس طرف اُس نے اکثر سواریوں کو جاتے دیکھا تھا اُدھر آگیا۔

Scanned and PDF by: Qamar Abbas

لہو کی مہک

انبالہ میں داخل ہوتے ہی جیسے اُسے کوئی بھولی ہوئی کہانی اچانک یاد آگئی تھی۔ اُسے یاد آگیا کہ ۱۹۶۵ء کی جنگ میں پاکستانی پیراٹروپرز کمانڈوز نے اِس ہوائی اڈے کی اینٹ سے اینٹ بجادی تھی۔ اُس نے سُنا تھا کہ عین اُن لمحات میں جب انبالہ کے ہوائی اڈے پر بھارتی فضائیہ کے پائیلٹ آپریشن روم سے پاکستان پر تباہی نازل کرنے کے احکامات لے کر باہر نکل رہے تھے۔ اور اپنے طیاروں میں بیٹھ کر کسی بھی لمحے اُڑنے کے لیے تیار تھے ـــــ یہ پیراٹروپرز اُن پر خدا کا قہر بن کر نازل ہوگئے۔

ہوائی اڈے پر مکمل بلیک آؤٹ تھا اور پاکستانی کمانڈوز ان طیاروں پر گھات لگائے بیٹھے تھے ـــــ جیسے ہی یہ پائیلٹ اپنے جہازوں میں سوار ہوئے اچانک اُن پر قیامت ٹوٹ پڑی۔

دشمن کے عزائم چند منٹوں میں اُس کے سامان حرب و ضرب کے ساتھ ہی راکھ کا ڈھیر بن چکے تھے لیکن اس کے ساتھ ہی بھارتی آرمی نے ہوائی اڈے کو گھیرے میں لے لیا تھا ـــــ

ان کمانڈوز میں سے بمشکل دو یا تین زندہ اپنے وطن واپس پہنچ سکے اور باقی سب نے وہیں لڑتے ہوئے جام شہادت نوش کر لیا تھا ـــــ ایک بھی اُن میں سے زندہ دشمن کے ہاتھ نہیں آیا تھا۔

اُسے انبالے کی طرف بڑھتے ہوئے اُن شہیدوں کے لہو کی مہک آرہی تھی ـــ وہ رو رہا تھا آج جب وہ اُس ہوائی اڈے کی تباہی کا سامان کرنے جا رہا ہے اُن شہیدوں کی روحیں کتنی خوش ہوں گی۔

○

اُسے بتایا گیا تھا کہ یہاں انبالہ میں کم طاقت اور کتے وائرہ کار والا موبائل ٹی پی ایس وائی ریڈار ہے جس میں گو کر جی سی آئی (گراؤنڈ کنٹرول انٹرسیپشن) کی سہولت موجود نہیں لیکن وہ کہاں غائب ہوگیا۔

اُسے سب سے پہلے اسی اڈے کا کھوج لگانا تھا۔ جہاں ریڈار نصب کر کے دشمن [illegible] کو پاک فضائیہ کے حملے سے محفوظ کرنا چاہتا تھا ـــــ یہ ریڈار اسٹیشن موبائل [illegible] آئے دن تبدیل کرتے رہنے کی وجہ سے ابھی تک پاکستان انٹیلی جنس کی [illegible] اوجھل تھا۔

سب سے پہلے اس نے ایک درمیانے درجے کے ہوٹل میں ناشتہ کیا پھر ایک سرائے [illegible] سے گزرتے ہوئے اُس نے ایک درمیانے درجے کا ریڈی میڈ کپڑوں کا جوڑا خرید [illegible] دوبدت کے رجسٹر پر کچھ لکھنے سے پہلے اُس نے دس روپے کا ایک نوٹ اُس کی مٹھی [illegible] اُسے صرف اپنا نام بتایا تھا۔

[illegible] شاکر ـــــ؟

[illegible] ہے مہاراج۔ پردیپت نے دس روپے کا نوٹ جیب میں ڈالتے ہوئے کہا۔

[illegible] ـــــ یہ لیں چابی۔

[illegible] نے اپنے سامنے رکھے ایک لکڑی کے بکس میں سے ایک چابی جو رسّی سے بندھی [illegible] والے کر دی۔

[illegible] پردیپت جی مہاراج ـــــ اُس نے شکریہ ادا کیا اور اپنے کمرے میں آگیا۔ کمرے

Scanned and PDF by: Qamar Abbas

کر اندر سے کنڈی لگا کر وہ گھوڑے بیچ کر سویا اور سہ پہر کو ہی اُس کی آنکھ کھلی۔

خان نے جب بریف کیس سے کپڑوں کا جوڑا نکال کر نئے قمیص پاجامے پر کوٹ پہنا تو درمیانے درجے کا ہندو نوجوان نظر آ رہا تھا ـــــ اپنے کمرے کو تالا لگا کر وہ باہر بازار میں آ گیا۔

ابھی تک اُسے کوئی قابلِ عمل طریقہ نہیں سوجھ رہا تھا۔ یونہی ٹہلتا ہوا وہ ایک بس سٹینڈ تک آ گیا۔ روڈ ٹرانسپورٹ کی ایک بس اُس طرف آ رہی تھی اور اچانک ہی اُس کی نظر انڈین ایئر فورس کے ایک کارپورل پر پڑی جو قریباً بھاگتا ہوا اسی بس کی طرف جا رہا تھا۔ فوراً ہی خان نے ایک پلان سوچا۔ اُسی کے سے انداز میں بس کی طرف لپکا جیسے اُس نے بھی اِس بس میں جانا ہو۔

کارپورل اور اُس کا ٹکراؤ بس سے کچھ فاصلے پر بالکل اچانک ہُوا۔ وہ تو منصوبے تحت کارپورل سے ٹکرایا تھا جب کہ مخالف کا ایسا کوئی پروگرام نہیں تھا۔ وہ گڑبڑا کر قلابازی کھا کر اُٹھ کھڑا ہوا۔ کچھ اسی انجام سے خان بھی دوچار ہوا تھا لیکن وہ کارپورل کے بعد تھا۔

"شکر نا مہاراج جی!" اُس نے کارپورل کے کچھ کہنے سے پہلے ہی اُس کے ہاتھ باندھ دیے۔

"کوئی بات نہیں۔ جلدی میں ایسا ہو ہی جاتا ہے۔" کارپورل کوئی شریف آدمی دے رہا تھا۔

اس دوران بس نکل چکی تھی اور دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہوئے ہولے ہولے کی طرح مسکرا رہے تھے۔

"بہت افسوس ہوا آپ کی بس بھی نکل گئی" ـــــ خان نے اظہارِ افسوس کیا۔

"آپ نے بھی تو جانا تھا شاید اسی بس پر۔" کارپورل بولا۔

"جی ہمارا کیا مہاراج! کاروباری آدمی ہیں، دیر سویر بھی ہو جائے تو کچھ بات نہیں۔ آپ فوجی آدمی ہیں، وقت کے پابند۔"

"اں بھئی لیکن اب تو میں چھٹی کر کے گھر جا رہا تھا۔"

"او۔ تب تو آئیے ایک کپ چائے ہو جائے۔ بس تو ذرا دیر سے آئے گی۔" کارپورل کو آفر کرتا رہا پھر مان گیا۔

"دیپے ٹھاکر نام ہے میرا" ـــــ اُس نے چلتے چلتے کہا۔

"اچھے ساہنی کہتے ہیں مجھے" ـــــ کارپورل نے اب اس میں دلچسپی لینی شروع کر دی تھی۔

دونوں ایک درمیانے درجے کے ہوٹل میں بنے کیبن میں آن بیٹھے تھے۔ خان نے ان کے لیے خاصی پُرتکلف چائے کا آرڈر دیا تھا۔

"ہم تو مہاراج یاروں کے یار ہیں۔ بس محبت کے بھوکے ہیں اپنا کوئی آگے پیچھے کھانے والا تو ہے نہیں۔ جو کمایا وہی یاروں پر لٹا دیا۔" خان نے گلاب جامن زبردستی اُس کی پلیٹ میں ڈالتے ہوئے کہا۔ "چار دن میں بھی رہ آیا ہوں فوج میں ـــــ اپنی تو بھائی جان آزادی ہے پابندی سے ـــــ پھر اتنی سی تنخواہ میں بات ہی کیا بنتی ہے۔ اب یہ دیکھ لو چھوٹی سی نوکری ہے میری اور بھگوان کی کرپا سے ہزاروں کی آمدن ہو رہی ہے۔" اتنا کہتے ہوئے اس نے جیب سے موٹے نوٹوں کی ایک گڈی نکالی اور ایک نوٹ اچھے ساہنی کو دکھا کر واپس کر لیا۔ باقی گڈی دوبارہ جیب میں رکھ کر اس نے بیرے کو اپنے پاس بلایا۔

"کون سا سگریٹ منگواؤں آپ کے لیے؟"

"کوئی بھی منگوا لیں" ـــــ کارپورل نے انکساری سے کہا

"او چھوٹے جی اپنا بل بھی کاٹ لینا اور ایک ڈبی گولڈ فلیک کی لیتے آنا" ـــــ اس نے ایک جھٹکے سے سگریٹ کا نام لیا۔

Scanned and PDF by Qamar Abbas

کارپورل کی تو آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ ایسا "یار" واقعی اُسے ساری دنیا سے نہ ملتا۔

"کہاں رہتے ہیں آپ"۔۔۔ اُس نے ہوٹل کے باہر آتے ہی خان سے پوچھا۔

جواب میں خان نے ایک زوردار لیکن کھوکھلا سا قہقہہ لگایا اور بولا۔ "یہ پوچھئے کہاں نہیں رہتا۔ ابھی سارے بھارت میں رہتا ہوں لیکن میرا اپنا کوئی گھر نہیں"۔

بس اسٹاپ پہنچنے تک وہ ابے ساہنی کا دل مٹھی میں لے چکا تھا۔ وہ شاید اتنی زیادہ محنت اس پر نہ کرتا لیکن اس کے بازو پر کندھے کے نزدیک لگے اُس خاص نشان نے جو "ٹریڈ" کی علامت کا رہا تھا۔ خان کے لیے اس میں خاصی کشش پیدا کر دی تھی۔ اُس نے کو یہی بتایا تھا کہ وہ یہاں کاروباری صورتحال کا جائزہ لینے ہی آیا ہے۔

اس دوران اچانک ہی اُس نے بڑے ڈرامائی انداز میں ایک شراب خانے کے رک کر "رم" کی ایک بوتل خریدی اور شراب خانے کے باہر اکرابے کو پکڑا دی۔

"تم دُنیا میں واحد آدمی ہو جس نے میرے دُکھ کو محسوس تو کیا۔ یہ اپنے بھائی سے تحفہ سمجھنا۔۔۔ اگر میرا کوئی بھائی ہوتا تو اُس کا نام بھی یقیناً ابے ہی ہوتا۔ میرا نام جو ہے"۔

کارپورل ابے ساہنی بے اختیار اس سے لپٹ گیا۔ "مجھے اپنا بھائی ہی سمجھو۔ چلو میرے ساتھ گاؤں۔ لعنت بھیجو سرائے پر۔ وہیں چل کر رہتے ہیں۔ صبح میں نے واپس آنا ہے میرے ساتھ ہی آجانا"۔

خان پہلے تو ٹال مٹول کرتا رہا۔ مالا خر اسے اپنے بازو لے اور "بھائی" ابے ساہنی کی ہاں میں ہاں ملاتا رہا۔ اور تھوڑی دیر بعد وہ واقعی سرائے پر لعنت بھیج کر اُس کے ساتھ بس میں بیٹھا گاؤں جا رہا تھا۔

بس میں سوار ہونے سے پہلے اُس نے تازہ پھلوں کے دو ٹوکرے بھر لیے تھے

اب اُن پر مٹی جا رہا تھا۔ رم کی خوشبو ہی اُسے باگل کر دینے کے لیے کیا کم تھی۔

○

شہر سے بیس میل دُور اُس کا گھر تھا۔۔۔ ابے ساہنی نے اپنے ماتا پتا اور پتنی سے فخر سے اپنے نئے بھائی کا پرچیے (تعارف) کروایا تھا۔ وہ لوگ اُس کے ہاتھوں میں پکڑے پھلوں کے ٹوکرے دیکھ کر بڑے متاثر ہوئے۔

رات کو ابے ٹھاکر نے تو کھانا کھا لیا لیکن ابے ساہنی نے نہ کھایا۔ وہ تو ٹھاکر کو بھی اس کنایے سے منع کرتا رہا لیکن ٹھاکر کو زندگی میں بہت دیر بعد اس طرح گھر میں اُن کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھانے کا موقع ملا تھا۔ اور وہ اس "سنہری موقعے" کو ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔

شام ڈھلتے ہی دونوں مکان کی دوسری منزل پر بنے کمرے میں چلے گئے۔

"بڑا مت مانا بھیا جی! میں تو سمجھ گیا تھا لیکن مجبوری ہے۔ میں ابھی کم از کم چھ ماہ شراب پینا تو کیا سونگھ بھی نہیں سکتا"۔

"کیوں"۔۔۔ ابے نے اظہارِ افسوس کیا۔

جواب میں اپنی جس بیماری کا نام وہ ٹھاکر نے لیا تھا۔ اُس کی ذرا سی سمجھ بھی ابے ساہنی کو نہ آئی لیکن اُس پر بیماری کا رعب ضرور پڑ گیا تھا۔ شراب کا پیگ اس کے لیے ٹھاکر نے ہی تیار کیا اور پھر تیار کرتا چلا گیا۔

"بھائی صاحب فوج میں گزارے تو چار دن ہیں لیکن وہ زندگی یاد بہت آتی ہے۔ ایک شاندار زندگی تھی۔۔۔ بائی دی وے آپ وہاں کام کیا کرتے ہیں"۔۔۔ اُس نے کارپورل کو نشے میں آتے دیکھ کر اپنا کام شروع کر دیا۔

کارپورل ابے ساہنی جس کا پہلا پیگ ختم ہونے سے پہلے دوسرا اُس کے لیے اس کا "بھائی" تیار کر کے رکھ دیتا تھا نشے میں آکر شروع ہوا اور اُس نے اپنا سارا کچا

Scanned and PDF by: Qamar Abbas

چھٹا اُس کے سامنے کھول کر رکھ دیا۔

درمیان میں کئی باتیں "قند مکرر" کے طور پر بھی وہ بے شمار کر اُس سے پوچھتا جاتا تھا اور آدھ گھنٹے بعد ہی وہ اُس سے ریڈار کے متعلق بہت سی باتیں اگلوا چکا تھا لیکن بڑے ناموں طریقے سے ـــــ بالکل یوں جیسے اُس نے اجے ساہنی کی بات سن کر بھی اُس پر احسان کا ہو۔ اس سے پہلے کہ اجے "آوٹ" ہو جائے اُس نے باقی بوتل وہاں سے ہٹالی اور رسوئی سے خود جا کر اُس کے لیے کھانے کی "تھالی" تیار کر کے لے آیا۔

اجے تو کھانا کھاتے ہی بے سدھ ہو کر سو رہا لیکن خان رات کافی دیر گئے تک جاگتا رہا۔ اُس نے اس درمیان اپنے ذہن میں اجے کی طرف سے حاصل کردہ تمام معلومات منتقل کر لی تھیں ـــــ اُسے اُن مقامات کے چپے چپے کا علم ہو چکا تھا جہاں یہ موبائل ریڈار موجود رہتا تھا۔

اور ـــــ اب دوسرا مرحلہ شروع ہونے والا تھا ـــــ اپنی آنکھوں سے اُس موبائل سٹیشن کو دیکھ کر اُس کی جزئیات حفظ کرنا اور پھر اُنہیں صفحۂ قرطاس پر منتقل کرنے وہاں تک پہنچنا جہاں اُن کی ضرورت بہت شدید تھی۔

صبح اُٹھ کر سب نے اکٹھے ناشتہ کیا۔ اجے ساہنی کا سر خاصا بوجھل تھا۔ رات کے نشے کا بڑا اثر دکھایا تھا۔ نہانے کے بعد وہ قدرے نارمل ہوا۔ صبح اُٹھ کر کافی دیر گئے تک وہ ٹھاکر کی محبت کو "سلام عقیدت" پیش کرتا رہا۔ وجے نے اُسے بتایا تھا کہ خوبی اُسے بہت اچھے لگتے ہیں۔ اُس نے اس خواہش کا اظہار بھی کیا تھا کہ اجے ساہنی اُسے جگی ہوائی جہاز دکھائے اور اجے نے رات شراب کے نشے میں کوئی دس مرتبہ قسم کھائی تھی کہ وہ اپنے نئے بھائی کو ہر صورت سب کچھ دکھائے گا۔

آج اس نے شام کو ڈیوٹی جائن کرنی تھی۔ یہ تو خان کو علم ہو ہی گیا تھا کہ اس کی

ڈیوٹی اسی ریڈار پر ہے جس کی خان کو تلاش تھی۔ ناشتے کے بعد کافی دیر تک وہ واپس

دوپہر کا کھانا انبالے میں کھائیں گے بھائی جی" ـــــ اُس نے اجے ساہنی کو

فرمائش کی۔

"کیوں نہیں، کیوں نہیں" ـــــ اجے ساہنی تو جیسے اس دعوت ہی کا منتظر تھا۔

دونوں سورج چڑھنے کے تھوڑی دیر بعد ہی شہر کی طرف چل دیے۔ روانگی سے خان اجے ساہنی کی بیوی اور اپنی "بھابی" کو سو روپے کا نوٹ دینا نہیں بھولا تھا۔ اس نے اس بات پر بڑی شرمندگی کا اظہار کیا تھا کہ وہ اُن لوگوں کے لیے شہر سے کچھ نہیں لا سکا۔

انبالہ پہنچتے ہی اجے ساہنی اُسے لے کر ایک گھٹیا سے سینما ہال میں داخل ہو گیا۔ ٹکٹ بھی اجے نے خود ہی خریدے تھے۔ باہر کسی انگریزی فلم کا بورڈ لٹک رہا تھا۔ خان کے لیے یہ اطلاع نئی تھی کہ یہاں ہر روز سینماؤں میں چار سے پانچ شو روزانہ فلم کے چلایا کرتے تھے۔

فلم کا آغاز بڑے ہنگامے سے ہوا! خان یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ سینما ہال میں بیٹھے ہوئے درجے کے تماشائی بھی اس کے احترام میں فوراً کھڑے ہو گئے تھے۔ اس سے پہلے بھی اس نے دیکھا تھا کہ ان لوگوں میں "بھارتی" ہونے کا احساس بہر حال موجود ہے۔

ترانہ ختم ہوتے ہی ایک مختصر فلم پروپیگنڈہ پر چلنی شروع ہو گئی اور خان کو جلد ہی سمجھ آ گئی کہ اجے اُسے یہاں کیوں لایا تھا؟ بے چارہ کارپورل جسے اپنی معمولی تنخواہ پر اتنا ہاتھ کنجوسی پڑتا تھا، زندگی کی تمام سہولتوں سے محروم تھا۔ اپنی فرسٹریشن کو دبانے کے لیے سوائے اس گھٹیا تفریح کے شاید اور کچھ اُس کے پاس نہیں تھا۔

دوپہر کا کھانا اس نے اجے ساہنی کو ایک شاندار ہوٹل میں کھلایا۔ یہاں اُس نے

Scanned and PDF by Gamar Abbas

بطور خاص اس بات کا خیال رکھا تھا کہ اجے شراب بالکل نہ مانگے۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ ڈیوٹی پر بھی وہ نشے کی حالت میں جائے! اگر کبھی اجے نے دبی دبی زبان سے ایک دو مرتبہ اپنی خواہش کا اظہار کیا تھا لیکن خان نے اس کی بات ہنسی میں اڑا دی۔

اجے شاید خلیں دیکھنے کا زیادہ ہی شوقین تھا یا پھر پچھلے بے عزتے کی کسر آج ہی نکالنے پر تلا ہوا تھا۔ کیونکہ اس نے کھانے کے فوراً بعد دوسری فلم دیکھنے کی خواہش ظاہر کر دی۔ خان بھی یہی چاہتا تھا کہ اس کی ڈیوٹی جو شام سات بجے کے بعد شروع ہونے والی تھی تب تک اسے کسی نہ کسی کام میں مصروف رکھے۔

اس دفعہ پھر اس نے فلم کا انتخاب خود ہی کیا تھا۔ یہ فلم نئی تھی اور خان کے لیے چونکا دینے والی بھی!

فلم شمالی کی جنگ کے حوالے سے بنائی گئی تھی اور پاکستان کے خلاف خوب خوب اگلا گیا تھا۔ خان نے دیکھا فلم کے دوران کئی مرتبہ سینما ہال میں بیٹھے تماشائیوں نے تب ہندو اور کرشن پاکستان کے نعرے لگائے۔

یہ سرد جنگ کا دور تھا:

بھارت نے مشرقی پاکستان میں علیحدگی کے فتنے کی بنیاد تو تقسیم ملک کے فوراً بعد ہی رکھ دی تھی لیکن اب صورتحال ایسی ہو چکی تھی کہ ہندو سرکار کھل کر اس فتنے کی پشت پناہی کر رہی تھی! بین الاقوامی فورم میں بھارت ننگا ہو کر بھی خود کو زہریلے پروپیگنڈے کے ہاتھوں بے گناہ اور معصوم ثابت کرنے پر تلا ہوا تھا۔ سارا بھارت ایک جنگی جنون میں مبتلا تھا۔ ہر طرف پاکستان کے خلاف نفرت پائی جاتی تھی۔

فلم دیکھ کر جب وہ باہر نکلا تو اس کا دل خاصا بوجھل ہو رہا تھا۔ اس نے دو تین روز ہی میں اس قوم میں ہزار برائیوں کے باوجود جو ایک چیز دیکھی تھی اور جسے وہ ان کی "مشرکی عادت" کہہ سکتا تھا وہ تھی "پاکستان دشمنی"۔

وہ ہندو جو اُن پڑھ تھا۔ وہ جو پڑھا لکھا تھا اور وہ جو ابھی پڑھ رہا تھا یہ سب اس بات پر تلے ہوئے تھے کہ پاکستان کو تباہ کر دیں! اُن کے سینما ہال، ریستورانوں، گھروں اور دفتروں کے باہر بڑے بڑے حروف میں "کرش پاکستان"! "کرش پاکستان!" لکھا ہوا تھا۔

اس کے برعکس اُس کے اپنے ملک میں اقتدار کی سیاست کا کیا گھناؤنا کھیل کھیلا جا رہا ہے!۔ وہ اس سے آگے کچھ نہ سوچ سکا۔

○

سینما ہال سے نکل کر وہ دونوں اجے کے دفتر کی طرف روانہ ہو گئے۔

اجے نے اُسے کہا تھا کہ وہاں کسی بھی رشتہ دار کو ملنے کی اجازت نہیں پھر بھی وہ اپنے باس کو اپنے کسی افسر کی منت سماجت کر کے سب کچھ دیکھ لے گا لیکن اس کو "بھیا" اپنے پیارے بھائی اجے کو کسی مصیبت میں ڈالنا نہیں چاہتا تھا۔

"یار سچتے کیوں نہیں۔ اس میں بھی دلیش کی کوئی بھلائی ہو گی جو اُدھر کسی کو جانے کی اجازت نہیں۔ بس تم کل مجھے ہوائی اڈہ ہی دکھا دینا۔ مجھے کیا پتہ یہ ریڈار کمبخت کیا بلا ہے"

"اچھا جیسے تمہاری مرضی" ــــــ اجے سامنے بولا۔

دونوں ایک بس میں بیٹھ کر اباٹے سے کچھ فاصلے پر واقع ایک گاؤں کے نزدیک اُتر گئے۔ بادلوں کی وجہ سے اندھیرا گو کہ پھیل چکا تھا لیکن خان کو گاؤں سے کچھ فاصلے پر بنے ایک اونچے ٹیلے پر ریڈار کا ایک "انٹینا" گولائی میں حرکت کرتا نظر آ ہی گیا تھا۔ اجے تو اُسے اندر تک لے جانے پر مُصر تھا لیکن اس نے اپنی جان چھڑا لی۔

"تم جاؤ میں واپس جاتا ہوں۔ کل سرائے میں مل لینا۔ اگر مجھے کوئی اچھا آرڈر مل گیا تو اگلی کرسمس کے روز تمہارے گھر ہی ملاقات کو آؤں گا۔"

سے پیدل ہی چل دیا تھا۔ جبکہ وجے ٹھاکر نے واپسی کا اپنا علیحدہ راستہ ناپا۔ دونوں ایک دوسرے کو مسکرا مسکرا کر دیکھتے اور مسکراتے رہے پھر ایک دوسرے کی نظروں سے اوجھل ہو گئے۔

لیکن نہیں — اجے کی نظروں سے وجے مسلسل اوجھل ہو گیا تھا۔ وجے نے اجے پر نظر رکھی تھی۔ اُسے دُور جاتے دیکھ کر خان پیشاب کے بہانے سڑک سے کچھ فاصلے پر درختوں کے سلسلے میں گھس گیا۔ پھر اُس نے بڑی تیزی سے سڑک عبور کی اور اب وہ اُسی راستے پر دبے قدموں اجے ساہنی کا تعاقب کرتا جا رہا تھا۔ جس راستے پر اجے گیا تھا اُس کی تمام خوابیدہ طاقتیں جیسے ایک ایک کر کے جاگ اُٹھی تھیں۔ یہاں سے اُسے بس ساہنی کا صرف ایک۔ ہیولا سا نظر آ رہا تھا جس کا تعاقب وہ چیتے کی طرح دبے پاؤں کر رہا تھا۔ اب اُسے خاردار تار بھی نظر آنے شروع ہو گئے تھے۔

اجے تو ان راستوں سے آشنا تھا اسی لیے وہ بڑے اطمینان سے چلتا چلا جا رہا تھا جبکہ خان کے لیے فی الوقت یہ راہیں اجنبی تھیں۔ وہ بڑے محتاط انداز میں پھونک پھونک کر قدم رکھ رہا تھا۔

کھیتوں کا سلسلہ اب ختم ہو گیا تھا، جھاڑیاں اور سرکنڈے شروع ہو گئے تھے جو اس بات کا واضح اعلان کر رہے تھے، کہ یہاں سے ایئر فورس کا علاقہ شروع ہو چکا ہے۔

اب دونوں ایسے چوراہے پر پہنچ چکے تھے جہاں سے مختلف اطراف میں راستے پھوٹ رہے تھے۔ اجے اچانک ہی سے ایک راستے پر مڑ گیا! سامنے سے کچھ لوگ اونچی آوازیں بلند کرتے اِدھر آ رہے تھے۔ ابھی اندھیرا اتنا زیادہ نہیں پھیلا تھا کہ وہ خود کو محفوظ تصور کر لیتا خان۔ وہیں سرکنڈوں کی آغوش میں دُبک کر بیٹھ گیا۔

سامنے سے آنے والے شاید اجے سے گھبرا گئے تھے اونچی آوازوں میں ایک دوسرے کی خیریت دریافت کر رہے تھے۔ دو تین منٹ تک وہ باتیں کرتے رہے۔ خان کو اندازہ

Scanned and PDF By: Qamar Abbas

ہو چلا تھا کہ یہ لوگ چھٹی کر کے جانے والی شفٹ کے ہیں۔ سات بجنے والے تھے اور اجے ساہنی کو چارج لینا تھا اس لیے وہ جلدی سے آگے بڑھ گیا۔

خان اُسی جگہ دُبکا رہا۔ کیونکہ بہت سے لوگ اِس راستے پر اب آنے جانے لگے تھے۔ قریباً آدھ گھنٹے بعد سکون ہوا۔ پھر بھی وہ احتیاطاً وہیں بیٹھا رہا۔ کچھ عرصہ اور گن لینے کے بعد اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

دُور دُور تک فضا میں سوائے اندھیرے کے اور کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا! اِن لوگوں نے اِس ریڈار سٹیشن کو اتنی خوبصورتی سے کیمو فلاج کیا ہوا تھا کہ ابھی تک یہاں ریڈار سٹیشن کے کوئی اثرات دکھائی نہیں دے رہے تھے۔

وہ بڑی احتیاط سے قدم دھرتا اندازے سے ایک طرف چلا جا رہا تھا۔ جب اچانک ہی اُس کا پاؤں تاروں کے ایک گچھے میں اُلجھ گیا۔ ایک لمحے کے لیے تو خان کا سارا وجود ہی ساکت ہو کر رہ گیا۔ تاروں کے یہ گچھے احتیاطاً راستے میں پھینکے گئے تھے۔ یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ ان تاروں پر برقی رو ابھی نہیں دوڑائی گئی تھی ورنہ شاید اُسے اگلا سانس لینا بھی نصیب نہ ہوتا۔

ابھی تو اُس کی پتلون کا پائنچہ ہی پھٹا تھا، اگر اس نے چمڑے کے بوٹ نہ پہنے ہوتے تو شاید اب تک اُس کا پاؤں بھی کٹ چکا ہوتا — کچھ خراشیں اُس کے پاؤں پر ضرور آئیں۔

اپنا پاؤں خاردار گچھے سے نکال کر کچھ دیر تک تو وہ چپکا بیٹھا رہا پھر اٹھ کر قدم آگے بڑھایا۔ اس دوران راستے میں دو تین مرتبہ تاروں کے اور گچھے بھی آئے لیکن اب وہ سنبھل چکا تھا! جلد ہی اس بڑی بڑی جنگلی گھاس کے درمیان اُسے لکڑی کے پول بھی نظر آنے شروع ہو گئے تھے جن پر خاردار تاریں لگی ہوئی تھیں — یہ اس بات کا ثبوت تھا کہ وہ "آپریشنل ایریا" میں پہنچ چکا ہے۔

Scanend and PDF by Qamar Abbas

خاردار تاروں کے ساتھ ساتھ وہ گھومتا جا رہا تھا۔ ایک جگہ اُسے خلا نظر آ ہی گیا۔ اپنے جسم کو تولتا ہوا خان دوسرے ہی لمحے اندر پہنچ چکا تھا۔ وہ اب گھنی اور اونچی گھاس میں سفر کر رہا تھا۔

گھاس میں اونچے اونچے درخت لگے ہوئے تھے۔ ان درختوں کے نزدیک پہنچ کر وہ اور زیادہ محتاط ہو گیا! ایک ایسے ہی درخت کے قریب سے جیسے ہی وہ آگے نکلا۔ اچانک ہی زمین نے اُس کے قدم تھام لیے: درختوں کی اوٹ سے اژدھا کی طرح پھن پھیلائے ایجے ساہنی نمودار ہوا تھا۔

○

اندھیرا گو کہ خاصا جھیل چکا لیکن اتنا بھی نہیں کہ خان کو اس کے ہاتھ میں پکڑا ہوا ریوالور دکھائی نہ دیتا ـــــ اُس کے ہاتھ مشینی انداز میں اُوپر اُٹھتے چلے گئے ایجے کو "ہینڈز اپ" کہنے کا تکلف بھی نہیں کرنا پڑا تھا۔

"چپ چاپ جدھر سے آئے ہو اُدھر ہی واپس چلتے رہو" ایجے پھنکارا۔

ایک مسکراہٹ نہ چاہنے کے باوجود خان کے ہونٹوں پر پھیل گئی۔

ـــــ یہ امر اس کے لیے باعثِ حیرت بھی تھا اور کسی حد تک باعثِ تسکین بھی کہ ایجے نے اپنی آواز بالکل نہیں بدلی تھی ـــــ شاید وہ اس بات سے خوفزدہ تھا کہ دوسرا کوئی اُن کی موجودگی وہاں محسوس نہ کر لے؟ خان قدرے پُرسکون ہو کر گھوما اور اس طرف چلنے لگا جس سمت سے وہ وہاں پہنچا تھا۔

ایجے نے اُس کے اور اپنے درمیان کم از کم پانچ سات قدم کا فاصلہ رکھا تھا۔ خان اگر چاہتا تو اس فاصلے سے بآسانی فائدہ اٹھا کر اُسے ڈھیر کر سکتا تھا لیکن وہ ابھی اس کھیل کو ختم نہیں کرنا چاہتا تھا۔ مسلسل بھاگ دوڑ نے اُس پر قدرے جھنجھلاہٹ بھی طاری کر دی تھی۔

وہ دونوں بلی کی طرح دبے قدموں انتہائی احتیاط سے بغیر آواز پیدا کیے ایک دوسرے کی سمت میں اب کھیتوں کے وسیع سلسلے تک پہنچ گئے تھے۔ یہ جگہ مذاکرات کے لیے محفوظ سمجھ کر خان نے چلتے چلتے ہاتھ گرا دیے۔

"ہاتھ اٹھائے رکھو ـــــ ابے ساہنی نے دھمکی دی۔

"دیکھو بھیا! اول تو مسلسل اُٹھائے رکھنے سے میرے بازو ہی تھک گئے ہیں اور دوسری بات یہ کہ تمہارا ریوالور یا تو خالی ہے یا اگر لوڈ بھی ہے تو تم گولی نہیں چلاؤ گے" خان کا لہجہ خاصا پُرعزم تھا اور اب وہ باقاعدہ اُس کی طرف منہ کیے کھڑا تھا۔

"کسی غلط فہمی میں نہ رہنا" کارپورل ابے ساہنی نے خود کو سنبھالنا چاہا لیکن وہ ابھی تک اپنے لہجے پر قابو نہ پا سکا تھا۔

"میں کبھی کسی غلط فہمی یا خوش فہمی کا شکار نہیں ہوا کارپورل ابے ساہنی! میری حیثیت اس کھیل میں ریسنگ والے کیڑے جیسی تھی اور آج لاکھوں میں کھیل رہا ہوں تو اس کی وجہ صرف میرے اندازے کی درستگی ہی ہے۔ پھر تم یہ کیوں بھول گئے کہ اگر یہ کوئی جرم ہے تو میرے ساتھ تم بھی اس میں برابر کے شریک ہو"

یہ تیکھے کہ لگتے ہوئے کارپورل واقعی بوکھلا گیا تھا۔

"ابے! تو تُف یہ بات مت بھولو کہ میں نے تمہارے ساتھ مسلسل چوبیس گھنٹے گزارے ہیں اور تمہارا کوئی اثر اس بات پر یقین نہیں کرے گا کہ تم اس دوران غلط فہمی تک مبتلا ہے ہو۔ اور تم کوئی شریف ناگرک (شہری) سمجھتے رہے ـــــ تم میرے ساتھ اس جرم میں برابر کے شریک گردانے جاؤ گے ـــــ ابے کے چہرے پر باقاعدہ ہوائیاں اُڑنے لگی تھیں "اور شاید تمہارا کام ہی مارے جاؤ"

"دیکھو مجھے ٹیک میل مت کرو۔ میں تمہیں....."

"ہاں! ہاں تم مجھے گرفتار کروا کے انعام حاصل کر لو گے۔ مسٹر ابے ساہنی میں نے کچھ

Scanned and PDF by: Qamar Abbas

گڑبڑیاں نہیں کھیلیں۔ بیوقوف مت بنو۔ مطلب کی بات کرو۔ اپنا حصہ لو اور اس کھیل سے نکل جاؤ۔" خان اُسے سوچنے کا موقع دینے کے لیے بھی تیار نہیں تھا۔

"دیکھو دجے بھیا! میں بھی تمہیں اسی لیے یہاں لایا ہوں۔ مجھے تم پر پہلے ہی روز شک ہو گیا تھا۔ میں نے پورے دو سال "آرمورڈ ڈیوٹی" (انٹیلی جنس) کی ہے۔ آج میری چھٹی تھی اور میں جان بوجھ کر تمہیں یہاں لایا ہوں۔"

"بس زیادہ چالاک نہ بنو۔" خان کے لہجے میں نہ جانے ایسا کیا زہر چھپا تھا کہ باوجود ریوالور ہونے کے باوجود اجے کی ریڑھ کی ہڈی میں ایک سنسناہٹ سی دوڑ گئی۔ "بے وقوف اپنے کام سے غرض ہے! تم نے تو یہ چاہا تھا کہ مجھے بیوقوف بنا کر مجھ سے جان چھڑا لو گے۔ کام کر کے رقم بٹور لو گے۔ رقم تمہیں ضرور ملے گی مسٹر اجے۔ تمہاری توقع سے کہیں زیادہ۔ لیکن یوں نہیں۔" خان نے دوبارہ اُسے ڈانٹ دیا۔ وہ اجے کے ذہن پر حاوی ہوتا جا رہا تھا اور اُسے کچھ سوچنے کا موقع دینے کے لیے بھی تیار نہیں تھا۔

"کیسے ملے گی؟" اجے نے تھوک نگلتے ہوئے پوچھا۔

"کام کرنا ہوگا۔ تمہارے لیے یہ معمولی کام ہے اور کام بھی آج اور ابھی کرنا ہوگا۔ کیونکہ میرے پاس آج کے بعد شاید اس کام کے لیے وقت نہ ہو۔"

"وہ کیا کام ہے؟" اجے نے بمشکل ہی دریافت کیا۔

"مجھے آج رات ہی اس میٹرو کا بلیو سکیچ چاہیئے۔ تم جانتے ہو اس وقت "ایڈمن" کے دفاتر بند ہیں۔ جاؤ اور کوئی ایک سکیچ لے آؤ۔ اسی میں تمہارا بھلا ہے۔" خان اب پوری طرح اجے کا باقاعدہ حاکم بن بیٹھا تھا۔

"لیکن ابھی کیسے ممکن ہے۔ آج میری چھٹی ہے۔ میں کل....."

"مسٹر اجے۔ کل نام کال کا۔ تم بچے نہیں ہو۔ کوئی بھی بہانہ کر سکتے ہو۔"

"دیکھو پرماتما کے لیے کل تک کا وقت دے دو۔ میرے لیے ابھی یہ ناممکن ہے!"

اجے کا سانس ہونٹوں پر آ گیا تھا۔

"ایک شرط پر کل تک کا وقت دے سکتا ہوں۔" خان نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"مجھے تمہاری ہر شرط منظور ہے۔"

"کل تک تمہاری "سروس بک" میرے پاس رہے گی۔"

خان کے اس فقرے نے کار پورل اجے ساہنی کو لرزا کر ہی تو رکھ دیا تھا۔ وہ چند لمحے کے لیے سوچ میں پڑ گیا۔

"بلیو سکیچ" کا حصول اُس کے لیے بالکل آسان تھا اور کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہوتی۔ مگر وہ بیسیوں کے لیے بھی باؤلا ہوا جا رہا تھا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ خان بُری طرح اُس کے اعصاب پر سوار ہو چکا تھا۔ وہ جانتا تھا "سروس بک" کو ایک منٹ کے لیے بھی خود سے الگ کرنا کتنا سنگین جُرم ہے لیکن روزانہ کون چیک کرتا ہے، اُس نے سوچا۔ "آٹھ گھنٹے ہی کی تو بات ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" اُس نے ہامی بھر لی۔

خان نے اپنا ہاتھ دوستی اور ڈیل کے لیے اُس کی طرف بڑھا دیا۔ اجے کے ہاتھ کی کپکپاہٹ وہ اچھی طرح محسوس کر سکتا تھا۔ اُس نے ریوالور اب اپنی جیب میں واپس رکھ لیا تھا اور بیگ پاکٹ سے سروس بک نکال رہا تھا۔ کپکپاتے ہاتھوں سے اُس نے سروس بک خان کی طرف بڑھا دی۔ خان نے ایک سرسری سی نظر اُس پر ڈالی۔

"ہم یہاں سے الگ ہو جائیں گے۔ تمہاری ڈیوٹی پانچ بجے آف ہوتی ہے۔ میں چھ بجے ساڑھے چھ بجے کے درمیان تمہیں اُسی بس سٹاپ پر ملوں گا جہاں ہم پہلی مرتبہ ملے تھے۔"

اجے ساہنی نے کچھ کہنے کے لیے مُنہ کھولا ہی تھا کہ خان "شب بخیر" کہہ کر آگے بڑھ گیا۔ اجے اسے بس سے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ اُس نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ زخمی چڑیا کی طرح وہ خود ہی اپنے پھیلائے ہوئے جال میں پھنس جائے گا۔

ایک لمحے کا توقف کیے بغیر وہ اپنی جگہ سے آگے بڑھ گیا اور اجے ساہنی اُسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ اندھیرے میں چند قدم دور تک تو اس کا ہیولا نظر آتا رہا پھر وہ تاریکی کا حصہ بن کر کارپورل کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

یہ اُس کی خود اعتمادی کا کمال تھا جس نے کارپورل اجے ساہنی کے سارے کھیل کا پانسہ پلٹ کر رکھ دیا تھا اور وہ اُس کے جال میں پھنس گیا تھا اگر خان کا واسطہ کسی معمولی آدمی سے پڑا ہوتا تو معاملہ اُلٹ بھی ہو سکتا تھا۔

"سروس بک" اپنے ہاتھ میں لینے کے بعد اگرچہ خان مطمئن ہو چکا تھا لیکن اعتماد کا دامن ہاتھ سے چھوڑنا تو جیسے اُس نے سیکھا ہی نہیں تھا۔ اُسے اپنی تربیت کا ایک ایک سبق ازبر تھا۔ اُسے بتایا گیا تھا کہ کڑے سے کڑے وقت میں کبھی کبھی بہت خطرناک ثابت ہو سکتی ہے! اجے ساہنی کی بیٹیں اُس کے ہاتھ میں تھیں لیکن اُس نے اپنی گرفت حالات پر ڈھیلی نہ ہونے دی۔

کھیتوں کے بیچوں بیچ پلتا وہ اب سڑک کے کنارے پہنچ چکا تھا۔ اُس نے پہلے کسی بلی کی طرح سڑک کا جائزہ لینے کے بعد اسے عبور کر لیا اور پھر کھیتوں کے سلسلے میں چلنے لگا ——

راستے میں تین چار دیہات بھی آئے لیکن خان انہیں نظر انداز کر کے آگے نکل گیا۔ اُس نے دورانِ تربیت اتنی مشق کی تھی کہ اس طرح مسلسل پندرہ بیس گھنٹے بھی اگر وہ چلتا رہتا تو اُسے کوئی فرق نہ پڑتا۔

بالآخر آدھی رات کے بعد وہ تھوڑی دیر ستانے کے لیے ایک ٹھکانہ ڈھونڈنے میں کامیاب ہو ہی گیا۔ یہ کسی کھیت کے درمیان بنی وہ جھونپڑی تھی جو کسان عموماً دن کی دھوپ سے بچنے یا کچھ دیر آرام کرنے کے لیے بنا لیا کرتے ہیں۔ جھونپڑی کا اُس نے محتاط اندازے سے جائزہ لیا اور اس یقین کے بعد کہ آس پاس کوئی نہیں ہے وہ اندر

Scanned and PDF By Qamar Abbas

فرش پر کر سیدھی کمر کے لیٹ گیا۔ اُس کے بازو سے بندھی گھڑی کی سوئیاں رات کے گزرنے کا اعلان کر رہی تھیں۔

"صبح چار بجے تک" —— اُس نے اپنے آپ سے کہا اور لیٹ گیا۔

یہ مشق اُس نے اکثر کی تھی جس کی مدد سے وہ ایک خاص وقت پر بیدار ہونے میں کامیاب ہو جاتا تھا —— بمشکل دس پندرہ منٹ بعد ہی وہ نیند کی دیوی کے بازوؤں میں جھولا جھول رہا تھا اور ٹھیک چار بجے اُٹھا۔

جھونپڑی کے ایک کونے میں رکھے ہوئے مٹی کے گھڑے سے اُس نے پانی پیا پھر وہیں کے وہیں نماز ادا کی۔ اس دیارِ غیر میں گو کہ خدا کی یاد اُسے پہلے سے زیادہ آنے لگی تھی لیکن اُس روز نوافل پڑھتے ہوئے جو روحانی سکون اُس نے محسوس کیا وہ اُسے زندگی میں اس سے پہلے کبھی میسر نہ آیا تھا۔

خدا کے حضور بندگی گزارتے ہوئے اُس کا ذہن ماضی کی طرف پلٹا اور اُسے یاد آگیا کہ جس پردیس میں وہ آج چھپ کر نماز ادا کر رہا ہے کبھی اُس کے اجداد کی آماجگاہ رہا تھا۔ یہ فضائیں اللہ کی وحدانیت کا درس صدیوں سے پڑھتی چلی آ رہی تھیں اور آج اُن کی مٹی سے شہیدوں کے لہو کی مہک اُٹھ رہی تھی۔

خان اُن سرفروشوں کو یاد کر رہا تھا جو یہاں ہزاروں میل کا سفر طے کر کے پہنچے تھے۔ اس لیے کہ کفر کدے میں ایمان کی شمع روشن ہو جائے —— اُن کے لہو سے روشن ہونے والے چراغوں کی لو میں ہی آج عابد خان کو اپنی منزل تلاش کرنی تھی۔

اور اب وہ ذکرِ الٰہی سے فارغ ہو کر عازمِ سفر ہوا تو اک ولولہ تازہ بھی اُس کے ساتھ تھا اور بھارتی کا ڈنڈا فیل جنس کو تسخیر کرنے کا عزم لے کر چلا تھا۔

○

صبح زندگی بیدار ہونے سے پہلے وہ سڑک کے کنارے پہنچ چکا تھا! جان بوجھ کر

Scanned and PDF by: Qamar Abbas

اُس نے دو تین بسیں گزر جانے دیں ان کے بعد آنے والی ایک بس میں سوار ہو کر وہ پہنچ گیا۔

شہر کے آغاز ہی میں وہ اُتر گیا تھا! ایک "ویلفیئر ڈھابے" پر اُس نے ڈٹ کر کیا اور گیارہ بجے تک کا وقت ایک سرگاہ میں گزارنے کے بعد سینما ہال میں گھس گیا۔

دوپہر کا مختصر سا کھانا اُس نے چار بجے کھایا اور پیدل ہی اب اپنی "آر۔ وی" (جاسوس بلا کرتے ہیں) کی طرف جا رہا تھا۔ احتیاطاً اُس نے پچھلے چار پانچ روز سے ہوئی ڈاڑھی سے نجات حاصل کر لی تھی۔ اور کلین شیو ہونے کے بعد اب درمیانے کوئی کلرک نظر آ رہا تھا۔ آنکھوں پر لگا چشمہ اُس نے تھوڑی دیر پہلے ہی خریدا تھا کے عقیدے شیشے بادی النظر میں یہی ثابت کرتے تھے کہ اُس کی نظر بہت کمزور ہے۔

چہرے پر چھوٹی چھوٹی مونچھوں کی موجودگی اور نئی عینک نے اُس کا حلیہ خاصا دیا تھا۔ کارپورل کی آمد سے قریباً ایک گھنٹہ پہلے ہی وہ بس سٹاپ کے نزدیک تھا۔ وہ یہاں بے مقصد ہی نہیں چلا آیا تھا اُسے اپنی تربیت کے مطابق اس بات کا لینا تھا کہ اُس کے بے یہاں پہلے ہی سے کوئی جال تو نہیں بُنا گیا؟ اگر کارپورل اے کو اُس نے بلیک میل کر کے پھنسا لیا تھا تو یہ بھی ممکن تھا کہ وہ خود مشکوک ہو گیا ایئر فورس والے اجے ساہنی ہی کی نگرانی نہ کر رہے ہوں ——!!

اجے ساہنی کے رنگے ہاتھوں پکڑے جانے کو بھی اُس نے نظر انداز نہیں کیا تھا لیکن تھا کہ اُس نے انٹیلی جنس کو اصلیت سے آگاہ کر دیا ہو اور اب وہ لوگ اُس کے منتظر ہوں۔ ایک گھنٹے کی مسلسل جستجو کے بعد بھی اُسے یہاں فی الحال کوئی مشکوک شخصیت نظر نہیں آئی تھی۔

اب اُس کی نظریں شہر کی طرف سے آنے والی بسوں پر لگی تھیں۔ چند منٹ نے اجے کو ایک بس سے برآمد ہوتے دیکھا —— اُسے یہ دیکھ کر بڑی خوشگوار

کرنا پڑا۔ کرنجے نے سویلین کپڑے پہن رکھے تھے۔ پہلے اُس کا دھیان تصویر کے کی طرف گیا تھا لیکن اُسے جلد ہی اندازہ ہو گیا کہ یہ اقدام اجے ساہنی نے اقدام کے طور پر ہی کیا ہو گا۔

خان خود ایسی جگہ کھڑا تھا جہاں سے وہ اجے کو نظر نہیں آ سکتا تھا۔ اجے بس سے اُتر چلتا ہوا اُس بس سٹاپ کی طرف آ رہا تھا جہاں سے اُسے گاؤں جانے کے لیے ل سکتی تھی اور جہاں اُس نے "وجے" سے ملاقات کرنی تھی۔ بس سٹاپ کی طرف چلتے وہ چور نظروں سے چاروں اطراف کا جائزہ بھی لے رہا تھا۔ اُس کی معمولی حرکت کی خان کی کڑی نظریں لگی تھیں۔ اس بات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کہ وہ کسی کو کرے اور خان کی نظریں نہ آ سکے۔ بس سٹاپ پر پہنچ کر وہ ایک قدرے ویران گوشے کھڑا ہو گیا۔

اجے ساہنی نے اب بے چینی سے گھڑی کو بھی بار بار دیکھنا شروع کر دیا تھا۔ قرینہ اس طرح گزر گئے اب کارپورل کی پریشانی بڑھنے لگی تھی۔ اس نے بس سٹاپ کے احاطے میں ٹہلنا بھی شروع کر دیا تھا۔

دس منٹ کے بعد خان نے اپنے نزدیک سے گزرنے والے ایک سائیکل رکشہ کو رکنے کا اشارہ کیا اور اُسے ایک منزل بتا کر سوار ہو گیا۔ اُس نے سائیکل رکشہ والے سے کارپورل اجے کے نزدیک پہنچنے پر اتنے اچانک بریک لگوائے تھے کہ اجے ساہنی کے علاوہ خود رکشہ والا بھی اُچھل کر رہ گیا۔

"ارے بھیا! آؤ ناں۔ اِدھر آؤ —— ارے کہاں گھوم رہے ہو؟" اُس نے رکشہ میں بیٹھے ہی آواز لگائی۔

اجے دم بخود رہ گیا۔ پھر اُس کے نزدیک پہنچا۔ اُس کے حواس ابھی تک مختل تھے۔ خان نے ہاتھ پکڑ کر قریباً کھینچتے ہوئے اپنے ساتھ بٹھا لیا۔ پہلی نظر میں تو اجے اُسے

Scanend and PDF By Dawar Abbas

پہچان ہی نہیں پایا تھا جیسے ہی وہ خان کے ساتھ بیٹھا، خان نے سائیکل رکشہ والے کو جلدی چلنے کا حکم دیا اور اُس کی ٹانگیں حرکت میں آگئیں۔

○

"کیا حال ہیں بھیّا! ٹھیک تو ہو نا ——" اُس نے عمران اجے کو اپنی طرف متوجہ

"ہاں۔ ہاں ٹھیک ہوں۔ ٹھیک ہوں۔ سب ٹھیک ہو گیا ——" وہ ایک بوکھلایا ہوا تھا۔

"پرشش میں آؤ —— کیوں بچوں ایسی حرکتیں کر رہے ہو؟" خان نے اُس کی طرف ہوئے اجے کے کان میں سرگوشی کی۔

جواب میں اجے ساہنی نے خوامخواہ دانت نکال دیے۔ خود کو نارمل ظاہر کرنے کی کوشش میں اُس کی شکل پہلے سے بھی زیادہ مضحکہ خیز نظر آنے لگی تھی۔ لیکن جلد ہی اُس نے قابو پا لیا۔

"کام ہو گیا؟" —— خان نے آہستہ سے پوچھا۔

"ہاں" —— اجے نے بھی مختصر سا جواب دیا۔

سائیکل رکشہ نے جیسے ہی گاندھی باغ کا موڑ کاٹا خان نے اُسے رُکنے کو کہا۔

"بس یار ایک کام یاد آگیا" —— اُس نے رکشہ والے کو پورے پیسے تھما دیے۔ بلے چارا واپس پیڈل مارتا ہوا مڑ کر بھی اُس کا شکریہ ادا کرتا رہا۔

دونوں پتلے قدموں سے چلتے باغ میں داخل ہو گئے۔ دانستہ کے لیے خان جان بوجھ کر لمبا راستہ اختیار کیا تھا۔ اس دوران اُس نے اچھی طرح اطمینان کر لیا تھا کہ تعاقب نہیں کیا جا رہا۔ اجے ساہنی سحر زدہ معمول کی طرح اُس کے ساتھ ساتھ چلتا رہا۔ ایک ویران گوشے میں دونوں درخت کے نیچے بکھی پتھر کی ایک بنچ پر بیٹھ گئے۔

اجے نے بھی احتیاطاً چاروں اطراف کا جائزہ لیا اور کچھ کہے سُنے بغیر اپنے

جیب سے ایک تہہ کیا ہوا کاغذ نکال کر خان کی طرف بڑھا دیا۔ خان نے بڑے اطمینان سے اُسے کھولا اور کن انکھیوں سے اطراف کا جائزہ لینے کے بعد اُسے دیکھنے میں مگن ہو گیا۔ ریڈار سٹیشن کی تمام تفصیلات اُس کے سامنے پھیلی لکیروں میں بکھری پڑی تھیں اور وہ اس عطیہ خداوندی پر احساس تشکر سے سرشار ہو رہا تھا۔

"ویلڈن فل" "تم تو یار بڑے کام کے آدمی ہو" خان نے کاغذ تہہ کر کے اپنی جیب میں محفوظ کر لیا۔

"میری پاس بک" —— اجے ساہنی بولا۔

"یہ لو —— اور ہاں تمہیں یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ اس کی مکمل نقل میرے پاس محفوظ ہے"

"کیوں" —— اجے کے منہ سے گھبراہٹ کے مارے اچانک ہی نکل گیا۔

"تاکہ تم آئندہ چالاک بننے کی کوشش نہ کرو"

"دیکھو مجھے دھمکاؤ نہیں —— میں نے یہ کام تمہاری بلیک میلنگ سے ڈر کر نہیں صرف پیسوں کے لیے کیا ہے۔ مجھے بھی تمہاری طرح دولت اکٹھی کرنے کا شوق ہے"

"یہ ہوئی نہ بات —— اس کا مطلب ہے ہم مستقبل میں اچھے دوست ثابت ہوں گے"

"ہاں" —— اجے کا لہجہ قدرے مضبوط تھا —— "اگر پہلا سودا اچھا ہوا"

"کیوں نہیں —— کیوں نہیں" —— خان نے اپنی دوسری جیب سے نوٹوں کی ایک گڈی نکال کر اُس کی طرف بڑھا دی۔

یہ چھوٹے نوٹ تھے۔ دس دس روپے والے اور ایک ہزار روپیہ —— لیکن اجے کے لیے لاکھوں سے کم نہیں تھے۔ اُس نے زندگی میں اتنی بڑی رقم کبھی شاید دیکھی ہی نہیں تھی۔ خان نے محسوس کیا جیسے واقعی اس کی باچھیں کھل گئی ہوں۔ اُس کے لیے یہ امر باعث تسکین تھا کہ ابتدا ہی میں اُسے ایسا شاندار "مقامی دوست" میسر آگیا تھا۔

Scanned and PDF by: Qamar Abbas

"ویسے بھائی صاحب تم ہو کون؟" ۔ اجے نے نوٹ جیبوں میں ٹھونستے ہوئے پوچھا۔

"آخری مرتبہ سن لو بھارتی ناگرک (شہری) ہوں اور آئندہ کبھی یہ فضول سوال نہ پوچھنا۔"

"لیکن کم از کم مجھے یہ جاننے کا حق تو ہے کہ میں کس ایجنسی کے لیے کام کر رہا ہوں۔"

جواب میں خان نے اُس کے سامنے ایک بہت بڑی عالمی طاقت کی ایجنسی کا نام لے کر اُسے پھر بوکھلا دیا تھا۔ اجے ابھی تک یہی سمجھ رہا تھا کہ خان پاکستانی انٹیلی جنس کی کوئی مقامی ٹاؤٹ ہے لیکن جب اُسے علم ہوا کہ اس کا واسطہ دنیا کی سب سے بڑی جاسوس ایجنسی سے پڑا ہے تو وہ خود حیران رہ گیا ——— اُس نے اپنے "پیشے اہم شکار" کو یہ تاثر دیا کہ اس بزنس میں کسی کو اپنا اصل نام اور پتہ نہیں بتایا جاتا اور آئندہ وہ خود ہی اجے سے رابطہ قائم کرے گا۔

اس دوران اُس نے ڈھکے چھپے الفاظ میں اُسے یہ دھمکی بھی دے دی تھی کہ کوئی بھی راز منکشف ہونے کی صورت میں اُسے بہرحال جان سے ہاتھ دھونے پڑیں گے

○

اجے ساہنی سے الگ ہو کر وہ سیدھا انبالہ ریلوے سٹیشن پر آیا۔ جب وہ گاڑی میں سوار ہوا تو گزشتہ چوبیس گھنٹے کے واقعات ایک ایک کر کے اُس کے سامنے آنے لگے۔ کراچی، پاکستان کے ساتھ اُس کے کانوں میں گونجتے تو شہزاد کے شہد سے لہو کی مٹھاس بھی اُس کا حوصلہ بڑھانے لگتی۔

اگر وہ لوگ اس موبائل ریڈار سٹیشن کو کبھی یہاں سے ہٹا بھی لیتے تو بھی اس کی اندرونی ساخت کی مکمل ڈرائنگ اُس کے بیگ کے پاس محفوظ تھی۔

کچھ باتیں، کچھ گھاتیں

تین رات کافی ڈھل گئے اور اپنے مقررہ وقت کے قریباً تین گھنٹے بعد چل۔ تین گھنٹے اس علاقے کے باقی مسافروں کی طرح بڑی اذیت سے کاٹے تھے۔ لیکن یہ تو یہاں کا معمول تھا۔ راستے میں کوئی رکاوٹ آنے کی وجہ سے ڈاک گاڑیاں لیٹ آ رہی تھیں اور تمام گاڑیاں پار کرنے کے بعد ہی اس پسنجر ٹرین کی باری آتی تھی۔

اس مرتبہ خان نے تیسرے درجے میں سفر کرنے کو ترجیح دی تھی۔ اس کے چہرے سے داڑھی غائب ہو چکی تھی اور کرتے پاجامے میں ملبوس سر پر بازار سے خریدی ہوئی کھدر کی ٹوپی رکھے اور گرم چادر اوڑھے وہ کوئی سماجی کارکن یا پھر ٹیچر کا نگریسی دکھائی پڑتا تھا۔ اس کے آغاز ہی میں خوش قسمتی سے اُسے خالی جگہ اونگھنے کو مل گئی تھی۔

پرانی دلی کے سٹیشن پر جب یہ پسنجر ٹرین پہنچی تو رات کی سسکیاں دم توڑنے لگی تھیں۔ سورج نے اونگھتی دلی کے کارخانوں کی مہربلب چمنیوں کی اوٹ سے سر نکالنا شروع کر دیا تھا لیکن سڑکیں ابھی تک ویران تھیں۔

نہا دھو کے وہ ٹھاٹ سے سوتا ہوا آیا تھا۔ محض دو تین گھنٹے کی اس کچی پکی نیند نے بھی اس کی ساری کسلمندی دور کر دی تھی اور اب وہ خود کو خاصا خوش باش اور تازہ دم محسوس کرنے لگا تھا۔

پلیٹ فارم کے دونوں اطراف موجود گرمھوں میں اُس نے ہاتھوں میں گڑویاں لٹکائے

ایک ہجوم بے کراں کو اُترتے دیکھا تھا ـــــ یہ وہ لوگ تھے جن کے متعلق اُس نے بچپن میں کہانیاں سُنیں، ٹریننگ کے دوران میں تصویریں دیکھیں اور آج اپنی آنکھوں سے اُنہیں دیکھ رہا تھا۔

مُنہ سے "رام رام" جپتے ان انسانی بھیڑیوں نے اپنی بغلوں میں چھُرے دبا رکھے تھے اور وہ اصل میں یہاں اسی لیے تو آیا تھا کہ ان انسان نما بھیڑیوں کی بغلوں میں چھپے خنجروں سے اپنی حکومت کو باخبر کر سکے ـــ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ لوگ اپنی فطرت کے عین مطابق پیٹھ میں خنجر گھونپ دیں۔

پُرانی دہلی ہی میں اُس کے لیے آج پہلے اور دوسرے وقت کی دو "آر۔ وی" رکھی گئی تھیں؛ اگر وہ صبح دیر سے پہنچتا تو شام کے بعد دوسری جگہ "مقامی دوست" اُس کا منتظر ہوتا۔ عین اتفاق سے اُسے دونوں "آر۔ وی" کی سہولتیں حاصل تھیں۔

امانت کا جوہر گراں وہ انبالے سے لے کر یہاں تک آیا تھا اُسے جلد از جلد انہیں ہاتھوں تک پہنچانے کے لیے اُس نے شام کا انتظار کرنا مناسب نہ سمجھا۔ اُسے بتایا گیا تھا "صبح گیارہ بجے سے ساڑھے گیارہ بجے تک اُسے مقبرۂ ہمایوں پر اپنے مقامی دوست سے پہلی ملاقات کرنی تھی۔"

باقی مسافروں کی طرح اُس نے بھی بڑے بوجھل قدموں سے ریلوے اسٹیشن کا آہنی پل عبور کیا۔ اِس پل پر شاید ایک انچ جگہ بھی ایسی خالی نظر نہیں آ رہی تھی جہاں کسی نے کچھ لکھا نہ ہو۔ ایک فقرہ جو زیادہ تواتر کے ساتھ ہر جگہ تحریر تھا وہ "بھارتیوں کے ایک قوم ہونے سے متعلق تھا۔ یہاں تسلسل سے "ایکتا" کا فقرہ دیکھ کر اس شہر میں آنے والے کسی بھی اجنبی مسافر پر پہلا تاثر یہی قائم ہوتا تھا کہ جیسے حکومت اس ملک میں بسنے والے درجنوں مذاہب کے پیروکاروں کو زبردستی "ایک قوم" بنانے پر تُلی ہوئی ہے۔

پُل کے دوسری طرف والی سیڑھیوں پر ایک بوڑھا سکھ کلکٹر مسافروں کے ٹکٹ

Scanend and PDF by Qamar Abbas

کر رہا تھا۔ اُسے دیکھ کر کچھ ہندو نوجوانوں نے جان بوجھ کر سگریٹ سُلگا لیے تھے اور پھر مُنہ کا پورا زور لگا کر بوڑھے سکھ کی طرف دھواں اُچھالنے لگے تھے۔ یہ دیکھ کر اُسے احساس ہوا کہ "ایکتا کا درس" آخر بھارت سرکار اتنی شدت سے کیوں دیتی چلی آئی ہے! پُل کے زینوں سے گھبرا کر بوڑھا سکھ ٹکٹ کلکٹر ہجوم کے ساتھ سیڑھیاں اُتر کر غائب ہو گیا۔ اُس کے تعاقب میں ابھی تک ہندو سگریٹ نوش نوجوانوں کے قہقہے گونج رہے تھے۔

نئی دہلی کے ایک ریفریشمنٹ ہوٹل میں اُس نے ہلکا سا ناشتہ کیا اور اِس بس میں سوار ہو کر مہرولی کی طرف جانے لگا تھا۔ دہلی کی خوابیدہ سڑکوں پر زندگی اب بھرپور انگڑائی لے کر بیدار ہو چکی تھی۔ انسانوں کا ایک ٹھاٹھیں مارتا سیلاب کے ریلے کی طرح ایک سے دوسری طرف بہہ رہا تھا۔

مہرولی کے نزدیک سکاؤٹ کیمپ کے قریب سے گزرتے ہوئے جب اُس کی نظریں سکاؤٹ کیمپ کے پاس جھاڑیوں کے نیچے دبی ہوئی چھوٹی اینٹوں سے بنی ہوئی پرانی قبروں پر پڑیں۔ تو اُن قبروں سے ہر گزرنے والے کو اپنے دیدۂ عبرت نگاہ "ہونے کی دُہائی دے رہی تھیں۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی وہ چند لمحوں کے لیے وہاں رک گیا۔

اُسے یاد آ گیا۔ تاریخ کے اُستاد نے انہی قبروں کے متعلق بتایا تھا؛ "کبھی یہ میدان جس پر آج سکاؤٹ کیمپ لگا ہوا ہے مقبرۂ ہمایوں ہی کا ایک حصہ ہوا کرتا تھا۔" وہ سوچنے لگا کہ یہ قبریں بھی شاید اُنہی بدقسمت مغل شہزادوں کی ہی ہوں گی جو جنگِ آزادی کے بعد یہاں پناہ لینے چلے آئے تھے ـــ اور جنہیں فرنگی غنڈوں نے شہید کر ڈالا۔

اس ماحول میں وہ ہاتھ اٹھا کر اُن کے لیے دعائے خیر تو نہ کر سکا لیکن اس کا دل اندر ہی اندر اُن کے آنسو رونے لگا تھا اور اس کے دل کی گہرائیوں سے راہِ آزادی کے ان گمنام جانبازوں کے لیے دعائیں نکل رہی تھیں جنہوں نے اپنا آج آنے والی مسلمان

Scanned and PDF by: Qamar Abbas

نسلوں کے کل کی نذر کر دیا تھا۔

○

ایک سائیکل رکشہ کے ذریعے تھوڑی دیر بعد ہی وہ شاہجہان آباد سے کوئی ڈھائی میل جنوب کی طرف ہمایوں کے مقبرہ میں پہنچ گیا۔

مقبرے کی عمارت دیکھ کر پہلے تو وہ واقعی دنگ رہ گیا؛ روئے زمین پر ایسی عمارت کی نظیر تلاش کرنا ممکن نہیں تھا ـــــ سنگِ مرمر اور سنگِ سرخ کی یہ حسین عمارت اپنے دامن میں کئی قبریں سمیٹے نہ جانے کب سے اسی طرح ایستادہ کھڑی تھی۔ اس مقبرے کو فردوس بریں کہا گیا تھا اور خان اندازہ لگا سکتا تھا کہ ایسا کہنا کچھ غلط نہ ہوگا۔

لیکن اب تو عالم ہی اور تھا۔ وسیع و عریض اندرونی احاطے میں چاروں طرف زوالِ عمارت کے آثار بکھرے دکھائی دیتے تھے۔ نہ کوئی نہر نہ آبشار نہ فوارہ نہ حوض، نہ پھول، نہ پھل، نہ گلزار نہ اُس کے رکھوالے۔ خستہ حال مرکزی عمارت کے اوپر ایک گنبد سا بنا ہوا تھا جس کے نچلے دروں کے گھپ اندھیروں میں دن کے وقت بھی چمگادڑیں دیواروں سے سر پٹخ رہی تھیں ـــــ ہر سو ایک وحشت، ایک نامرادی اور نحوست طاری تھی۔

اس مقبرے نے ایک بے نام سی یاسیت خان پر طاری کر دی تھی۔

مقبرے میں مقامی لوگ بہت کم اور غیر مقامی بہت زیادہ نظر آ رہے تھے ـــــ دو اور یادداشت کے سہارے باغ کے کونے میں رکھی ایک لوہے کی بنچ پر بیٹھ گیا! ایک دال والا لڑکا کب سے اُس کا منتظر وہاں دوسرے کونے میں دُبکا کھڑا تھا۔ خان کو دیکھتے ہی وہ تیزی سے اُس کی طرف دہلی کی مخصوص کرخنداری زبان میں دال کی صفات بیان کرنے لگا اور نہ چاہنے کے باوجود خان نے اُس سے دال کا پیکٹ خرید لیا۔

لڑکا اُس کا شکریہ ادا کرتا ہوا واپس چلا گیا ـــــ خان کا دل بالکل کچھ کھانے کو نہیں چاہ رہا تھا۔ یہاں اس مزار کے احاطے میں بیٹھ کر اُسے اپنا سب کچھ لٹا ہوا

سا محسوس ہوا جس کی تلاش میں وہ یہاں آیا تھا ـــــ اُسے اس احاطے میں موجود ہر مزار، قبروں کے کھنڈرات سے اپنی قوم کا شاندار ماضی بیدار ہوتا دکھائی دے رہا تھا۔ قرونِ وسطیٰ کے مغلیہ حکمرانوں کا جاہ و جلال یہاں کی ایک ایک سال خوردہ اینٹ سے جھلکتا تھا، خان خان ماضی کی تاریخ کے کھنڈرات میں پناہ لینے کے بجائے حال کی چیرہ دستیوں کا مقابلہ کرنا چاہتا تھا۔

ٹھیک گیارہ بجے اُس نے اپنی جیب سے ایک نیلے رنگ کا رومال نکالا اور دہلی کے نوجوان لڑکوں کے سے انداز میں اُسے باندھ لیا۔ لوہے کی اس ٹھنڈی بنچ پر اپنے آپ کو ڈھیلا چھوڑ کر اُس نے اپنی دوسری جیب سے چارمینار سگریٹ کی ایک ڈبی اور ماچس نکال کر سگریٹ سلگائی اور اب دال سے بالکل بے نیاز ہو کر اپنا لطف اندوز ہو رہا تھا۔

ساڑھے گیارہ بجے تک اُس کے دل کی دھڑکنوں نے اپنی رفتار بڑھا لی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ اُٹھ کر کھڑا ہو جائے کوئی اچانک ہی اُس کے پیچھے سے نمودار ہوا! نووارد نے پیشتر سے سر پر پگڑی باندھ رکھی تھی اور اس سُرخ پگڑی کے نیچے ایک نیلے رنگ کا رومال اسی کپڑے کی بنی ہوئی پٹی بھی دکھائی دے رہی تھی جیسا کہ اُس کا رومال تھا۔

"ست سری اکال جی!" آنے والے نے بڑی بے تکلفی سے اُس کے نزدیک بیٹھتے ہوئے کہا۔ "ایک سکھ کا اتنا احترام تو کیجئے مہاراج کہ 'چارمینار' جیب میں رکھ لیں۔" اُس نے اپنی سگریٹ سلگانے کے لیے پہلا کوڈ درڈا استعمال کیا۔

"شکریہ سردار جی! لیکن مینار تو ایک بھی جیب میں نہیں رکھا جاتا۔ آپ چار کی بات کرتے ہیں۔ خیر چھوڑیے 'ایک چار' کے چکر میں کیا پڑنا۔ کیا شبھ نام ہے آپ کا؟"

"جسپال سنگھ" ـــــ جواب نے اُس کے تمام شکوک ختم کر دیے۔

"پھر بڑا ہی کہتے ہیں۔" خان نے اپنا کوڈ نام دہرایا۔

اس کے بعد رسمی فقروں کے بعد دونوں نے ایک دوسرے کو اپنی شناخت مکمل کروا دی تھی

Scanend and PDF by Qamar Abbas

زوار سنگھ نے اُسے وہاں سے اُٹھنے کا اشارہ کیا اور دونوں پیدل چلتے آپس میں بے تکلفی سے باتیں کرتے باہر تک آگئے! ایک نزدیکی ہوٹل شاید گیان سنگھ نے پہلے ہی سے اس مقصد کے لیے تاڑ رکھا تھا۔ خان کو وہ اُس ہوٹل کے ایک ہلکے پھلکے کیبن میں لے آیا۔

چائے کا آرڈر دیکر دونوں نے ایک ایک لفافے کا تبادلہ کیا: خان والے لفافے میں ریذرکشیش کا بلیو پرنٹ، سیف ہاؤس کمار اور اجے ساہنی کے متعلق معلومات درج تھیں۔ اور گیان سنگھ والے لفافے میں اُس کے لیے تازہ ہدایات اور احکامات تحریر تھے۔

دونوں نے ایک بات بھی غالتو نہیں کی تھی اور جیسے ہی خان نے چائے کی پیالی ختم کی اُس کے ہمراہی نے کھڑے ہوکر مست سری اکال کہتے ہوئے اُس کے سامنے ہاتھ باندھ دیے۔

—— یہ اشارہ تھا اُس کے لیے یہاں سے چلے جانے اور گیان سنگھ کو تنہا چھوڑ دینے کا۔ رخصت اُس نے گیان سنگھ کی آنکھوں میں نمی تیرتی ہوئی محسوس کر لی تھی۔

○

گیان سنگھ سے الگ ہوکر وہ بھی قدرے پریشان سا ہو گیا تھا، "جانے یہ کون تھا، اس کا نام کیا تھا؟" اُس کی آنکھوں میں تیرتی نمی نے اس بات کا احساس تو خان کو دلایا تھا کہ گیان سنگھ نے بھی اسکی طرح اپنی شخصیت پر جانے کتنے خول چڑھا رکھے ہیں اور وہ کوئی غیر نہیں اُس کا ہی ہم وطن اور ہم مذہب ہے! جانے اس جیسے کتنے پاکستانی اپنی جانیں ہتھیلی پر لیے یہاں سرگرم عمل ہیں! یہ لوگ —— دشمن کی آنکھوں میں دھول جھونک کر اپنے وطن کی آنکھیں بنے یہاں بھیس بدلے وطن کے مفادات کی نگرانی کر رہے ہیں —— جانے اس راہ پُرخار میں کتنی صعوبتوں کا سامنا انہیں کرنا ہوتا ہوگا۔ اکثر اپنی جان سے بھی گزر جاتے ہوں گے —— لیکن کون یاد رکھتا ہوگا انہیں۔ کیسے احساس ہوگا اس بات کا کہ کوئی ہم جیالے دریا پار میں اپنی زمین کی سلامتی کی نذر ہو چکے ہیں —— تاریخ میں بھی کبھی اُن

کا نام نہیں آئے گا کیونکہ وہ مرتے وقت بھی پرایا بھیس بدلے ہوئے تھے۔

گیان سنگھ کو امانت سونپ کر وہ اپنے آپ کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کرنے لگا تھا یہ واردات نہیں تھی۔ ابتدا ہی میں اُس کے پاس "کمار" جیسا سیف ہاؤس اور کمار پورل جیسا مقامی دوست موجود تھے اب اُسے اپنا زیادہ تر کھیل انہی دو مہروں کے گرد کھیلنا تھا۔

وہ چاہتا تو ابھی مسٹر سہائے کے ہاں پہنچ جاتا جہاں اُسے مکمل امان ہر طرح میسر تھی، لیکن اُس نے سوچا پہلے اُسے اپنا حلیہ بدلنا تھا۔

ٹھنڈو میں اُس نے دہلی میں اپنے نئے اور مستقبل کے گھر کے متعلق تفصیلی رپورٹ پڑھی تھی اور اُسے آگاہی تھی کہ اس لفافے میں دہلی کے متعلق ہی ہدایات موجود ہوں گی۔ اس وقت وہ لفافہ کھول کر دیکھنے کے لیے بے چین ہو رہا تھا اور اُس مقصد کے لیے کسی ویرانہ درکار تھا۔

"کھوں رکشٹ پیلس چلوں؟" اُس نے خیال کیا۔

اور ایک رکشہ میں اُس طرف روانہ ہو گیا۔

کھوں رکشٹ پیلس جمنا کنارے بنی وہ بستی تھی جو کبھی دلی کے شرفا کا مسکن رہی ہوگی لیکن اب اس نام کی کوئی شے اُسے دکھائی نہیں دے رہی تھی، بلکہ یہ جاٹوں کا مسکن لگتا تھا۔ باغ کے ایک ایک ویران کونے میں جو مقامی کالجوں کی لڑکیوں اور لڑکوں کے لیے پُرسکون ماحول سے ابھی تک محفوظ تھا وہ ایک درخت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ اس کی طرف دھوپ رقص کر رہی تھی۔ نرم اور پُرسکون دھوپ نے اپنی گود ساری کی طرح پھیلا رکھی تھی۔ ٹھنڈی ہوا کے ساتھ اس دھوپ نے اُسے بہت سکون بخشا

اس نے چاروں اطراف ماحول کا سرسری نظروں سے جائزہ لیا اور مطمئن ہو کر لفافہ چاک

Scanend and PDF by Qamar Abbas

کر لیا۔ سب سے اوپر ایک مقامی بنک کا بیس ہزار روپے کا چیک اُس کے لیے موجود تھا جس کے ساتھ ایک خالی کاغذ ــــ کاغذ پر کہیں کہیں پیلے دھبے اُسے دکھائی دے رہے تھے! اپنی جیب سے ماچس نکال کر اُس نے تیلی سلگائی اور کاغذ کو آگ دینے لگا۔ جلد ہی لفظ نمایاں ہو کر اُبھر آئے۔

اُس کی اب تک کی بھاگ دوڑ کو خصوصاً نتھا سنگھ جیسے غدار اور ڈبل کراس کا اس کے ہاتھوں اپنے انجام کو پہنچ جانا بہت سراہا گیا تھا اور اس کارنامے پر اُسے باقاعدہ مبارکباد دی گئی تھی۔ خان کو اس بات کی اجازت دے دی گئی تھی کہ وہ دہلی میں سہانے گھرانے کا کار حاصل کرے۔ اس کے ساتھ ہی مختصر ترین الفاظ میں ایک مقامی کام بتایا گیا تھا اور اگلے احکامات حاصل کرنے اور "مقامی کام" کو "اپنے دیکستان" تک پہنچانے کے لیے اگلے چند روز کی آر۔ دی لکھی گئی تھی۔

کاغذ اور لفافہ اُس نے جلا کر راکھ کر دیا اور راکھ کو پاؤں سے اچھی طرح مسل ڈالا۔ اب اُس کا رُخ کناٹ پلیس کی مقامی آبادی کے کسی بڑے ریڈی میڈ گارمنٹس سٹور کی طرف تھا۔

گھنٹہ ڈیڑھ کی معرکہ آرائی کے بعد بالآخر اُسے مطلوبہ اشیاء مل گئیں اور جب وہ وہاں سے فارغ ہو کر باہر نکلا تو نہ صرف یہ کہ اُس کے ہاتھ میں موجود اٹیچی کیس میں ضروریاتِ زندگی کی ہر شے تھی، بلکہ اُس کا اپنا حلیہ بھی بالکل بدل چکا تھا؛ اب وہ پہلے والا اروِن نہیں بلکہ بڑا بن چکا تھا اور تھوڑی ہی دیر بعد وہی اروِن کشور ایک ٹیکسی کی پچھلی سیٹ پر بڑے اطمینان سے بیٹھا رگھوناتھ سہانے کے گھر کی طرف جا رہا تھا۔

○

پہاڑ گنج کی اُس آبادی تک پہنچنے میں اُسے بمشکل آدھ گھنٹہ لگا تھا۔ یہاں اکثر چھوٹی سی سرکاری کالونی میں وہ لوگ رہتے تھے۔ یہ کالونی ایک طرح سے نئی اور پرانی

دہلی کا سنگم بھی تھا۔ اُس نے ڈرائیور کو مسز سہانے کا نمبر بتا دیا تھا اور اب وہ خود ہی مکان ڈھونڈنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ ڈرائیور نے ٹیکسی گیٹ کے عین سامنے لا کر کھڑی کر دی۔ دروازے کے باہر اُسے کشور کھڑا نظر آیا جو خان کی نظر پڑتے ہی تیزی سے بھاگتا ہوا اندر چلا گیا۔ شاید گھر خبر کرنے گیا تھا کیونکہ خان کے ٹیکسی والے کو فارغ کرنے تک دوبارہ کشور، آشا اور اپنی ماں کے ساتھ گیٹ پر پہنچ چکا تھا۔

"ارے بھیا ــــ" آشا نے اُسے دیکھتے ہی نعرہ بلند کیا۔

"جیتے لاکھوں ماتا جی" ــــ خان نے جھک کر مسز سہانے کے پاؤں چھوئے جنہوں نے اسے کھڑے ہوتے ہی اپنے پوپلے منہ سے بے شمار دعاؤں اور بوسوں سے نواز دیا تھا۔

کشور نے اس کا ننھا سا اٹیچی کیس تھام لیا اور وہ گھر والوں کی معیت میں اندر داخل ہو گیا۔ تین کمروں ایک سٹور، کچن اور ڈرائنگ روم پر مشتمل یہ خوبصورت سا مکان ہی شاید کئی زندگیوں کی کمائی کا نچوڑ تھا۔ خان کے لیے اُن لوگوں نے پہلے ہی سے الگ بندوبست کر رکھا تھا۔ دروازے کے بالکل ساتھ والا کمرہ دے دیا گیا۔ خان کی نظریں ابھی تک بڑی بے تابی سے کچھ تلاش کر رہی تھیں۔

"آپ جسے ڈھونڈ رہے ہیں وہ ایک گھنٹے سے پہلے نہیں آئے گی" اُسے چند منٹ کے بعد اکیلا پا کر آشا نے پھٹ سے کہہ دیا۔

"اوہ! نہیں نہیں بھئی میں تو آپ کا مکان دیکھ رہا ہوں۔"

"اے مہاراج ہم سے کیا پردہ" ــــ آشا نے بڑی بے تکلفی سے اُس کے بازو پر ہاتھ مار کر قہقہہ لگا کر ہنس دی۔ خان نے بھی اُس کے ساتھ ہنسنے میں کسی بخل سے کام نہیں لیا تھا۔

یہ کمرہ شاید اُن لوگوں نے بٹھنڈہ سے واپس آنے کے فوراً ہی بعد اُس کے لیے مخصوص کر دیا تھا۔ کمرے میں پلنگ نیا نیا لگایا گیا تھا اور دیوار پر ایک خوبصورت پینٹنگ بھی ٹنگ

Scanned and PDF by Qamar Abbas

رہی تھی جب اُس نے ایک کونے میں رکھی میز پر بچے پھولوں کے ایک گلدستے کو اپنی
سے عادت کے مطابق ہٹا کر دیکھنا چاہا تو نیچے دھرے ایک کارڈ پر رما نے بڑے خوبصو
الفاظ میں لکھا تھا:

"اس گھر میں آنے والے نئے مہمان کے لیے ایک خوبصورت سی تمنا ــــ کہ وہ
یہیں کا ہو کر رہ جائے۔"

ایک مغموم سی مسکراہٹ اُس کے ہونٹوں پر پھیل گئی۔ اُسے اس آرٹسٹ لڑکی پر
آنے لگا تھا جس نے ایک ہی ملاقات میں اپنا مقدر اُس سے وابستہ کر لیا تھا اور
کے ایک جھونکے کی طرح یہاں آیا تھا، جانے کب کہیں اور نکل جاتا۔

ماتا جی تو اُسے کمرے میں چھوڑ کر رسوئی میں جا گھسی تھیں اور کشور کو اُنھوں
دوڑا دیا تھا۔ آشا کو بھی وہ بار بار ہاتھ بٹانے کے لیے رسوئی میں بلاتی تھیں جو خان
چھوڑنا نہیں چاہتی تھی۔

تھوڑی دیر بعد ہی اُس کے سامنے ہندو گھرانوں کی روایتی مہمانداری کے
پڑے تھے، جو پاپڑ اُس کے سامنے رکھے تھے اس سے پہلے خان نے شاید کبھی
نہیں تھے اور بھی اسی طرح کی الم غلم اشیاء پڑی تھیں۔ اُس نے اُن لوگوں کا دل
لیے بادلِ نخواستہ کچھ زہر مار کر ہی لیا۔

رُما کے کالج میں آج شاید کوئی تکلف تھا آشا نے تو چاہا کہ وہ جا کر اُسے
آمد سے مطلع کر دے لیکن خان نے اُسے بڑی سختی سے منع کر دیا۔

"میں اُسے سرپرائز دینا چاہتا ہوں۔" اُس نے آشا کی تسلی کراتے ہوئے کہا۔

بوڑھا سہائے بھی گھر والوں کی لعن طعن سے بچنے کے لیے صبح کو گھر سے نکلا
شام ڈھلے واپس لوٹا کرتا تھا۔

دوپہر کو کھانا کھانے کی اب اس میں ہمت ہی باقی نہیں رہی تھی۔ ماتا جی

لے کر وہ آشا اور کشور کو اپنے ساتھ لے کر کہیں سیر کے بہانے باہر نکل آیا۔

اُس نے اِس دوران دونوں بہن بھائیوں کی خواہشات اور کمزوریوں کا اندازہ لگا
لیا تھا۔ کشور کو اپنے ہاتھ میں رکھنا یوں بھی اس کے لیے ناگزیر تھا۔ یہ لڑکا کسی بھی وقت
بگڑ کر اُس کے لیے دشواریاں پیدا کر سکتا تھا۔

دونوں کو ساتھ لے کر سب سے پہلے وہ بنک پہنچا۔ اتنی بڑی رقم کا چیک کیش کراتے
ہوئے اُنھوں نے شاید پہلی مرتبہ کسی کو دیکھا تھا۔ یوں تو اِس گھر کے سب ہی ممبران اس
کی امارت کے قائل تھے لیکن اُس نے کشور کو بطورِ خاص آج مرعوب کیا، یہاں سے دونوں
اِن بھائیوں کے ساتھ وہ دہلی کے ایک بڑے ہوٹل میں جا پہنچا۔

خان نے واضح طور پر محسوس کیا جیسے اُس نے دونوں کی کئی جنموں کی چھپی ہوئی خواہش
کو پورا کر دیا ہو لیکن وہ بیچارے احساسِ کمتری کے ہاتھوں خدشے دبے دبے نظر آ رہے
تھے۔ جس خیالی دُنیا کو انھوں نے اپنا مسکن بنا رکھا تھا وہاں ایسے ہوٹلوں میں جانے کی
خواہشیں تو مزدور جنم لیا کرتی ہیں۔ لیکن عملی زندگی میں شاید وہ اس کے نزدیک پھٹکنے کا تصور
بھی نہیں کر سکتے تھے اور آج بھگوان کی دیا سے انہیں ایسا بھائی مل گیا تھا جس نے اُن کے
اس خواب کو حقیقت کا روپ دے دیا۔ دونوں اِس پر بیٹھے جا رہے تھے۔

ہوٹل سے فارغ ہوتے ہی وہ لوگ اب ایک بڑی مارکیٹ کا رُخ کر رہے تھے ــــ
اپنی طرف سے وہ اس خاندان پر بڑا بھرپور حملہ کرنے جا رہا تھا۔

اُس نے اِس گھر میں بسنے والے ایک ایک فرد کی نفسیات کو سمجھ لیا تھا۔ وہ جان گیا
تھا، سب لوگ محرومی کی ایک اَن دیکھی آگ میں سُلگ رہے تھے۔ گھر میں موجود اسباب
کا اندازہ بھی اُس نے بخوبی لگا لیا تھا اور اُسے یقین ہو چلا تھا کہ بوڑھے سہائے نے زندگی
اور تنخواہ پر ہی گزاری ہے۔

شام کے جب وہ شاپنگ سے فارغ ہو کر گھر پہنچے تو سہائے گھر میں موجود تھا۔ دونوں

Scanned and PDF by: Qamar Abbas

میاں بیوی کی آنکھیں خوشگوار حیرت سے جیسے پتھرا کر رہ گئی تھیں۔ جب انہوں نے کشور، آشا اور خان کے علاوہ ٹیکسی ڈرائیور کو بھی بڑے بڑے ڈبے اور پیکٹ اٹھائے اندر داخل ہوتے دیکھا۔ خان نے کمر پر بڑا گھرادار کیا تھا۔ ایک ڈبے میں ٹی۔وی تھا اور دوسرے میں کشور اور آشا کے لیے "ٹیک"۔

"یہ یہ بیٹا ــــ" سہائے کی تو جیسے زبان نے ہلنے سے انکار کر دیا تھا۔

"بس باپو جی! ایک لفظ بھی نہ کہیئے اس سے آگے! میرا من گواہی دیتا ہے کہ مرنے کے پچھلے جنم میں آپ مجھ سے بچھڑ گئے تھے۔ ہاں آپ سب لوگ۔ اب میں سارے جنموں کا حساب چکا دوں گا۔" اس نے شاندار اداکاری کا مظاہرہ کیا اور آنکھوں میں آنسو بھر کر باپو جی سے لپٹ گیا۔

ماحول خاصا جذباتی ہو گیا تھا۔ سہائے اور مسز سہائے کے علاوہ دونوں بچے بھی آنسو بہا رہے تھے اور چاروں خان سے باری باری لپٹ کر اپنے مذہبی عقیدت پیش کر رہے تھے جانے بے چارے کب سے ترس رہے تھے ان دونوں چیزوں کے لیے؛ وہ بے شمار پیکٹ ان دونوں چیزوں کے علاوہ تھے جن میں آشا اور کشور کی جینز، باپو جی اور ماتا جی کے لیے اور ان بلے کپڑے اور رما کے لیے دو ساڑھیاں رکھی تھیں۔ خان نے اس موقعے پر سوشیل اور اس کے بچوں کو بھی فراموش نہیں کیا تھا۔ وہ جانتا تھا آج کی مضبوط سسرالی ہی پر اس نے اپنے مستقبل کی بنیادیں استوار کرنی ہیں۔

کشور اور آشا تو خوشی سے دیوانے ہوئے جاتے تھے۔ دونوں بوڑھے بار بار ٹی وی اور ٹیک کو چھو کر شاید اس بات کا یقین کر لینا چاہتے تھے کہ واقعی وہ خواب تو نہیں دیکھ رہے۔

○

شام ڈھلے جب رما گھر پہنچی تو گھر کا بدلا ہوا نقشہ دیکھ کر اس کی آنکھیں پھٹ

کی کی رہ گئیں۔ خان یونہی ہوا خوری کے بہانے تھوڑی دیر کے لیے باہر نکل گیا تھا۔

وہ جس علاقے میں قیام پذیر ہونے والا تھا، اس کا جائزہ لینا بھی ضروری تھا۔ یہ تو اس کی خوش قسمتی تھی کہ یہ کالونی مخلوط آبادی پر مشتمل نہیں تھی۔ ورنہ اب تک اس کی شہرت زمانے زبان زد خاص و عام ہو چکے ہوتے۔ یہاں زیادہ تر دوسرے درجے کے سرکاری افسر ہی رہائش پذیر تھے اور یہ لوگ خود کو مہذب اور تعلیم یافتہ ظاہر کرنے کے لیے ایک دوسرے کے معاملات میں کم ہی دخل دیا کرتے تھے ــــ نہ ہی کسی گھر کو تاڑ کر دوسرے گھر میں کیا ہو رہا ہے لیکن ٹی۔وی کا انٹینا دیکھ کر وہ یہ بات ضرور جان گئے تھے کہ جگن ناتھ سہائے کے گھر ٹیلیویژن آ گیا ہے۔ زیادہ نے یہی اندازہ لگایا تھا کہ گلے سے اپنے لیقیہ جات حاصل کرتے ہی بوڑھے کا دماغ خراب ہو گیا ہے جو اس فضول خرچی شروع کر دی۔

رات گئے جب اودن کمار گھر واپس لوٹا تو اس کے کمرے کا حلیہ ہی تبدیل ہو چکا تھا۔ ایک کے بجائے وہاں تین پینگنز نصب تھیں۔ کرسیوں کے کشن بدلے جا چکے تھے۔ کتابیں سلیقے سے ایک طرف رکھی تھیں اور شیو کا سامان ایک چھوٹے سے سنگھار میز پر سجا تھا۔ یہ سنگھار میز اس کے کمرے کے ایک کونے میں رکھا گیا تھا اور تازہ خریدا ہوا لگ رہا تھا۔

اپنی دانست میں وہ چوروں کی طرح دبے پاؤں گھر میں داخل ہوا تھا۔ گھر کے تمام لائٹ روم نائٹ بلب تھے اور باہر کا کسی کو ہوش نہیں تھا۔

رما نے اس نے بمشکل کپڑے تبدیل ہی کیے تھے جب دروازے کا پردہ سرکا اور رما اندر داخل ہوئی شاید وہ کسی کام سے ادھر آئی تھی! خان نے جان بوجھ کر کمرے کی لائٹ آن نہیں کی تھی ــــ جیسے ہی رما نے بٹن دبایا اور روشنی میں اس کی نظر خان پر پڑی تو ایک لمحے کے لیے جیسے اس کی قوت گویائی ہی سلب ہو کر رہ گئی۔ پھر اس کے

Scanend and PDF by: Qamar Abbas

ہونٹ کپکپائے۔

"منگارہ" اُس نے دونوں ہاتھ اپنے سینے پر باندھ لیے۔ ابھی تک رما نے اپنے کپڑے بھی تبدیل نہیں کیے تھے اور وہ اس کے کمرے کو بنانے سنوارنے میں جُتی ہوئی تھی۔

"بے ہند ـــــ" خان نے مسکراتے ہوئے بڑے مضحکہ خیز انداز میں ہاتھ جوڑ دیے۔ رما مسکرائے بغیر نہ رہ سکی۔

"آپ ہر بات میں سنسنی ضرور پیدا کرتے ہیں۔" رما نے بے اختیار کہہ دیا۔

"ہاں رما جی! جب زندگی بالکل کھوکھلی ہو جائے تو آدمی اپنے ارد گرد یونہی سنسنی کھڑے کر کے اس خلا کو پورا کرتے لگتا ہے۔"

"آپ! آپ کیا ہیں اردن کمار جی! آپ نے ہم سب کو لوٹ لیا ـــــ ہم سب کو" رما خاصی جذباتی ہو گئی تھی۔

"نہیں رما۔ ایسی بات نہیں حقیقت تو یہ ہے رما کہ تم نے مجھے دوبارہ زندہ رہنے کی تحریک دی ہے۔ میری زندگی کا اب کوئی مقصد نہیں رہ گیا تھا۔ بس مشین کی طرح دن رات پیسے کماتے رہو۔ مجھے اس روز بس میں سفر کرتے ہوئے تمہاری آنکھوں میں زندگی دکھائی پڑی تھی۔ رما میں جانے کس جنم سے کچھ کھوج رہا تھا۔ تمہیں مل کر ـــــ تم سب لوگوں کو مل کر یوں لگتا ہے جیسے میری تلاش مکمل ہو گئی ہو۔

"یہ رما سو بھاگیہ (خوش قسمتی) ہے اردن کمار جی!" وہ شرم سے دوہری ہوتی ہوئی بولی تھی۔ خان نے کوئی لگی لپٹی رکھے بغیر اُسے بہت بڑی بات کہہ دی تھی۔ وہ خود اپنی اس پر چونک پڑا۔ اُسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ رما کے سامنے بھی وہ آخر ایکٹر کیوں نہیں بن سکتا ـــــ اُس کی ساری اداکاری رما کو دیکھ کر دھری کی دھری رہ گئی تھی۔ یہ کوئی ایکٹنگ نہیں تھا اُس کے لیے۔ وہ یہاں عشق کرنے نہیں آیا تھا۔ دورانِ تربیت اُس کے استاد نے اُسے فولادی اعصاب کے مالک کے خطاب سے نوازا تھا لیکن آج اُسے یوں رما

اس روئے زمین پر بسنے والے کروڑوں انسانوں کی طرح ایک بہت ہی کمزور انسان ہے۔ اس نے رما سے جو کچھ کہا یقیناً اُس کے دل کی آواز تھی۔ آج تک اُسے دماغ کے استعمال کی تربیت ہی دی گئی تھی۔ یہ دل کا معاملہ کیا تھا؟ کتنا جان لیوا تھا؟ اس کا اسے تو اُسے کبھی نہ ہو سکا۔

"کیسا لگا آپ کو ہمارا گھر" ـــــ رما نے اُسے کہیں دُور کھوئے دیکھ کر قریب لانے کی کوشش کی۔

"ہمارا گھر؟ کیا مطلب۔ بھئی میرا گھر کہو۔ اپنا گھر کیسا ہی ہو سورگ لگتا ہے سب کو۔ یہ پینٹنگز بھی تو بہت خوبصورت ہیں۔" خان نے گفتگو کا رُخ بدلنا چاہا۔

"واقعی" ـــــ؟ رما نے اپنی آنکھیں پوری طرح کھول کر بجلی گرائی۔

"ہاں تمہیں یقین نہیں آتا کیا؟"

"نہیں۔"

"کیوں؟"

"اس لیے اردن کمار جی! کہ یہ تو ایک نالائق مصورہ کی بنائی ہوئی ہیں۔"

"یعنی مس رما سمائے گی ـــــ" آشا اچانک ہی دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئی تھی۔ خان کو یقین تھا کہ وہ چھپ کر ابھی تک دونوں کی گفتگو سُنتی رہی ہے۔ اُس کی اس طرح اور رما کو واقعی ناگوار گزری تھی۔ لیکن آشا چپ نہ رہ سکی۔

"میں بھی کہوں آخر رما جی کہاں غائب ہو گئیں۔" اس نے بڑے سٹائل لہجے میں کہا۔

"رما اگر یہ تمہاری بنی ہوئی پینٹنگز ہیں تو واقعی لاجواب آرٹسٹ ہو۔ تمہارے ذہن کی ساری خوبصورتی تمہاری انگلیوں کے راستے اس کینوس پر بکھر گئی ہے۔" خان واقعی پینٹنگز سے متاثر نظر آ رہا تھا ـــــ

○

تینوں ایک دوسرے کے تعاقب میں ڈرائنگ روم میں چلے آئے۔ دونوں بیاں بھی اور کشور اُسے آتے دیکھ کر اس طرح احتراماً اٹھ کر کھڑے ہو گئے جیسے اُن کا مرشد اندر داخل ہوا ہو۔ کشور نے بھیا جی! بھیا جی! کا ورد کرتے اُسے زبردستی اپنی کرسی پر بٹھا دیا اور خود اُس کے قدموں میں بیٹھ گیا۔ اس نے ابھی سے بین پہن لی تھی۔

رات گئے تک وہ لوگ ٹی وی کے گرد جمع رہے۔ کھانا سب نے وہیں کھایا۔ اپنی اپنی تھالیاں سامنے رکھے وہ ٹی وی سکرین پر نظریں جمائے بیٹھے رہے۔ اُن کی بھوک تو جیسے بالکل ہی غائب ہو کر رہ گئی تھی۔ خان اور سمائے خان کے کمرے میں چلے آئے۔

خان نے اُسے بتا دیا تھا کہ وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اب اُس کی چوکھٹ سے آن لگا ہے۔ اُس نے سمائے کو یہ بھی بتا دیا تھا کہ مک بھر میں اُس کا ہزاروں روپیہ اُدھار میں پھنسا ہوا ہے جو محل بل بلا کر ڈیڑھ لاکھ روپے سے زیادہ کی رقم بنتی تھی اور اُس کے بھائیوں نے بڑی چالاکی سے یہ سارا اُدھار اس کے کھاتے میں ڈال دیا ہے۔"

اُس نے اپنے پاس موجود پندرہ ہزار روپے سمائے کے سامنے رکھے تو اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ سمائے کے پاس اس وقت تک اپنی سروسز کے بقایاجات میں سے بمشکل آٹھ دس ہزار روپے ہی بچے تھے۔

خان نے اُسے اس بات کے لیے رضامند کر لیا تھا، کہ سمائے اور وہ مل کر ایک کمپنی بنائیں اور خود کو فوج، پولیس وغیرہ میں رجسٹر کروا کر وہاں سے چھوٹے چھوٹے سپلائی آرڈر وصول کر لیا کریں۔ رجسٹریشن کا ذمہ بھی اُس نے خود ہی لے لیا تھا۔ سمائے نے اس کی ہدایات پر آمنا صدقنا کہا۔

خان نے اُس کے سامنے مستقبل کی ایک ایسی شاندار تصویر کھینچی تھی کہ بوڑھا سمائے ابھی سے خود کو ملک پتی ٹیلیداد ٹھوس کرنے لگا تھا۔

خان کا دل گواہی دے رہا تھا کہ وہ ضرور بطور سی یا بی کلاس سپلائر خود کو رجسٹر کروا

Scanned and PDF by Qamar Abbas

لے گا۔ رشوت سے یہاں کیا کچھ نہیں ہو سکتا تھا؟ اس کا اندازہ اُس نے بخوبی لگا لیا تھا۔ ایک سپلائر کی حیثیت سے کوں تک رسائی حاصل کر لینے کے بعد وہ اپنے ٹھگ کے لیے کیا کچھ کر سکتا تھا، اُس کا بھی اُسے بخوبی اندازہ تھا۔ سمائے کے نہ کرنے کے باوجود خان نے وہ ساری رقم زبردستی اُس کے ہاتھ میں تھما دی تھی۔

جاتے جاتے اُس نے آنکھوں میں آنسو بھر کر اور بڑے رقت آمیز لہجے میں ملگن ہاتھ سمائے سے التجا کی تھی ــــ "باپو جی! بھگوان کے لیے کبھی بھول کر بھی میرے ماضی سے متعلق کوئی بات مجھ سے نہ پوچھیے۔ میں سب کچھ بھول جانا چاہتا ہوں۔ میں یہ سمجھ رہا ہوں کہ میں نے آج ہی آپ کے گھر جنم لیا ہے اور پچھلا جنم میں بھول چکا ہوں۔"

سمائے نے بیقرار ہو کر اُسے سینے سے لگایا اور اس بات کو "شواشن" دلایا: کہ اس خاندان اور برادری کا کوئی فرد کبھی یہ تصور بھی نہیں کرے گا کہ وہ کوئی اور ہے ــــ وہ سب اس کے جذبات کا ہر طرح احترام کریں گے۔

خان کے سمجھانے پر سمائے نے یہ بھی کہا تھا کہ وہ ہر ملنے والے کو یہی بتائے گا "کہ اس کا، اُس کے مرحوم دوست کا اکلوتا بیٹا ہے جس کے ماں باپ حادثے میں مر چکے ہیں اور اب وہ اُسی کے پاس رہے گا۔"

"بہت دھنواد آپ کا باپو جی! جانے آپ کے احسانات کو بدلہ کبھی چکا بھی پاؤں گا یا نہیں ــــ" اُس نے آنکھوں سے آنسو پونچھتے ہوئے سمائے کو کہا۔

اور اتنی دیر میں رما بھی اپنی ماتا، بہن اور بھائی کے ساتھ کمرے میں داخل ہو گئی۔

اُس وقت وہ دونوں ــــ اُس کا باپو اور خان گہری سوچوں میں ڈوبے ہوئے تھے۔ اس کا باپ ــــ تو ایک جوان بیٹے کے مل جانے پر بھگوان کا بھی ہی جی میں شکریہ ادا کر رہا تھا اور ــــ خان ان خیالوں میں گم تھا کہ "مستقبل کی اس منصوبہ بندی میں کوئی خامی تو باقی نہیں رہ گیا؟"

"آپ لوگ کہاں کھو گئے ہیں؟" اُس کی ماتا نے سہائے کو جھنجوڑا تو وہ بولا۔

"یہیں تو ہم ہیں ـــــ اسی کمرے میں۔"

"تو پھر بچوں کو سونے دیں ناں۔" ماتا بولی، "رات کافی بیت گئی ہے۔"

یہ سُنتے ہی سب نے اپنے اپنے کمروں کی راہ لی۔

رات کافی دیر تک وہ مکان کی چھت پر رما سے باتیں کرتا رہا؛ اُس کے کالج کی باتیں، اُس کی دوستوں کی باتیں، اُس کے مشاغل کی باتیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اپنے اور اُس کے مُستقبل کی باتیں۔ پھر وہ اپنے کمرے میں آکر لیٹ گیا۔

وہ رات اُس نے کروٹیں بدلتے ہی گزار دی۔ رات دیر گئے اُسے نیند آئی تھی۔ گھر والوں نے بھی اُسے جگانا مناسب نہ جانا اور جب وہ بیدار ہوا تو سورج خاصا چڑھ آیا تھا۔ رما، آشا اور کشور پڑھنے جا چکے تھے۔ سہائے دوپہر کا سودا سلف لانے چلا گیا تھا۔ اُسے بیدار ہوتے دیکھ کر ماتا جی اُس کے لیے چائے لے آئیں۔

سہاکر اِس کی طبیعت خاصی نکھر آئی تھی۔ ناشتے سے فارغ ہونے تک سہائے بھی آگیا اور تھوڑی دیر بعد دونوں باپ بیٹا اپنے نئے بزنس کا آغاز کرنے کے لیے گھر سے روانہ ہو رہے تھے ـــــ اُنہیں آج ہی رجسٹریشن کے لیے درخواست داخل کرنی تھی۔ رجسٹریشن کا معاملہ اُس نے چٹکی بجاتے ہی حل کر لیا۔ سہائے نے تو اُسے صرف خبر ہی کر دیا تھا اور اُس کے ساتھ اُس نوجی دفتر تک گیا تھا۔ جہاں اُنہیں درخواست جمع کرانی تھی۔

ـــــ یہاں اُس کے دھرم پُتر اُردن کمار نے جانے کیسے اُس چپراسی کو تاڑ لیا تھا جو بڑے صاحب کے دفتر کے باہر پہرے پر کھڑا تھا ـــــ ایک کونے میں لے جا کر اردن نے اُس سے کچھ باتیں کیں اور پھر دونوں ہنستے ہوئے ایک دوسرے سے جُدا ہو گئے۔

Scanned and PDF by: Qamar Abbas

سہائے گھر آنا چاہتا تھا۔ دوپہر خاصی ہو چلی تھی اور اُسے بازار کا کھانا کھانے کی عادت نہیں تھی۔ وہ تو نوکری کے دنوں میں بھی دوپہر کا کھانا گھر سے لے کر جایا کرتے تھے۔

"گھر چلیں آپ؟" ـــــ اُنہوں نے خان کی طرف دیکھا۔

"نہیں باؤ جی! شما کیجئے۔ ابھی آپ کو تھوڑا انتظار کرنا ہوگا۔ دس منٹ بعد ہمارا ایک دوست آئے گا۔ اُس کے ساتھ ہم اکٹھے ہی کسی ہوٹل میں کھانا کھائیں گے۔ اردن کمار نے بڑے معذرتی لہجے میں کہا۔

"جیسی تمہاری اچھیا!" ـــــ باؤ جی اپنے ہونہار پُتر کی کسی بات کی مخالفت نہیں کر سکتے تھے۔

وہ لوگ دفتر کی انتظار گاہ کے ایک کونے میں بیٹھ رہے۔ واقعی پورے دس منٹ بعد اُنہوں نے چپراسی کو اُس طرف آتے دیکھا ـــــ وہ انہیں اشارہ کرتا ہوا آگے نکل گیا۔ تھوڑی دیر بعد تینوں ایک ہوٹل کے کیبن میں بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ سہائے اور خان نے تو ویشنو کھانا کھایا تھا جبکہ چپراسی رُلیا رام نے اپنے لیے میٹ کی ڈبل پلیٹ طلب کی تھی۔ وہ اُن دونوں کے سامنے اتنی ڈھٹائی سے کھانے پر ٹوٹا ہوا تھا جیسے اُن کا کوئی دیرینہ اور بے تکلف قسم کا آشنا ہو۔

خان نے اُسے اپنی مجبوری بتائی تھی کہ شریف لوگ ہونے کے ناطے وہ دفتروں کے چکر نہیں لگا سکتے اور یہیں اگر معاملہ ختم ہو جائے تو بہتر ہے۔

"ہم کسی کا حق نہیں ماریں گے بھائی صاحب! لیکن غریب لوگ ہیں اور نیا نیا دھندا شروع کر رہے ہیں۔" اس نے قریباً گھگھیاتے ہوئے رُلیا رام سے کہا۔

"آپ شریف آدمی ہیں مہاراج! ہم آپ کا کام کروا دیں گے۔"

خاصی ردوقد کے بعد بالآخر معاملہ دو ہزار پر ٹھہرا۔ خان نے اُسی وقت ایک ہزار

Scanend and PDF by: Qamar Abbas

روپیہ اُسے دے دیا اور رُدیا رام نے ایک ہفتہ بعد آکر رجسٹریشن لے جانے کا کہہ دیا۔

"کمال ہے بھئی تم نے تو ہاکن کو ٹکن بنا دیا"۔۔۔ ہوٹل سے باہر نکلتے ہی سہائے نے بے اختیار اُسے داد دی۔

"ابھی آپ نے دیکھا ہی کیا ہے باپو جی!"۔۔۔ اُس نے دل ہی دل میں کہا لیکن زبان سے کچھ نہ بولا۔ صرف "آپ کی دعاؤں کا صدقہ" کہہ کر خاموش ہو رہا۔

○

باپو جی کے ساتھ جب وہ گھر واپس پہنچا تو سب ہی لوگ گھر آچکے تھے۔ کشور اپنا ڈیک دکھانے کے لیے کالج کے دو تین لڑکوں کو ساتھ لایا تھا اور اُن پر خاصا رعب جھاڑ رہا تھا۔ خان نے شام تک کا وقت اُن لوگوں کے ساتھ گزارا پھر ایک کام کا بہانہ کر کے باہر چلا گیا۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ صفدر جنگ روڈ کی جانب سڑک کے اُس حصے کی طرف جا رہا تھا۔ جہاں سرکاری دفاتر بنے تھے۔۔۔ وہیں اُس نے ٹیکسی روکی اور پیدل ہی اُتر کر ایک طرف چل دیا۔

دفاتر میں چھٹی کا وقت ہو چکا تھا اور یہ شاہراہ خاصی معروف دکھائی دے رہی تھی۔ اُس نے جان بوجھ کر پندرہ بیس منٹ مزید ضائع کر دیے پھر مختلف بلاکوں کا چکر لگا کر بالآخر ایک تین منزلہ عمارت کے سامنے رُک گیا۔ اس عمارت کے باہر انگریزی کے حروف میں ایک چھوٹا سا بورڈ لگا تھا جس پر "نیشنل ریسرچ سیل" لکھا تھا۔

اس ریسرچ سیل میں کیا گل کھلایا جا رہا تھا؟ اس کی کچھ خبر تو خان کے مُلک کو تھی لیکن حال ہی میں اس سیل سے متعلق کچھ زیادہ ہی تشویشناک اطلاعات مل تھیں۔

۔۔۔ اگلے روز بھارتی انٹیلی جنس ایجنسیوں کے سربراہان کی ایک خصوصی خفیہ میٹنگ منعقد ہو رہی تھی اور اُسے اسی میٹنگ میں ہونے والی کارروائی کی رپورٹ حاصل کرنا

تھی۔ یہاں آکر اُس کے لیے یہ اطلاع ایک طرح سے نئی تھی کہ بھارتی انٹیلی جنس ایجنسیوں کے بعض اہم نوعیت کے دفاتر کو رناموں سے کام کر رہے یہ نیشنل ریسرچ سیل بھی اسی قماش کا ایک ادارہ تھا۔

جب اُسے یقین ہو گیا کہ اعلیٰ افسران اب اپنے اپنے گھروں کو سدھار چکے ہیں؛ تو وہ بھی اپنا بریف کیس سنبھالتا اندر داخل ہو گیا۔

یہاں مین گیٹ پر سیکورٹی کے انتظامات اتنے معمولی نوعیت کے تھے کہ خود خان بھی ایک لمحے کے لیے یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ کیا نیشنل ریسرچ سیل کی بھائے واقعی یہ کوئی علمی تحقیقاتی ادارہ ہی تو نہیں۔ کیونکہ ابھی تک کسی نے اُسے چیک نہیں کیا تھا۔

وہ پہلے اُسے اس بات کا اندازہ ہو گیا کہ یہاں زیادہ تر اُنہی لوگوں کی آمد و رفت رہتی ہے جو اس دفتر کے معاملات میں عمل دخل رکھتے ہیں اس لیے شاید اُسے بھی انہی لوگوں میں سے کوئی سمجھا جا رہا تھا کیونکہ اُس نے ابھی تک اپنی کسی حرکت سے خود کو اجنبی ظاہر نہیں کیا تھا اور اسی طرح بے دھڑک اندر گھس رہا تھا جیسے وہ کوئی بڑا سیکورٹی آفیسر ہو۔

اُس کے دائیں بائیں بھی لوگ آجا رہے تھے لیکن شاذ ہی کسی نے کسی سے بات کی ہو! خان نے بھی کچھ پوچھنا مناسب نہ سمجھا۔ وہ ایک راہداری میں چل رہا تھا جس کے دونوں اطراف کمرے بنے ہوئے تھے۔ ان کمروں کے باہر مختلف عہدوں کے ساتھ مختلف ناموں کی تختیاں لگی ہوئی تھیں اور جلد ہی اُسے اپنا مدعا پورا ہوتا نظر آیا۔ ایک کمرے کے باہر "ڈائریکٹر ریسرچ سیل" مسٹر کے۔ ڈی موترا" لکھا ہوا تھا۔

کمرہ بظاہر بند نظر آرہا تھا لیکن اس کے بغلی کمرے میں کسی کی موجودگی کا احساس ہوتا تھا۔ ایک لمحے کے لیے اُس نے کچھ سوچا پھر اُس کمرے میں جا گھسا۔

ایک میز کے کونے پر بیٹھی ایک ٹائپسٹ لڑکی ٹائپ رائٹر پر انگلیاں چلا رہی تھی۔

Scanned by Qamar Abbas

اور اس کے سامنے والی کرسی پر ایک بابو بیٹھا تھا۔ ٹیلیفون دھرے تھے اور ایک کونے میں ٹرانسمیٹر سیٹ دھرا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے کسی نے جلدی میں یہاں رکھ دیا ورنہ شاید ایسی غلطی ایسے "محفوظ ادارے" میں کبھی بھی نہ کی جاتی! اُسے اندر داخل ہوتے دیکھ کر دونوں چونک اُٹھے۔

"کیپٹن شکلا!" ۔۔۔ اس نے دونوں کو کچھ پوچھنے کا موقعہ دیے بغیر کہا۔ "مجھے مسٹر ملہوترا سے ملنا ہے۔"

جیسے ہی اُس کے مُنہ سے "کیپٹن" کے الفاظ نکلے وہ دونوں اپنی اپنی جگہ مؤدب کھڑے ہو گئے۔

"سر وہ تو آف کر چکے ہیں۔" مرد نے جو غالباً سیکرٹری تھا جواب دیا۔

"اوہ مائی گڈنیس ۔۔۔ میں تو سرحد سے آیا تھا۔ کچھ پیپر سائن اور کرنے ہیں۔ فلائیٹ لیٹ ہو گئی اور آج رات ہی مجھے ٹیک آف کرنا ہے ۔۔۔" اس کا لہجہ بالکل فوجی قسم کا ہو رہا تھا۔ "میرا یہ فسٹ وزٹ ہے۔ خیر کل سہی۔"

"او۔ کے سر۔" سیکرٹری نے کھڑے کھڑے کہا۔

"تھینک یو۔ اٹ از کوئیٹ ایسنشل ۔۔۔" اس کا لہجہ خاصا باوقار ہو گیا تھا۔

پھر جیسے ہی وہ واپسی کے لیے گھوما لڑکی اور مرد دونوں کے ہاتھ سیلوٹ کے لیے اُٹھ گئے جس سے خان نے اندازہ لگا لیا کہ ان دونوں گدھوں کا تعلق بھی آرمی ہی سے ہے۔

اُسی طرح باوقار چال چلتا وہ باہر نکل آیا۔ یہ مرحلہ اتنی آسانی سے طے ہو جائے گا، اُس نے تو سوچا بھی نہ تھا۔ عمارت میں موجود لوگوں سے بالکل لاپرواہ چلتا ہوا وہ باہر نکل آیا۔ باہر سڑک پر لوگوں کی آمد و رفت کچھ ماند پڑ گئی تھی۔

خان چاہتا تو اسی وقت کے بالکل سامنے سے سواری پکڑ سکتا تھا لیکن اُس نے جان بوجھ کر اس سے احتراز برتا اور پیدل ہی سڑک کے کنارے بنی فٹ پاتھ پر چلنے لگا۔

جلد ہی اُس کی محنت داؤ لگ گئی اور اُس نے وہ آدمی نوٹ کر لیا جو کافی دیر سے اُس کا پیچھا کر رہا تھا۔ ایک مسکراہٹ خان کے ہونٹوں پر پھیلتی چلی گئی ۔۔۔ "ریسرچ سنٹر کے لوگ بالکل محفوظ واقع ہوئے تھے۔" اب وہ اس نتیجے پر پہنچ گیا تھا۔

تعاقب کرنے والا اُس سے بمشکل دس بارہ گز دور تھا اور دونوں کے درمیان کچھ اور لوگ بھی پیدل چل رہے تھے۔ چلتے چلتے اچانک ہی اُس نے ایسی حرکت کی کہ تعاقب میں آنے والا بوکھلا کر رہ گیا۔ خان سڑک کے کنارے بنے ایک چھوٹے سے بک سٹال پر یک لخت غائب ہو گیا۔ تعاقب میں آنے والے کے پاس سوائے اس کے اور کوئی راستہ باقی نہ بچا تھا کہ وہ اپنی دھن میں اُسی طرح آگے نکل جائے۔ کیونکہ خان نے اُسے خاصا قریب آنے دیا تھا جو اُس کی حرکت کی تھی۔ اور جیسے ہی تعاقب میں آنے والا اُس سے آگے نکلا وہ اچانک ہی دائیں طرف گلی میں گھوم گیا۔ اس گلی میں آمد و رفت کچھ زیادہ ہی ہو گئی تھی۔ خان نے اتنی تیزی سے مختلف آنے جانے والوں کے آگے پیچھے ہو کر پوزیشن بدلی کہ جب تعاقب کرنے والے نے مُڑ کر دیکھا تو واقعی وہ چکرا کر رہ گیا۔ اُس نے گلی کے سرے تک دوڑ دوڑ کر نظریں دوڑائیں لیکن "کیپٹن شکلا" کو تو جیسے زمین کھا گئی تھی یا آسمان نے نگل لیا۔

○

اس گلی میں وہ رُکا نہیں ۔۔۔!

بڑی تیز رفتاری سے اُس نے مختلف گلیاں بدلی تھیں اور اب ٹیکسی میں سوار مغرب سمت کی طرف جا رہا تھا۔ ایک گھنٹے میں تین مختلف ٹیکسیاں بدلنے کے بعد وہ اس کالونی سے کچھ فاصلے پر بنی دوسری کالونی پر اُتر گیا اور ٹیکسی کے نظروں سے اوجھل ہونے کے بعد پیدل چلتا اپنے گھر کی طرف آ گیا۔

اس کے گھر پہنچنے تک کھانا تیار ہو چکا تھا اور اب وہ لوگ اُسی کے انتظار میں

Scanned and PDF by: Qamar Abbas

بیٹھے تھے۔

تھوڑی دیر بعد ہی وہ سب ٹی۔وی کے سامنے بیٹھے کھانا کھا رہے تھے! اس وقت سہائے نے خان کے آج کے کارنامے اُن لوگوں کے گوش گزار کر دیے تھے اور اب وہ اُس کے سامنے قدِ مکرر کے طور پر دھرا رہا تھا۔ باقی سب تو اُس کی تعریف میں رطب اللسان تھے جبکہ خان اس طرح نظریں جھکائے بیٹھا تھا جیسے اپنی اس حرکت پر شرمندہ ہو۔

کھانا ختم ہونے پر وہ رُما کے ساتھ اس کے کمرے میں چلا آیا۔

"دیوی جی اگر آپ کو زحمت ہو تو میں آپ کی خوبصورت صحبت حاصل کر سکتا ہوں؟" اُس نے رُما سے کہا۔

جواب میں رُما صرف لجا کر رہ گئی۔

"میرے خیال سے آپ کو آج دہلی کی سیر نہ کروائی جائے۔"

"ارے کیوں نہیں بیٹا! ضرور ضرور" ــــ مسز سہائے نے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا۔ اُن کے لیے تو یہ بڑا ہی نیک شگون تھا اگر اُن کا دھرم پتر اُن کی پُتری کو پسند کر لیتا۔

"اس سے پہلے کہ اور کسی کو خبر ہو۔ میرے خیال سے ہمیں نکل جانا چاہیے۔ کیوں؟"

"ہاں ہاں۔ جاؤ بیٹا" مسز سہائے نے شرماتی لجاتی رُما سے کہا۔ اور خود کمرے سے نکل گئیں۔

"میں ذرا کپڑے تو بدل لوں۔" رُما نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا۔

"ارے ارے یہ غضب نہ ڈھانا۔ میں تو پہلے ہی ــــ" فقرہ نامکمل چھوڑ کر وہ بھی اور رُما ایک مرتبہ پھر شرم سے دوہری ہو گئی۔

○

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں ایک ٹیکسی میں "کرول باغ" کی طرف جا رہے تھے۔

اس وقت وہی ساڑھی پہن رکھی تھی جو خان اُس کے لیے خاص طور سے خرید کر لایا تھا۔ یہ ساڑھی پہن کر وہ باہر نکلی تو خان کو اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا۔ "کیا زمین کا کوئی باسی اتنا حسین بھی ہو سکتا ہے؟" اُس نے سوچا اور رُما کی طرف دیکھتا ہی رہ گیا ــــ اس بڑی بڑی لڑکی اُس کے ذہن پر چھا رہی تھی کہ وہ خود کو اُس کا کوئی "معمول" سمجھنے لگا تھا۔

کرول باغ پہنچنے تک خان پر ایک بے خودی کی کیفیت طاری رہی اور اسی کیفیت میں وہ رُما سے دُنیا بھر کی باتیں کرتا رہا۔ اُس نے اپنے سکول اور کالج کے زمانے میں نامی کو کبھی چکھا تک نہیں تھا لیکن آج جیسے اُسے میر اور غالب کے تمام دیوان ازبر ہو گئے تھے۔ اُس نے سوچا غزل واقعی اتنی خوبصورت ہی ہوتی ہو گی۔

"کیا دیکھ رہے ہیں آپ اس طرح؟" ــــ اُس کی محویت نے رُما کو بھی چونکا دیا۔

"تمہاری آنکھوں میں جیتی جاگتی زندگی دیکھ کر سوچتا ہوں رُما، کہ کیا یہ ہی وہ آنکھیں ہیں۔ جن میں ڈوب کر کسی شاعر نے ان میں ڈوب کر مر جانے کی آرزو کی تھی ــــ؟ سچ رُما واقعی آنکھوں میں ڈوبنے کے بعد زندگی بے معنی سی شے بن کر رہ جاتی ہے۔"

خان جیسے سکتہ ہو گیا تھا اُس کے کان کی لویں سرخ ہو رہی تھیں کیونکہ اُس نے ڈرائیور کو اپنے سامنے لگے شیشے میں مسکراتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ شاید وہ ان کی باتیں بڑے غور سے سُنتا آیا تھا۔

"اس کمینے!" رُما نے اُس کے بازو کو چھو کر شاید ڈرائیور کی موجودگی کا احساس دلایا تھا۔

[illegible] سے کچھ پہلے ہی انہوں نے ٹیکسی چھوڑ دی۔ رما نے کچھ نہ پوچھا اور اُس کے ساتھ [illegible] گی۔

"[illegible] ہے بھئی کم از کم یہ تو پوچھ لو ہم جا کہاں رہے ہیں؟"

"کیوں! کیوں پوچھوں! کمار جی! جب آپ پروشاشن کر ہی لیا تو میں اپنے من

Scanned and PDF by Qamar Abbas

میں آپ کے متعلق کوئی شک شبہ کیوں رکھوں پھر آپ ہی تو ایک ہیں جو میرے ہیں میں آئے۔ اس خالی خالی زندگی میں کتنا خلا تھا آپ کے بغیر! آپ نہیں جانتے میں نے کتنی تپسیا کی تھی آپ کے لیے! آپ جیسے کسی کے لیے! اب میری تپسیا پھل ہوئی ہے تو میں کچھ سوچنے کے لائق رہی ہی نہیں۔"

جتنے اعتماد سے رما یہ بات کر رہی تھی۔ اُس نے خان کو بوکھلا کر ہی رکھ دیا تھا۔ یہ مذاق اتنا سنگین بھی ہو سکتا تھا؟ اُس نے کبھی سوچا ہی نہیں تھا۔ اپنی طرف سے وہ چہل قدمی اور تنہائی کا جواز پیدا کرنے کے لیے ہی رما کو لایا تھا اور اب اُس کے ساتھ باتیں کرتا دونوں اطراف پھیلی کوٹھیوں کی قطار پر نظریں ڈالتا چلا جا رہا تھا۔

دونوں باغ کے ایک تاریک کونے میں گھنٹوں بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ رات خاصی گہری ہو چلی تھی جب وہ گھر واپس پہنچے۔

○

اُس رات کافی دیر تک وہ جاگتا رہا۔

اِس ملک میں تھوڑے دن گزارنے کے بعد ہی اُسے اپنی کمزوریوں کا شدت سے احساس ہونے لگا تھا اُس نے محسوس کیا کہ ان لوگوں میں ایک دوسرے کے خلاف اتنی نفرت پائی جاتی ہے کہ پنجابی ہندی کو اور ہندی گجراتی کو برداشت نہیں کرتا۔ مسلم دشمنی میں سب ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر تھے۔

مسلمانوں کے خلاف بھارت کے ہر صوبے میں نفرت پائی جاتی تھی —— پاکستان سے یہ لوگ روئے زمین پر وجود بھی برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں تھے۔ ان حالات میں اُس کی ذمہ داریاں کچھ اور بڑھ گئی تھیں۔

اُسے بتایا گیا تھا، کہ مسٹر طوسترا کی یہ عادت تھی وہ دن کو ہونے والی کسی بھی کے کاغذات کا مطالعہ ہمیشہ رات کو اپنے گھر لے جا کر کیا کرتا تھا۔ اُس کا گھر بھی ایسا

ہی جس کا خفیہ دفتر تھا۔ اس معاملے میں بھارتی یورپ کی تقلید کر رہے تھے اور معصومیت کی اُنہیں ہی زیادہ ترکام کیا جا رہا تھا۔

خان نے ملہوترہ کا بریف کیس بہر صورت اُڑانا تھا کیونکہ اس میں اُس اہم نوعیت کی فلم کی تمام کارروائی درج تھی جو بھارت میں پاکستان کے خلاف بننے والی کھچڑی پر مشتمل تھی —— بھارت کو پاکستان توڑنے کا دیرینہ خواب پورا ہوتا نظر آ رہا تھا۔

تاریخ تیزی سے اپنی سمت بدل رہی تھی۔ ایک اَن دیکھی تباہی پاکستان پر مسلط ہو رہی تھی اور ارباب بست وکشاد آنکھیں بند کیے بین کی بنسری بجا رہے تھے۔

اگلے روز ——!

علی الصباح جب اُس کی آنکھ کھلی تو گھر کے نزدیکی مندر کے سپیکر گلا پھاڑ پھاڑ کر چلا رہے تھے۔ ساتھ والے کمرے سے اُسے ہلکی ہلکی بڑبڑاہٹ سنائی دے رہی تھی۔ مسز سہائے کوئی اشلوک پڑھ رہی تھیں۔ پھر اُسے اپنے کمرے کی طرف آتے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ اُس نے دوبارہ آنکھیں موند لیں۔

اگلے ہی لمحے دروازہ کھلا اور مسز سہائے اندر چلی آئی۔ اُس نے خان کے سرہانے کھڑے ہو کر اُنہی اشلوک کا جاپ کرنا شروع کر دیا پھر اُس پر پھونک مار کر واپس لوٹ گئی۔ وہ دل ہی دل میں مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔ خدا جانے مسز سہائے نے کیا پڑھ کر اُس پر پھونکا تھا لیکن یہ اندازہ اُس نے پہلے ہی روز لگا لیا تھا کہ ماں کا برشتہ خواہ اس کی کسی بھی کمزوری کیوں نہ رہی ہو بہت نازک بھی ہوتا ہے اور بہت پائیدار بھی۔

ناشتہ سب نے اکٹھا کیا۔ یہ بظاہر مذہبی قسم کا گھرانہ تھا اور خان کو بھی بادل نخواستہ پوجا پاٹھ میں شرکت کرنا پڑی۔ رما کے ساتھ ہی وہ باہر آیا تھا۔ اُس نے رما کو ڈراپ کر کے پھر اپنے کام سے آگے جانا تھا۔

وہ کالونی سے ابھی چند قدم دُور ہی گئے تھے کہ اچانک ہی رما ٹھٹک کر رُک

Scanend and PDF by: Qamar Abbas

گئی۔ اس کی نظریں سامنے ایک رکشہ سے اُترتی لڑکی پر جمی تھیں۔ شاید اُس نے ابھی تک رما کو نہیں دیکھا تھا۔ رکشہ والے کو کرایہ دے کر جوں ہی وہ دوسری طرف گھومی اُس کی نظر رما پر پڑی اور وہ دیوانہ وار دوڑتی ہوئی اُس کی طرف آئی۔ رما نے بھی اُسے دیکھتے ہی اپنی باہیں پھیلا دی تھیں۔

"ہائے موٹی" اُس نے نعرہ بلند کیا اور "موٹی" رما کے بازوؤں میں سمٹ گئی۔ دونوں خاصی بے تکلفی کا مظاہرہ کر رہی تھیں۔

"ان سے ملئے مس رجنی۔ میری بچپن کی سہیلی۔ اسے بڑا شوق ہے جاسوس بننے کا۔" رما کے اندازِ تعارف میں جو بے ساختگی آگئی تھی اُس نے خان کو متوجہ کیا لیکن وہ آخری نعرے پر چونکے بغیر نہ رہ سکا۔

"مجھے اروِن کمار کہتے ہیں۔ بہت خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔ باقی دعوے آپ کرتی کیا ہیں؟" اُس نے دونوں ہاتھ سینے پر باندھ کر اپنا تعارف کروایا۔

"ارے میں بتاتی ہوں۔ یہ کہاں بتائے گی۔" رما بیچ میں ٹپک پڑی۔

"اے ہاہا یہ شریمتی جی سیکورٹی آفیسر بننے والی ہیں۔ ٹریننگ ہو رہی ہے ان کی ساری چربی اُتار دی کمبختوں نے تین ماہ میں۔"

"رما پلیز۔ کچھ مجھے بھی بولنے دو ناں!" رجنی نے رما کو ٹوکا اور پھر آنکھوں ہی آنکھوں میں لاکر خان سے مخاطب ہوئی۔ "میرا علم تو آپ کو ہو ہی گیا۔ اب آپ بھی اپنا تعارف کروا دیجئے ناں مہاراج! آپ کو پہلے کبھی دیکھا نہیں۔"

"بس یہی کمی ہے تم لوگوں میں۔ ذرا کسی کو دیکھ لیا اور رگِ جاسوسی پھڑکنے لگی۔ ارے یہ ہمارے فیملی فرینڈ ہیں۔" رما بولی "پاپا کے ایک دوست کے بیٹے ہیں۔ اب کچھ دن پاس ہی رہا کریں گے۔"

"اچھا تو یوں کہو ناں کہ....." رجنی نے فقرہ اُدھورا چھوڑ کر بڑے معنی خیز انداز

میں سر اثبات میں ہلایا۔

"شام کو ملیں گے اب میں کالج جا رہی ہوں۔" رما بڑی طرح گڑبڑا گئی تھی۔ اور اس سے پہلے کہ رجنی کچھ بولے وہ اروِن کمار کا ہاتھ پکڑ کر "بائی بائی" کہتے ہوئے آگے بڑھ گئی۔

"بڑی شرارتی ہے کمبخت۔ کیا مجال جو اسے ذرا بھی شرم آتی ہو کسی بات پر۔" رما کی شاید اپنی خجالت مٹانے کو کہا۔

"ویسے کیا شوق چرایا ہے اسے۔ اچھی خاصی لڑکی ہے یہ کدھر نکل گئی۔" خان نے کہہ ہی ڈالا۔

اسے بچپن ہی سے سیکورٹی میں جانے کا شوق تھا۔ جاسوسی ناول پڑھ پڑھ کر دماغ خراب ہو گیا ہے۔ تین چار ماہ پہلے ایک اشتہار عورتوں کے لیے چھپا تھا۔ درخواست دی اور معلوم ہوا ہے کہ ہماراانی بھارتی انٹیلی جنس "را" میں بھرتی ہو چکی ہیں۔ آج کل ٹریننگ کر رہی ہے۔ جلد ہی اس کی پوسٹنگ ہو جائے گی۔"

"ہرے ہرے! مجھے تو ایسی غیر رومانٹک سی لڑکیاں ایک دم زہر لگتی ہیں۔ لڑکی ہو کر پولیس کی نوکری۔ واہ!" خان نے عجیب سے لہجے میں کہا۔ لیکن اس کے دماغ میں ایک بات نے یک دم سر اُٹھانا شروع کر دیا تھا۔

"یہ لڑکی اگر رما کی اتنی گہری دوست ہے تو ضرور اُس کا آنا جانا بھی اُن کے ہاں رہتا ہو گا۔ کہیں کمبخت اس کی لپیٹ میں ہی نہ لگ جائے۔"

وہ جانتا تھا، کسی بھی خفیہ سروس سے متعلق مرد یا عورت میں تجسس کی عادت ضرور پائی جاتی ہے۔ یوں بھی دوسروں کے متعلق جاننا انسانی فطرت ہے۔ لیکن تصویر کا دوسرا رُخ بھی تھا۔ اگر وہ اس بات کا یقین رجنی کو دلا دیتا کہ وہ کوئی غیر معمولی شخص نہیں تو اس دوستی کی آڑ میں وہ اس قیمتی ہیرے سے بہت زیادہ فائدہ بھی اٹھا سکتا تھا۔

Scanned and PDF by: Qamar Abbas

"کہاں کھو گئے آپ؟" رما نے اُسے خاموش دیکھ کر چھیڑا۔

"کہیں نہیں۔ سوچتا ہوں کہ میرا الیسا الیسا شاندار کیرکٹر رہا ہوگا جو تم جیسی....."

"بس بس جانے دیجئے۔" رما نے ایک قریب سے گزرتے رکشہ کو اشارہ کیا۔

تھوڑی دیر کے بعد ہی دونوں ایک رکشہ میں رما کے کالج کی طرف جا رہے تھے۔ اس دوران خان نے گو کہ خود پر خاصی روحانیت طاری کر لی تھی لیکن اُس کا ذہن ابھی تک وجنی میں اٹکا ہوا تھا اُس نے رکشہ ہی میں رما کو بتایا تھا شاید اُسے کسی کام سے میرٹھ جانا پڑے اگر وہ رات تک گھر نہ پہنچا تو تشویش نہیں کرنی۔

○

رما کو اُس کے کالج کے سامنے اُتار کر وہ خود بھی تھوڑی دُور جا کر رکشہ سے اُتر گیا اب اُسے نئی دہلی کی طرف جانے والی بس کا انتظار تھا جو جلد ہی اُسے مل گئی۔

"ریسرچ سنٹر" کے نزدیک ہی ایک سٹاپ پر وہ اُتر گیا۔ آج اُس کا حلیہ بالکل سرکاری افسر والا تھا۔ ریسرچ سنٹر کے نزدیک اُس نے تین ایسے مقامات تاک لیے تھے جہاں سے وہ اس عمارت پر اچھی طرح نظر رکھ سکتا تھا۔

سامنے سڑک پار عمارت کے دروازے سے ذرا ہٹ کر ایک چھوٹا سا چائے کا ہوٹل بنا ہوا تھا جہاں عموماً ان دفاتر کے ملازمین ہی آتے جاتے تھے۔ یہ ہوٹل عموماً گاہکوں سے بھرا ہی رہتا تھا۔ اگر دفاتر کے ملازمین نہ ہوتے تو اُن کے گاہک "یہاں موجود رہنے" والے اس علاقے میں زیادہ تر دفاتر جان بوجھ کر ایسے رکھے گئے تھے جن سے صرف سرکاری ملازمین ہی کو واسطہ پڑتا تھا۔ اس طرح یہاں عام سویلین کو آنے کا کم ہی موقعہ ملتا تھا۔ زیادہ تر وہی یہاں آتے تھے جو ایک طرح سے سرکاری ملازمین تھے یا پھر یہاں کے ملازمین کے رشتہ دار وغیرہ۔

یہاں پہنچنے سے پہلے خان نے ایک شاندار کور سٹوری اپنے ذہن میں تیار کر لی تھی

وہ ایک سرکاری ملازم تھا اور اپنا تبادلہ رُکوانے کے چکر میں اِس طرف آیا تھا۔

ہوٹل کی ایک میز پر بیٹھ کر اُس نے چائے کے لیے آرڈر دیا۔ اُس کی آنکھوں کے عین سامنے ریسرچ سنٹر کا دروازہ نظر آ رہا تھا۔ جس میں کاروں کی آمدورفت آج معمول سے کچھ زیادہ ہی تھی۔

اُس کا دل یہاں سے اُٹھ کر کہیں جانے کو نہیں چاہ رہا تھا لیکن بہت زیادہ دیر تک یہاں ایک ہی جگہ بیٹھ کر وہ کسی کو شک میں مُبتلا کرنے کا خطرہ بھی مول نہیں لے سکتا تھا۔ اس نے کسی مطلوبہ "ساتھی" کی تلاش میں اِدھر اُدھر نظریں دوڑائیں تو جلد ہی گوہر مقصود ہاتھ آ گیا جب ایک ڈھلتی عمر کا اور گنجا ہندو اُس کے سامنے والی کرسی پر آ کر براجمان ہو گیا۔

"شاید کچھ ــــ" اُس نے بظاہر اپنے پڑھے لکھے ہونے کا ثبوت دیا۔

"کوئی بات نہیں مہاراج جی!" خان نے بڑے ادب سے لہجے میں کہا۔

"آپ کچھ پریشان دکھائی دے رہے ہیں۔" لالہ نے اُس کی آنکھوں میں جھانکا اور سچ مچ پریشان نظر آنے لگا۔

"مہاراج جی بات ہی کچھ ایسی ہے۔"

"فرمائیے شاید میں آپ کے کسی کام آ سکوں۔" گنجے لالہ نے بڑی مکاری سے دانت اندر دبا لیے۔

تھوڑی دیر بعد ہی دونوں باہم شیر و شکر ہو چکے تھے۔ خان نے اُسے بتایا تھا کہ وہ سالار استھان میں کہیں سیکورٹی کا حوالدار ہے اور اُس کا تبادلہ دہلی میں ہو رہا ہے وہ تبادلہ رکوانے کے چکر میں اِدھر آیا تھا۔ گنجے ہندو نے اُسے یقین دلا دیا تھا کہ اُس کے لیے کوئی ایسا مسئلہ نہیں جس کا حل اُس کے پاس موجود نہ ہو۔ اِس دوران وہ مزے لے لے کر خان کو اپنے کارنامے سُناتا رہا اور خان ریسرچ سنٹر کے گیٹ پر نظریں جمائے

Scanend and PDF by: Qamar Abbas

سُنتا رہا۔

لالہ نے اُسے کل اسی جگہ ملنے کو کہا تھا اور یہ بھی بتا دیا تھا کہ پانچ سو روپے میں ہی کام ہو جائے گا۔ دوپہر کا کھانا بھی اُس نے خان کی گڑھی ہی سے کھایا — اور اب وہ کل ملنے کا وعدہ کر کے واپس جا رہا تھا۔

لالہ کی معیت میں اُس کا وقت خوب کٹا تھا۔ اُس کی روانگی کے بعد وہ خود بھی وہاں سے اُٹھنے کے لیے پر تول ہی رہا تھا جب اچانک ہی وہ ٹھٹھک کر رک گیا۔ اُس نے سیاہ رنگ کی مرسڈیز کو گیٹ سے برآمد ہوتے دیکھا تھا جس میں ملہوترہ کی موجودگی ضروری تھی۔ شاید وہ اس اہم میٹنگ سے فارغ ہو کر اب گھر جا رہا تھا یا پھر سرکاری کام سے۔

خان نے فوراً عمل ادا کیا اور اُٹھ کھڑا ہوا۔ اُس کے قدم بڑی تیزی سے نزدیکی ٹیکسی سٹینڈ کی طرف بڑھ رہے تھے۔ مرسڈیز بڑی آہستہ رفتار سے چل رہی تھی۔ شاید ٹریفک کی وجہ سے یا پھر یہاں لفٹی سڑکوں پر کار کم رفتار سے چلانے کا قانون تھا! اُس کی نظریں سڑک پر رینگتی سیاہ مرسڈیز پر لگی تھیں اور قدم تیز رفتاری سے سٹینڈ کی طرف لپک رہے تھے۔

جیسے ہی کار نے پہلی گلی کا موڑ مڑنا چاہا اچانک ایک زوردار دھماکہ ہوا: گلی میں سے برآمد ہوتی ایک تیز رفتار جیپ ملہوترا کی گاڑی سے ٹکرا گئی تھی۔ ڈرائیور اس اچانک اُفتاد سے بوکھلا گیا اور گاڑی اس کے کنٹرول سے نکل کر سامنے والی دیوار سے جا ٹکرائی۔ ابھی چٹنی نہیں ہوئی تھی اس لیے یہاں کچھ زیادہ رش نہیں تھا۔ سامنے والی جیپ گاڑی کے بالکل اُوپر چڑھ آئی تھی۔ ڈرائیور کے زندہ بچ رہنے کا امکان بظاہر کوئی نظر نہیں آتا تھا۔

اُسی لمحے خان کا خوبصورت انسٹرکٹر اُس کے سامنے کھڑا تھا اور ٹریننگ سکول کے کلاس روم میں وہ دونوں مصروف گفتگو تھے — "بسا اوقات قدرت انسان کی مدد کرتی

ہے پکڑا اور بہترین جاسوس وہ ہے جو کبھی بھی کمزور لمحے سے فائدہ اُٹھائے۔ فوراً۔ ورنہ اور کوشش متی تمہارے نزدیک سے دبے پاؤں گزر جائے گی اور تم منہ دیکھتے رہ جاؤ گے۔

بجلی کے کوندے کی طرح ایک خیال اُس کے ذہن میں لپکا وہ محض چند سیکنڈ میں جائے حادثہ پر پہنچ چکا تھا۔

"بچاؤ! بچاؤ —" وہ چلایا۔

اُس کی نظریں پچھلی سیٹ پر بیہوش ہوئے کرنل ملہوترا پر جمی تھیں۔ جس کے پہلو سے ایک بریف کیس لگا ہوا تھا۔

دروازہ کھولنے کے لیے اُسے بڑی زور آزمائی کرنی پڑی تھی کیونکہ اچانک لگنے والے جھٹکے نے شاید دروازے کو لاک کر دیا تھا۔ اُس کے بریف کیس باہر نکالنے تک وہاں تین چار اور آدمی بھی پہنچ چکے تھے خان نے بریف کیس اس انداز سے پکڑ رکھا تھا جیسے وہی اس کا مالک ہو۔

لوگوں کا ایک ہجوم وہاں اکٹھا ہونے لگا تھا۔ پھر لوگ تو ملہوترا کے بیہوش جسم کو بھی کر باہر نکالنے لگے۔ خان اُنہیں مصروفِ کار چھوڑ کر آگے نکل گیا۔

○

تین چار گلیاں گھومنے کے بعد بالآخر وہ ایک ٹیکسی ڈھونڈنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس ٹیکسی کے بعد اُس نے اپنے پہلے سے مقرر کردہ ٹھکانے تک پہنچنے کے لیے تین اور گاڑیاں بدلی تھیں۔ یہ کرشمہ قدرت تھا۔ یا پھر تائید غیبی کہ اس طرح اچانک ہی اُس کا مقصود پکے ہوئے پھل کی طرح اس کی جھولی میں آن گرا تھا۔ اس طرح اچانک ہونے والی کامیابی پر احساس تشکر سے اُس کا دل بھر آیا تھا۔ اُسے آج یقین ہو چلا تھا کہ اللہ کے راستے پر چلنے والے کبھی تنہا نہیں ہوتے۔

"آرزو" ہم کے اس دوسرے درجے کے ہوٹل کو اس نے اگلے ہی روز اس مقدمے کے لیے تاڑا تھا۔ کاؤنٹر پر دو روز کا کرایہ جمع کروا کر اس نے ایک کمرے کا رُخ کیا اور تھوڑی ہی دیر بعد وہ اپنی جیب میں موجود ایک چابیوں کے گچھے کی مدد سے بریف کیس کھولنے میں کامیاب ہو چکا تھا۔

اس بریف کیس میں ٹائپ شدہ کاغذات کا ایک پلندہ رکھا تھا۔ یہ اس میٹنگ کی شاید مکمل کارروائی تھی جو آج ہی وہاں انجام پائی تھی اور اُسے پڑھ کر اپنی خصوصی رپورٹ تیار کرنے کے لیے ملبوترا اُسے گھر لے جا رہا تھا۔

خان نے ایک سرسری نظر کاغذات پر ڈالی۔ ہر ٹائپ شدہ کاغذ کے کونے پر "ٹاپ سیکرٹ" کی سُرخ مُہر لگی تھی۔ اُس کی نظریں ایک پیرہ گراف پر اٹک کر رہ گئیں:

بھارت میں بننے والی تازہ انٹیلی جنس ایجنسی "را" کی طرف سے مشرقی پاکستان کو مغربی پاکستان سے الگ کرنے کی سازش کی تفصیلات لکھی گئی تھیں۔ یہ ایک منصوبہ تھا جس پر بھارت سرکار ایک لمبی مدت سے عمل پیرا تھی۔ اب اس منصوبے کے اثرات ظاہر ہونے لگے تھے اور اس میٹنگ میں یہ طے پایا تھا کہ مشرقی پاکستان کو "بنگلہ دیش" بنانے کی گھناؤنی سازش کو عملی جامہ پہنانے کے لیے وہاں "مکتی باہنی" کے نام سے مقامی غداروں کی مدد سے ایک باقاعدہ فوج تشکیل دی جائے اور پاکستانی فوج کے خلاف علمِ بغاوت بلند کر دیا جائے۔

جوں جوں وہ پڑھتا جا رہا تھا اُس کی آنکھیں پھیلتی چلی جا رہی تھیں۔ دشمن اتنی گہری چال بھی چل سکتا ہے؟ اُس نے سوچا اور حیران رہ گیا کہ بھارت کس ڈھٹائی سے اپنے ملوث ہونے کا پروپیگنڈہ کر رہا تھا حالانکہ اصلیت کچھ اور تھی۔ تصویر کا دوسرا رُخ اُس کے تصور سے بھی زیادہ بھیانک تھا؛ اُس کا جی چاہتا تھا اُڑ کر ان کاغذات سمیت دلی پہنچ جائے اور اپنے لوگوں کو بھیج بھیج کر بتا دے: "اگر دشمن قیامت کی چال چلنے والا ہے لیکن ہر کھیل کے اپنے کچھ اصول ہوتے ہیں۔

Scanend and PDF by: Qamar Abbas

جاسوسی جذبات کا کھیل نہیں تھا! اسے عقل سے زیادہ اور دل سے کم کام لینا تھا۔

بریف کیس سے کاغذ نکال کر اُس نے تہہ کر کے یہ اس طرح اپنے کپڑوں میں محفوظ کر لیے کہ اب وہ اُس کے جسم ہی کا کوئی حصہ بن کر رہ گئے ـــــ بریف کیس ہاتھ میں اٹھائے وہ باہر نکل آیا۔ کمرے کو تالا لگا کر اُس نے چابی کاؤنٹر پر جمع کروا دی تھی۔ اُس کا کمرہ اس ہوٹل کی پُشت پر کچھ فاصلے پر موجود اُس برساتی نالے کی طرف تھا جہاں برسات کے دنوں کے علاوہ بھی ہر وقت پانی جمع رہتا تھا۔ نالے پر جا بجا لکڑی کے پُل بنائے گئے تھے۔

ایک قدرے ویران پُل سے گزرتے ہوئے اُس نے اس بریف کیس کو جس میں اب کاغذات کے بجائے پتھر بھرے ہوئے تھے، نالے میں پھینک دیا اور خود پیدل چلتا نالہ عبور کر کے دوسری طرف پہنچ گیا۔

بازاروں میں زیادہ گھومنا اُس نے مناسب نہ سمجھا اُس کا رُخ ایک سرکاری ٹیلی فون بوتھ کی طرف تھا۔ جہاں ایک کلرک کے ہاتھ میں پانچ روپے کا نوٹ رکھتے ہوئے اُس نے کال بُک کر کے اتنا کہا کہ وہ اس سے ٹرنک لائن لے کر کھٹمنڈو کا ایک ٹیلی فون نمبر ملائے اُس نے اپنے "بھیجا جی" کو "دیدی" کی "سرتیو" کی خبر دینی ہے۔

کچھ تو اُس کے آنسوؤں ہی سے بے چارے کلرک بابو کا دل پسیج گیا اور رہی سہی کسر پانچ کے نوٹ نے پوری کر دی۔ کلرک نے اگلے کلرک سے بات کی اور سرکاری فیس کے دو روپے زیادہ ادا کرنے کے عوض بمشکل پندرہ بیس منٹ بعد ہی وہ نیپال کے دارالحکومت کھٹمنڈو میں اپنے "بھیجا جی" سے گفتگو کر رہا تھا۔ اُس نے روتے ہوئے بھیجا جی کو "دیدی کی سرتیو" کی اطلاع دی اور اپنے ہوٹل کا ایڈریس بھی بتا دیا۔

دوسری طرف سے اُس کے "بھیجا جی" نے اظہارِ افسوس کرتے ہوئے اُسے آج رات کے آخری شو پر ریالٹو سینما میں ملاقات کا وقت دے دیا۔ مختصر سی گفتگو کے بعد سلسلہ

Scanned and PDF by: Qamar Abbas

منقطع ہو گیا۔

خان ہوٹل واپس آ گیا ——!

آخری شو تک کا وقت اُس نے ہوٹل کے کمرے ہی میں گزارا۔ بازار سے ایک بوتل کا تھیلا خرید کر اُس نے کاغذات کو بڑے سلیقے سے اُس میں پیک کیا اور آخری شو شروع ہونے سے کچھ ہی دیر پہلے رویالٹو سینما میں پہنچ گیا۔

مقررہ وقت پر اچانک ہی ایک کونے سے گیان سنگھ نمودار ہوا۔ کیونکہ چند روز پہلے ہی دونوں کی ملاقات ہوئی تھی۔ پھر یہ ملاقات بھی تو اُس کے ذہن پر نقش ہو چکی تھی اُسے ایک مخصوص اشارہ کرتے ہوئے گیان سنگھ آگے نکل گیا۔ اُس کا رُخ ٹکٹ جاری کرنے والی کھڑکی کی طرف تھا۔ غم کوئی خاص رش نہیں لے رہی تھی۔ شاید کوئی پرانی فلم تھی۔ خان نے تو اُس کا نام پڑھنے کی زحمت بھی گوارا نہیں کی تھی۔ جیسے ہی گیان سنگھ ٹکٹ لے کر سیڑھیوں کی طرف بڑھا خان اُس کے تعاقب میں لپکا۔

تھوڑی دیر بعد دونوں ایک باکس میں جو صرف دو سیٹوں پر مشتمل تھا بیٹھے تھے۔ دونوں نے ابھی تک رسماً ایک دوسرے کی خیریت دریافت کرنے کے علاوہ اور کوئی بات نہیں کی تھی۔

"میرا خیال ہے تم اپنی امانت اب لے ہی جاؤ" خان نے فلم شروع ہونے کے بمشکل دس منٹ بعد ہی کہا۔

"ہاں ہاں" —— گیان سنگھ شاید کسی اور دُنیا میں پہنچ چکا تھا۔

خان نے بوتل تھین لفافے میں لپٹے کاغذات اُسے تھما دیئے! اس میں اس کا ایک پیغام بھی شامل تھا۔ اُسے علم تھا: اگلے روز تک بہر صورت یہ کاغذات اُس کے ہاتھ پہنچ جائیں گے۔

گیان سنگھ نے کاغذات وصول کرنے کے بعد جلد ہی اُنہیں اپنے جسم کا حصہ بنا

چند منٹ مزید اُس کے ساتھ گزارنے کے بعد اُس نے خان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اُسے باہر کی طرف متوجہ کیا۔ یہ اُس کی روانگی کا اشارہ تھا۔ خان نے اپنا دایاں ہاتھ آگے بڑھا دیا۔

"فی امان اللہ" —— گیان سنگھ نے اُس کے کان میں سرگوشی کی اور دبے قدموں باہر نکل آیا۔

"فی امان اللہ" —— خان نے بھی خدا سے اُس کی سلامتی کی دُعا کی۔ اُس نے پلٹ کر اِس اُدھر نہیں دیکھا تھا۔

Scanend and PDF by: Qamar Abbas

دھنک کے ساتوں رنگ

گیان سنگھ کی روانگی کے بمشکل پندرہ منٹ بعد وہ بھی اسی طرح باہر نکل آیا اور اس سے قریباً دو اڑھائی میل دور جا کر اس نے گھر جانے کے لیے رکشہ پکڑا۔

موٹل میں اب اس کا کوئی کام باقی نہیں رہا تھا، احتیاطاً اس نے ایک ٹیلی فون بوتھ سے ہوٹل فون کر دیا: کہ آج رات کسی کام سے باہر جا رہا ہے اس لیے نہیں آسکے گا۔ اس نے کاؤنٹر کو بھی بتا دیا تھا کہ اگر اس کے متعلق کوئی فون وغیرہ آئے تو وہ نوٹ کر لیں۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ افراتفری میں کوئی بھی مشتبہ قدم اٹھائے۔ ہوٹل کو فون کرنے کے دس پندرہ منٹ بعد اس نے احتیاطاً آواز بدل کر اپنے لیے کسی مدن لال کی طرف سے ایک تجارتی سا پیغام بھی لکھوا دیا تھا۔

رکشہ اس نے حسبِ سابق گھر سے دو تین فرلانگ دور ہی چھوڑ دیا تھا اور اب پیدل گھر کی طرف جا رہا تھا۔

عین اُن لمحات میں جب وہ گھر داخل ہو رہا تھا اس نے رجنی کو گیٹ سے باہر آتے ہوتے دیکھا۔ یہ اس کے لیے کوئی انہونی بات نہیں تھی۔ وہ جانتا تھا کہ رجنی کبھی بھی آنا ہوتا تو بھی وہ اس کے متعلق جاننے کے لیے ضرور آتی۔ لیکن اس کے ساتھ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ جگن ناتھ سہانے کوئی بچہ نہیں، منجھا ہوا ایٹارنی ڈٹیکٹو مکاری اور یہ بھی: کہ وہ خان جیسی سونے کی چڑیا کے متعلق کسی کو غلط لائن پر سوچنے کا موقع

کے لیے تیار نہیں ہوگا۔

یوں بھی خان نے احتیاط سمائے اور اس کے گھر والوں کو اپنے متعلق استفسار کرنے والوں کو مطمئن کرنے کے لیے جو کہانی بتائی تھی اُن لوگوں کے لیے سوائے اس کے کوئی چارہ ہی نہیں رہ گیا تھا کہ وہ یہی کہانی ہر کسی کو سناتے ورنہ اُن سے متعلق بھی تو بڑی گھٹیا قسم کی افواہیں لوگ پھیلا سکتے تھے۔

○

خان اچانک ہی رجنی کے سامنے آ گیا تھا۔

"ارے آپ! مہاشے جی آپ کہاں مٹرگشت کر رہے ہیں، میں تو آپ ہی کے درشن کو آئی تھی۔"

"اے ہی قسمت! تُو نے بھی مجھے آج ہی گھر سے غائب کرنا تھا۔" خان کی بات پر رجنی بے ساختہ قہقہہ لگا گیا۔

"نہیں مہاشے جی! ایسی بھی کوئی بات نہیں۔ ابھی میں آٹھ روز یہیں ہوں۔ آپ کو بور کیا کروں گی ــــ اور یوں بھی میں رما کی ایک ہی بچپن کی دوست ہوں اور ہم میں اتنی دوستی ہے کہ ہم ہر چیز بانٹ کر کھاتی ہیں۔"

رجنی صرف بیباک سی ہندو لڑکی ہی نہیں تھی پولیس کی تربیت یافتہ بھی تھی اور خان کو ایسے ہی کسی جواب کی توقع تھی۔

"تب تو مجھے اُمید کرنی چاہیئے کہ آپ کی روانگی تک ارون کمار نام کا ایک شخص یہاں موجود نہیں ہوگا۔"

"خدا نہ کرے۔ اچھا آگیا دیکھیے! میں کسی نے چھپ کر دیکھ لیا تو بدنام ہو جائیں گے۔" رجنی نے قہقہہ لگایا۔ خان کے آگے بڑھے ہاتھ پر زور سے ہاتھ مار کر اور "ہائے" کہتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔

Scanend and PDF by: Qamar Abbas

گھنٹی بجانے پر کشور دروازہ کھولنے باہر آگیا اور اُس کے تعاقب میں آشا بھی چلی آئی:

"ہائے بھیّا ــــ دونوں نے اُسے دیکھتے ہی نعرہ لگایا۔

"میں نے تو ابھی تک کھانا نہیں کھایا۔ میرا من کہتا تھا آپ ضرور آئیں گے اس موٹی نے کھالیا" کشور نے آشا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنے نمبر بنائے۔

خان مسکراتا ہوا اندر چلا گیا۔ گھر کے باقی لوگ ٹی۔وی کے سامنے بیٹھے تھے اپنے دونوں بچوں سمیت آئی ہوئی تھی کیونکہ اگلے روز اتوار کی چھٹی تھی اور وہ سب یہ وقت مل جُل کر اردن گزارنے کے ساتھ بسر کرنا چاہتے تھے۔

"کہاں چلے گئے تھے بیٹا! اتنی دیر" ــــ مسز سہائے نے اس کی بلائیں لیتے کہا۔

"ماتا جی! بات یہ ہے کہ مجھے دراصل آپ کا یہاں رہنا اچھا نہیں لگتا۔ جو لوگ اتنی بڑی بڑی کوٹھیوں میں رہتے ہیں وہ کوئی آسمان کی مخلوق تو نہیں بس آپ دیکھ لینا چند مہینوں کی بات ہے پھر اپنا بنگلہ ہوگا، کار ہوگی اور اور ...."

اور کیا ہوگا؟" رمانے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے مداخلت کی ــــ وہ شکایت بھری نظروں سے اُس کی طرف دیکھ رہی تھی: "جانتے ہیں رجنی نے کتنا کیا آپ کا۔ ابھی گئی ہے۔"

"سوری، کان پکڑتا ہوں۔ آئندہ ایسی غلطی نہیں ہوگی" خان نے باقاعدہ کان کھا اس نے رما اور کشور کے ساتھ کھایا۔ آج وہ خود کو بہت ہلکا پھلکا اور پُرسکون محسوس کر رہا تھا۔ اس طرح اچانک قدرت نے کامیابی جو اُس کا مقدر کر دی تھی۔ اس کو کہ اپنے ذہن میں ملہوترہ کے گھر میں گھس کر بریف کیس اُڑانے کے دو تین منصوبے بنا رکھے تھے لیکن قدرت کو شاید اُس پر جلد ہی رحم آگیا تھا۔

وہاں جانتا تھا کہ ملہوترا کا بریف کیس غائب ہونے پر بھارتی سیکورٹی کے ایوانوں میں آگیا ہوگا اور وہ لوگ شکاری کتوں کی طرح اُس کی بُو سونگھتے پھر رہے ہوں گے۔ اور اس بات کا احساس اُس کے علاوہ اُس کے افسران کو بھی تو تھا جو جج اُسے ہدایات بھیجنے والے تھے لیکن کس طرح؟ اس کا اُسے بھی علم نہیں تھا۔ صرف اُس کو اپنے دہلی کے "سیف ہاؤس" کی اطلاع پہنچادی تھی اور وہ جانتا تھا کہ اُس کے سرگرم عمل ساتھی پہلے ہی اُس کی حفاظت سے بے خبر نہیں رہے ہوں گے۔

○

جلدی اُس نے گھر والوں کی باتوں سے چھٹکارا حاصل کر لیا۔ پھر رما کے ساتھ وہ باہر نکل آیا۔

ایک سٹور سے دونوں نے بوتلیں پیئیں۔ یہاں سے خان نے احتیاطاً ایک اور فون رما کی طرف سے اپنے ہوٹل کو کر دیا اور اپنے لیے پیغام بھی لکھوا دیا۔

راستے میں دونوں نے زیادہ گفتگو رجنی کے متعلق ہی کی تھی۔ رما نے اُسے بتایا کہ اس کے بچپن کی واحد دوست ہے۔ اُس کا باپ بھی ریلوے میں آفیسر تھا۔ رجنی کو کچھ غنڈے اٹھا کر لے گئے تھے جنہوں نے اُس سے زیادتی کی اور پھر اپنا جرم چھپانے کے لیے اُسے جان سے بھی مار ڈالا ــــ رجنی اُن دنوں ہائی سکول میں پڑھتی تھی۔ اس کے اندر بڑی عجیب تبدیلی پیدا ہو گئی، رما بولی، "چپ چاپ رہنے والی گھبرو بیٹ اور غصے کا شکار رہنے لگی تھی۔ اس کے اندر لاشعوری طور پر ایک انتقام پا رہا اور وہ اُن غنڈوں کو مار ڈالنا چاہتی تھی جنہوں نے اُس کی معصوم زندگی برباد کر ڈالا تھا۔ رجنی کا کوئی بھائی نہیں تھا۔ صرف ایک بہن اور تھی ــــ غنڈے معمولی سی سزا کے بعد جیل سے رہا ہو گئے۔"

Scanned and PDF by: Qamar Abbas

اور اُس کی لمبی چوڑی تقریر کا خان پر کیا اثر ہوا ہے؟ یہ ٹٹولنے کے لیے وہ بولی۔

"پاگل ہے۔ میں نے تو اسے کہا ہے کچھ بھول جاؤ لیکن نہیں بھولتی ــــ اور شاید میرا من کہتا ہے کہ اس نے یہ نوکری بھی اسی آتش انتقام کو ٹھنڈا کرنے کے لیے کی ہے ورنہ تو وہ اندر سے ایک آرٹسٹ ہے۔ مکمل آرٹسٹ ــــ"

"بہت بہادر لڑکی ہے۔"

"ابھی سے متاثر ہونے لگے آپ اس سے۔" رما مسکرائی۔

"تم سے ملنے کے بعد کوئی کسی اور سے متاثر ہو سکتا ہے کیا؟" خان نے بیباکی سے اُس کی آنکھوں میں جھانکا جہاں ایک پُراسرار سی مقناطیسیت گھر کیے ہوئی تھی ــــ رما کی آنکھوں میں اُسے ہر لمحہ نئے ہی رنگ بکھرے دکھائی دے رہے تھے۔ واقعی اُن آنکھوں کا سحر سر چڑھ کر بولتا تھا۔

○

رجنی کی بہت بڑی کمزوری اُس کی سمجھ میں آ رہی تھی ــــ اور وہ یہ بھی جان گیا تھا کہ یہ لڑکی "را" کے ٹریننگ سکول میں تربیت حاصل کر رہی ہے۔ وہ سوچنے لگا کہ اِس کے لیے بہت کارآمد ہو سکتی ہے۔ اِسی کے ذریعے اُسے "را" پر نقب لگانی تھی۔

دونوں کافی دیر تک رجنی کے متعلق باتیں کرتے رہے۔ خان کو بخوبی اندازہ ہو گیا تھا کہ رما اس کی گہری دوست ہے اور اُس کے دُکھ کو بھی خوب محسوس کرتی ہے۔ لیکن اس بات کے امکانات تو بہت کم تھے کہ رجنی خان کا ماضی جاننے کے متعلق متجسس ہو۔ اُس کے ذہن میں کوئی شک سر اٹھاتا۔ اس کے باوجود اُس نے خطرے کے امکان کو نظر انداز نہیں کیا تھا اور کسی بھی ممکنہ خطرے سے نمٹنے کے لیے وہ ذہنی طور پر تیار تھا۔

واپسی پر جب رما نے اُس سے اپنے مستقبل کی باتیں شروع کیں تو اُس نے اپنی خواہش کا اظہار کیا تھا کہ پہلے وہ کم از کم ماسٹرز ڈگری حاصل کر لے۔ اُس کے بعد

گے۔"

اس نے رما کو احساس دلایا کہ وہ اُس کے ساتھ اُس کے گھر میں ہی تو رہتا ہے اور اس کے بعد بھی وہ لوگ اُس کے والدین کے ساتھ ہی رہیں گے اس لیے کم از کم اس پر پریشان ہونے کی ضرورت نہیں تھی۔

رات جب معمول دیر تک وہ آپس میں باتیں کرتے رہے۔ باقی گھر والے تو اُن کا انتظار کرتے کرتے سو چکے تھے۔

اگلے روز چھٹی تھی اور اُن لوگوں نے جنا کنارے تفریح کے لیے جانا تھا۔ یوں بھی رما نے اُس سے کر دیا تھا کہ اُس نے دہلی اس سے پہلے صرف ایک مرتبہ ہی دیکھی ہے اور اس نے پہلے پایا تھا کہ وہ لوگ صبح ناشتے کے بعد روانہ ہوں گے اور شام ڈھلے گھر واپس آئیں گے۔

صبح وہ جب سابق جلدی جاگ اٹھا۔ اُس نے گھر والوں کو پہلے ہی روز اپنی صبح کی عادت سے آگاہ کر دیا تھا۔ آج بھی وہ سیر کرنے کے بہانے ہی باہر نکلا تھا۔ یہ بات کہ اُس نے شب خوابی کا لباس تبدیل کر لیا تھا۔ کافی دور تک وہ پیدل چلتا رہا اور ایک رکشہ اُسے نظر آ ہی گیا۔

کمرے میں جب وہ ہوٹل پہنچا تو زندگی ابھی مکمل بیدار نہیں ہوئی تھی۔ اُس نے تاثرات کی لہر سے اُتر کر سیدھا یہاں آ رہا ہے۔ اُسے اُمید تھی کہ اب تک "دوستوں" کی اُس کے نام کوئی پیغام پہنچ چکا ہوگا۔

ہوٹل کے کاؤنٹر سے اُس نے اپنے نام پیغامات موصول کیے۔ اُس کے مہربانوں نے اس کے لیے تین چار ٹیلیفون کر رکھے تھے۔ کسی اشوک رائے نے البتہ ایک ٹیلی فون کیا تھا جیسے ہی وہ واپس لوٹے اُس سے اس نمبر پر رابطہ قائم کرے۔"

اس نے سکون کا سانس لیا ورنہ اگلا پیغام موصول ہونے تک ہوٹل نہ چھوڑنے پر

مجبور ہو گیا۔

کاؤنٹر پر ہی اُس نے چیک آؤٹ کیا اور اپنے کمرے کا ایک چکر لگا کر باہر آ گیا۔ کلرک سے حساب بیباق کر کے اُس نے رسید حاصل کی اور خدا کا شکر ادا کرتا ہوا باہر نکل آیا۔

جب وہ رکشہ پر بھاگم بھاگ گھر واپس پہنچا تو گھر والے ناشتے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ اُن کے علم میں لائے بغیر چپ چاپ وہ اپنے کمرے میں پہنچا۔ ابھی تک کسی نے اُسے واپس آتے نہیں دیکھا تھا۔ دوبارہ اُس نے شب خوابی کا لباس پہنا اور انہیں دیکھتا کتنا ہوا غسل خانے میں چلا گیا۔ نہا کر باہر نکلا تو اُس کی طبیعت خاصی کھل رہی تھی۔

آج حسبِ معمول اُس نے شیو نہیں کی تھی۔ یہ بات اُسے سب سے پہلے ماں نے یاد دلائی۔

بس ذرا رومانٹک نظر آنے کے چکر میں ہوں۔ اُس نے اپنی ایک آنکھ دبا دی۔ ماں جانتی تھی کہ زیادہ تر ہندو نوجوان لڑکوں میں چھوٹی چھوٹی ڈاڑھی رکھنے کا فیشن چل رہا ہے اور اروِن کمار بھی آخر ایک ہندو نوجوان تھا وہ فیشن سے متاثر ہو رہا ہے کیسے رہ سکتا تھا؟ دوسری طرف خان کے لیے اب حلیہ بدلنا ضروری ہو گیا تھا۔

ناشتہ سب نے اکٹھے کیا۔ سوشیل اپنی ماں کے ساتھ رسوئی میں مصروف تھی۔

خان بازار سے پکنک پر ساتھ لے جانے کے لیے ایک دو چیزیں خریدنے کے لیے باہر نکل گیا۔ قریبی سٹور سے اُس نے سوشیل کے بچوں کے لیے سویٹس اور بسکٹ خریدے اور وہیں سے مسٹر اشوک رائے کو ٹیلی فون کیا۔ جلد ہی ٹیلی فون مل گیا اور مطلوبہ بھی۔

سب سے پہلے تو اُسے اتنا اہم کارنامہ انجام دینے پر مبارکباد پیش کی گئی۔ ہفتہ تک مکمل خاموشی اختیار کرنے اور اپنے حلیے کو بدلنے کی سخت ہدایت کی گئی کیونکہ ایکسیڈنٹ کے بعد غائب ہونے والے بریف کیس نے بھارتی انٹیلی جنس کو

Scanned and PDF by: Qamar Abbas

بوکھلا دیا تھا۔

خان واپس لوٹ آیا۔ کام اُس کے حسبِ منشا ہی ہو رہا تھا۔ اُس کی واپسی پر رجنی بھی گھر پہنچ چکی تھی۔ پھر خان کے بار بار کہنے پر رجنی بھی اُن لوگوں کے ساتھ جانے کے لیے تیار ہو گئی۔

اُس نے اِس بات کا بخوبی اندازہ لگا لیا تھا کہ رجنی سے اُس کی بے تکلفی پر رما کو بالکل بُرا نہیں مانتی۔ یا تو رما کو اپنی ذات پر بے حد اعتماد تھا یا پھر خان سے اپنی محبت پر۔ ایک بات بہرحال تھی کہ اُسے یہ لڑکی دوسری ہندو لڑکیوں سے بالکل مختلف نظر آئی تھی۔

جمنا کے کنارے ہی ایک خوبصورت مقام اُن لوگوں نے اپنی تفریح کے لیے منتخب کیا تھا اور بھی بہت سے لوگ پکنک منانے یہاں آئے ہوئے تھے۔ شام تک بیچ ہی سے اُسے باہر اُن لوگوں کے ساتھ ہنسی مذاق میں گزارا تھا لیکن اس دوران وہ اپنے دماغ سے اُس ناپاک منصوبے کی تفصیلات نہ اتار سکا تھا جو اُس نے اپنی آنکھ سے صورتاً دیکھنے گئے کاغذات سے حاصل ہوئی۔

وہ سوچ رہا تھا کیا اُس کے معصوم بنگالی بھائی کہ گا۔ صوبیدار صاحب اپنے خاص بھارت سرکار اُن پر پھینکنے جا رہی تھی؟ ن کو ایک دوسرے دفتر کا ایڈریس

اب تک اُس نے ہندوؤں کے متعلق محض پڑھ

رہتے ہوئے ان لوگوں کو نزدیک سے دیکھنے کے بعد بھی میں زبردستی سو روپے ہاں ہی میں ملتا تھا۔ لیکن اُس کا دل اِس "ہاں" کو مانتے اُس نے خان کو دو تو یہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اُس کے ملک کا ایک مکمل ملک میں ہمیشہ کے لیے رہے گا۔

اُس کی ڈھیروں اُن اخبارات اور دیگر ذرائع سے اُس تک جو خبریں پہنچ رہی تھیں اور

Scanned and PDF by: Qamar Abbas

کے علم میں انٹیلی جنس کا جو ناپاک منصوبہ آچکا تھا اُس کے بعد اُسے یہ بات آخری ہوتی نظر آرہی تھی۔

اُس کا بھی چاہتا تھا اُڑ کر اپنے پُور بو پاکستان چلا جائے اور اپنے بنگالی بھائیوں کو پہنچ پہنچ کر بتائے کہ دشمن قیامت کی چال چل گیا ہے۔ وہ چاہتا تھا جیسے بھی ممکن ہو اپنے سیدھے سادھے بھولے بھالے بنگالی بھائیوں کو دشمن کے چنگل میں پھنسنے سے بچا لے ـــــ لیکن یہ سب کچھ سوچنا ہی اُس کے اختیار میں تھا۔ ایسا کرنا اس کے لیے ممکن نہیں تھا۔ سیاست کی وہ شطرنج جو چانکیہ کے چیلے چانٹوں نے وقت کی بساط پر بچھا رکھی تھی اُس میں عابد خان کی حیثیت کسی معمولی سے مہرے جتنی بھی نہیں تھی۔ میدان سیاست کے کھلاڑی کوئی اور تھے۔ اُس کے ذمے تو صرف اتنا فرض تھا کہ وہ اپنے اہل بیت

انتہائی کوشش کے ساتھ آنے والے طوفانوں سے وقت سے پہلے آگاہ

جانتی تھی کہ زیادہ

رہا ہے اور اروِن کمار

ڈویژن لیٹر موصول ہو گیا۔ اب وہ مستند ٹھیکیدار بن کیسے رہ سکتا تھا؟ دوسری طرف

ناشتہ سب نے اکٹھے

کے ساتھ مارکیٹ روانہ ہو گیا۔

خان بازار سے پکنک پو

باہر نکل گیا۔ قریبی سٹور

لوٹ کر گھر پہنچے تو اُن کے پاس ان اشیاء کے کہ

خریدے اور وہ

کو ساتھ لے کر دفتر کی طرف روانہ ہو گیا۔

بھی۔

دنی کے لیے مچھر دانیوں کی سپلائی کا آرڈر تھا۔ اس مرتبہ بھی خان مشرقی سب

ہفتہ بھر

لے بجائے سہائے کے ساتھ اُسی چپراسی سے جا ملوایا جس کے ذریعے

کیے بڑے پہلے کام نکلا تھا۔

"آیئے مہاراج! آیئے مہاراج ـــــ" اُنہیں دیکھتے ہی چپراسی مسکرانے لگا۔

"میرے خیال سے تھوڑی دیر کے لیے چھٹی لے لو۔ اطمینان سے بات کرتے ہیں۔" خان نے بڑی بے تکلفی سے اُس کے کندھے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

چپراسی نے بڑی عجیب سی نظروں سے خان کی طرف دیکھا۔ اُس نے دونوں کو اُسی ہوٹل کے کیبن میں بیٹھ کر انتظار کرنے کو کہا تھا! اس مرتبہ بھی سہائے خاموش تماشائی رہا۔ اُسے اروِن کمار کی صلاحیتوں پر اعتماد تھا اور وہ جان گیا تھا کہ اس نوجوان میں کچھ ایسی پاکیزہ شکتی ضرور موجود ہے کہ جس کام کا یہ بیڑا اُٹھائے اُسے پورا کر لیتا ہے۔

دوپہر کے کھانے پر وہ پہنچ گیا! خان نے اس مرتبہ بھی اُس کے لیے لمبا چوڑا آرڈر دیا تھا۔ کھانے کے دوران ہی اُس نے اپنا مدعا بیان کر دیا اور چپراسی سے درخواست کی کہ وہ متعلقہ آدمی تک جس کے ذریعے یہ آرڈر موصول ہو سکتا ہے۔ اُن کی شناسائی کروا دے۔ چپراسی کی باچھیں کھلی جا رہی تھیں، ایسا شاندار کھانا تو اُس نے اپنی نوکری پر بھی نہیں کھایا تھا۔

"اے صاحب فکر نہ کیجئے۔ بات بھی کرا دوں گا۔ صوبیدار صاحب اپنے خاص آدمی ہیں کل صبح دس بجے آجایئے۔" اُس نے خان کو ایک دوسرے دفتر کا ایڈریس بتاتے ہوئے کہا۔

دوپہر رخصت خان نے بچوں کی مٹھائی کے لیے اُس کی جیب میں زبردستی سو روپے ڈال دیے۔ سہائے تو اُس پر حیران ہوا جا رہا تھا۔ گھر پہنچنے تک اُس نے خان کو ان بے شمار دعائیں دے ڈالی تھیں کہ اب وہ اپنا مستقبل اس ملک میں ہمیشہ کے لیے محفوظ خیال کرنے لگا تھا۔ ماتا جی نے اس کا تازہ کارنامہ سنتے ہی اُس کی ڈھیروں بلائیں لیں۔

سوشیل شام کو واپس جا رہی تھی۔ خان نے اس حقیقت کو فراموش نہیں کیا تھا اور اس کے بچوں کے لیے کپڑے اور کھلونے ساتھ لیتا آیا تھا۔ اس گھر کا تو اب ایک ایک فرد اس کا گرویدہ تھا۔ رما کی واپسی رجنی کے ساتھ ہونی تھی۔

خان نے آج ایک نیا کھیل شروع کیا تھا جس کے لیے وہ پچھلے دو روز سے خود کو ذہنی طور پر تیار کر رہا تھا۔ اب اُسے رجنی کو اپنی گرفت میں لینا تھا۔ رجنی جیسے قیمتی ہیرے کو ہاتھ سے گنوانا اُسے ہرگز گوارہ نہیں تھا۔

رما دونوں کو اپنے کمرے میں اکیلا چھوڑ کر تھوڑی دیر کے لیے باہر گئی تو خان نے ان لمحات کو غنیمت جان کر انہی سے فائدہ اٹھا لیا۔

"رجنی بہن!" ۔۔۔ اُس کا انداز، لہجہ اور طب اتنا ہمدردانہ اور لہجہ ایسا گھمبیر تھا کہ ایک مرتبہ تو رجنی بھی چونکے بغیر نہ رہ سکی۔

"جی" ۔۔۔ رجنی کے ہونٹ کپکپائے۔

"ایک بات کہوں برا مت مانیے گا؟"

"ایسی کیا بات ہے؟" رجنی ابھی تک اس کے پہلے جملے ہی سے نہیں سنبھلی تھی۔

"میں نے آپ کو پہلے ہی روز سے دل سے بہن بنا لیا تھا۔ ایک بینتی اور درخواست ہے میری۔ اگر آپ برا مت مانیں تو میں آپ سے تنہائی میں کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ ہاں رہے مجھے آپ اپنے سگے بھائیوں سے بڑھ کر پائیں گی۔"

"مجھے کیا اعتراض ہوگا بھیا!" اس مرتبہ رجنی کا لہجہ بھی بڑا گھمبیر ہو گیا تھا۔ شاید بھائی کی کمی احساس محرومی بن کر اس کے لہجے میں سمٹ آئی تھی۔ "لیکن رما....." اُس نے ادھوری چھوڑ کر خان کی طرف دیکھا۔

"وہ معاملہ مجھ پر چھوڑ دو ۔۔۔ آج شام پانچ بجے کالونی کے بس سٹاپ پر پہنچ ضرور جانا۔" خان نے بڑے مضبوط لہجے میں کہا۔

Scanend and PDF by: Qamar Abbas

"ٹھیک ہے" ۔۔۔ رجنی نے کہا لیکن وہ گہری سوچوں میں گم ہو گئی۔ "تنہائی میں مجھ سے آخر وہ کیا باتیں کرنا چاہتا ہے؟"

○

اس گفتگو سے اُسے کچھ اُلجھن سی ہونے لگی تھی اور اب وہ خان سے نظریں بھی نہیں ملا پا رہی تھی۔

اُس کی مشکل رما کی آمد نے بہرحال آسان کر دی جو ہاتھوں میں چائے کی ٹرے اٹھائے اندر داخل ہو رہی تھی۔ چائے پینے کے دوران رما اور خان تو ہنس ہنس کر باتیں کرتے رہے لیکن رجنی کچھ اُلجھی اُلجھی سی نظر آ رہی تھی۔ اُس کی طبیعت کی اس اچانک تبدیلی کو رما نے بھی محسوس کیا۔ اُس نے پوچھا بھی لیکن رجنی ہنس کر بات ٹال گئی۔

چائے پینے کے تھوڑی دیر بعد ہی رجنی نے ایک ضروری کام کا بہانہ کر کے اُن لوگوں سے رخصتی کی اجازت لے لی۔ رما اُسے دروازے تک چھوڑنے آئی تھی۔ واپسی پر رجنی کے لیے خاص ہمدردی محسوس کر رہی تھی۔ "معلوم نہیں اسے اچانک کبھی کیا ہو جاتا ہے۔" اُس نے سرد آہ بھر کر خان سے کہا۔

"مردِ میداں بندے کو کبھی چین سے جینے نہیں دیتیں۔ کاش اس کا کوئی بھائی ہوتا۔" خان نے بھی ہمدردی جگاتے ہوئے کہا۔ "سچی بات تو یہ ہے کہ رجنی تمہاری دوست ہے اس کوشش کرنی چاہیے کہ اُسے کسی بھی طور ٹھیس نہ لگ سکیں۔"

رما نے اُس کی طرف عجیب سی نظروں سے دیکھا پھر سر جھکا کر سسکنے لگی۔ "میں اس کو کیا سمجھتی ہوں اردن! وہ صرف یہ چاہتی ہے، کہ جن لوگوں نے آج سے پانچ سال پہلے اس کی بہن کو قتل کیا تھا، کسی نہ کسی طرح وہ انہیں سزا دلا سکے۔ لیکن وہ بہت غریب و معاش ہیں۔ یہ بیچاری کمزور سی لڑکی اُن کا بھلا کیا بگاڑ سکے گی؟"

"کون لوگ ہیں وہ؟" ۔۔۔ خان نے پوچھا۔

Scanend and PDF by: Qamar Abbas

"آپ نہیں جانتے بالی کو۔ بہت بڑا غنڈہ ہے وہ! پولیس بھی اُس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔" رما بولی۔

"چلو چھوڑو کوئی اور بات کرتے ہیں۔" خان کا مقصد حل ہو چکا تھا۔

پانچ بجے تک وہ مسٹر سہائے کو کاروبار کی اُونچ نیچ سمجھاتا رہا۔ وہ بالکل اس طرح باتیں کر رہا تھا جیسے سات پشتوں سے اُس کے آباؤ اجداد یہی کام کرتے آرہے ہوں اور بوڑھا سہائے خود کو اُس کے سامنے بالکل بچہ محسوس ہو رہا تھا۔ پانچ بجے وہ ایک ضروری کام کے بہانے باہر نکل آیا۔ اُس نے رما کو اپنی روانگی کی ہوا بھی نہیں لگنے دی تھی۔

کالونی کے بس سٹاپ پر جب وہ پہنچا تو پانچ بج کر دس منٹ ہو چکے تھے اور رجنی سٹاپ کے ایک کونے پر کھڑی اس کا انتظار کر رہی تھی۔ اُسے آتے دیکھ کر اُس کے چہرے پر مسکراہٹ چمکی۔ خان نے اُسے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا اور تھوڑی دیر بعد دونوں کالونی سے کچھ فاصلے پر ایک چھوٹی سی بار میں بیٹھے معروفِ گفتگو تھے:

"رجنی اصل میں تمہاری طرح میں بھی ایک دُکھی انسان ہوں۔ ظلم ہم دونوں کے ساتھ ہوا ہے لیکن اس کی نوعیت مختلف تھی۔ مجھے سمجھ نہیں آتی آخر تم اچھی بھلی ہو کر کس چکر میں پڑ گئی ہو۔ رجنی تم....."

"بھیا! اوّل تو میری زندگی میں تم واحد ایسے نوجوان آئے ہو جس نے مجھے بہن کہا ہے۔ مجھے تو تم ہندو لگتے ہی نہیں۔" رجنی نے گو کہ یہ بات روانی میں کہہ دی تھی لیکن اس کی ریڑھ کی ہڈی میں ایک سرد لہر دوڑ گئی۔ اُسے زبردست ذہنی جھٹکا لگا تھا۔ یہ اک بات کہ اُس کا چہرہ بالکل سپاٹ رہا۔ "مجھے علم ہے کہ میں ایک کمزور لڑکی ہوں لیکن میں اُن غنڈوں کو چھوڑوں گی نہیں خواہ میری جان ہی چلی جائے۔"

"اب تمہیں یہ سوچنے کی ضرورت نہیں رجنی — واقعی میں دوسرے نوجوانوں سے مختلف ہوں لیکن میرے ساتھ بھی یہ محرومی لگی ہوئی ہے کہ میری بھی کوئی بہن نہیں

تمہارے دکھ جان کر کیوں میرا دل بھر آیا۔ رجنی! وقت نے ایک احسان مجھ پر ضرور کیا ہے کہ مجھے قنوطی کی بجائے عملی انسان بنا دیا ہے۔ تمہیں بہن کہا ہے تو اُس پر عمل کر کے بھی دکھاؤں گا۔ آج سے تمہارے اور میرے دُکھ مشترک ہیں — میں صرف دو دن میں اس بات کا ثبوت دے دوں گا۔"

اُس کی آواز شدتِ جذبات سے کانپنے لگی تھی اور رجنی کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔ تھوڑی دیر کے بعد ہی دونوں ایک دوسرے سے الگ ہو گئے۔ رجنی تو گھر آگئی لیکن خان کسی اور طرف نکل گیا۔

○

قریباً ڈیڑھ دو گھنٹے بعد وہ سبزی منڈی کے ایک پُر رونق بازار میں بالی کے اڈے کے سامنے کھڑا تھا۔

اُس کی آنکھوں کے سامنے ایک دُکان کے تھڑے پر گٹھے ہوئے جسم اکھڑے قد اور سیاہ رنگت کا ایک غنڈہ بیٹھا تھا جس کے دونوں اطراف پانچ چھ مشٹنڈے جو شکل ہی سے چھٹے ہوئے بدمعاش دکھائی دے رہے تھے اپنے "دھندے" میں مصروف تھے۔ یہ لوگ کچلے عام منشیات فروخت کر رہے تھے اور سوائے اُن کے خریداروں کے اور کوئی اُن کی طرف آنکھ بھر کر دیکھنے کی جرأت بھی نہیں کرتا تھا۔

خان کچھ دیر تک کھڑا یہ سارا "تماشہ" بڑے انہماک سے دیکھتا رہا۔ اُس نے اس دوران بالی کے اڈے اور گھر کا پتہ بھی معلوم کر لیا تھا، پھر وہ بازار میں جائزہ لینے کے لیے ذرا اور آگے چلا گیا۔

گھوم پھر کر واپس اُسی جگہ آیا تو یہاں کچھ اور ہی منظر تھا — اُس نے دیکھا: ایک بوڑھے سے ہندو کو جو شکل سے کوئی معمولی سا سرکاری ملازم نظر آرہا تھا۔ بالی کے آدمی بڑی بیدردی سے مار پیٹ رہے تھے اور وہ وحشیوں کی طرح قہقہے لگا رہا

Scanned and PDF by: Qamar Abbas

تھا۔ بوڑھا اس کے سامنے گھگھیاتے ہوئے ہاتھ باندھ رہا تھا، لیکن اُس کے ساتھی اس بات سے لاپرواہ اُسے دیوانوں کی طرح پیٹ رہے تھے۔ بازار میں کسی کی ہمت نہیں تھی اُنہیں کچھ کہہ سکے! جلد ہی وہ بدنصیب بیہوش ہو گیا۔

"اُٹھا کر پھینک آؤ اسے کسی گڑھے میں! بالی کے خلاف شکایت کرتا ہے سالا۔" بالی نے خوخوار قہقہہ لگایا۔

اگلا منظر دیکھنے کے لیے خان وہاں رکا نہیں تھا۔۔۔ وہ تیز تیز قدموں سے واپس لوٹ آیا۔

اس بوڑھے سے اُس کی کوئی رشتہ داری نہیں تھی۔ نہ ہی وہ اس معاشرے کا رکن تھا۔ لیکن صریحاً ظلم دیکھ کر وہ کانپ گیا۔ اسی طرح اُسے رجنی سے بھی ہمدردی ہو گئی تھی۔ اب وہ اُس کا دل جیتنے کے لیے کوئی بھی ڈرامائی قدم جلد از جلد اٹھانا چاہتا تھا۔ اس علاقے میں داخلے اور فرار کے راستے اس نے ذہن نشین کر لیے تھے اور اگلی رات بالی کو سزا دینے کے لیے منتخب کر لی تھی۔

○

صبح وہ بابوجی کے ساتھ چپراسی کے بتائے ہوئے ایڈریس پر پہنچ گیا۔ یہ آرمی کی کوئی ورکشاپ تھی۔ صوبیدار بلاقی رام کا نام لینے پر ایک سپاہی چونکا اور دونوں کو بڑے احترام سے اندر لے آیا۔ شاید بلاقی رام نے ان کی آمد سے گیٹ والوں کو پہلے ہی سے مطلع کر رکھا تھا۔

بلاقی رام تھا تو صوبیدار میجر، لیکن اُس کا کمرہ کسی کرنل کے کمرے سے کیا کم شاندار ہو گا۔ چپراسی پہلے سے یہاں موجود تھا۔ دونوں کو آتے دیکھ کر وہ اپنی ہنسی ضبط نہ کر سکا، لیکن بلاقی رام کا چہرہ جذبات سے عاری تھا۔

چپراسی نے دونوں کا تعارف کروایا اور بتایا: "کہ بابوجی بے چارے ریٹائرمنٹ کے

بعد حال ہی میں ٹھیکیداری سے منسلک ہوئے ہیں۔" اُس نے صوبیدار سے درخواست کی وہ اُن کا ہاتھ پکڑ لے اور نیا پارٹنر لگا دے۔

تھوڑی سی تگ و دو کے بعد میرٹھ چھاؤنی کے لیے پانچ سو پھریریاں سپلائی کرنے کا ٹھیکہ "سائے کمار جنرل آرڈر سپلائرز" کو مل گیا۔ صوبیدار بلاقی رام نے اُن کے ساتھ انتہائی شرافت اور خدا خوفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اُن سے صرف ۲۵ فیصد کمیشن طے کی تھی۔ خان نے آدھی کمیشن ایڈوانس اُسے وہیں تھما دی تھی اور آدھی بل وصول ہونے پر ادا کرنے کا وعدہ کیا تھا۔

گھر واپسی پر دونوں مٹھائی کی ایک ٹوکری ساتھ لے کر آئے تھے۔ اس سودے میں کوئی دے دلا کر بھی اُنہیں کم از کم پانچ ہزار روپے کا منافع ہونے والا تھا۔ خان نے چپراسی کو سو روپیہ بخشی انعام دے دیا تھا۔ پہلا ہی کامیاب سودا طے ہونے کا اس نے گھر میں شاندار جشن منایا گیا۔ وہ لوگ خوشی سے باؤلے ہوئے جا رہے تھے۔ کشور اور آشا نے تو ابھی سے بڑے بڑے خواب دیکھنے شروع کر دیئے تھے۔ خان کو خوشی تھی تو صرف اتنی کہ اس طرح اُس کی رسائی کم از کم میرٹھ چھاؤنی تک تو ہوئی۔

ایک طرف قدرت نے اگر بھارت کی سب سے بڑی انٹیلی جنس "را" پر نقب لگانے کے لیے اُسے رجنی جیسی "بہن" دے دی تھی تو دوسری طرف میرٹھ جیسی حساس چھاؤنی اور دیگر فوجی تنصیبات تک رسائی پانے کے لیے صوبیدار میجر بلاقی رام جیسا گرو بھی فراہم کر دیا تھا۔

"جاسوسی مضبوط اعصاب کا کھیل ہے۔" اُس نے اپنی ٹریننگ کا یہ فقرہ کبھی نہیں بھلایا تھا۔ اب تک اُس کی کامیابی کا راز صرف یہی تھا کہ وہ کبھی بوکھلایا نہیں تھا۔ اُس کے اعصاب پہلے روز کی طرح مضبوط تھے۔ پے در پے ناکامیوں کے باوجود اُسے شاندار کامیابیاں ملی تھیں۔

Scanned and PDF by Damar Abbas

رجنی شام ڈھلے ہی اُدھر آگئی تھی —

خان کو یہ اطمینان مزید تھا کہ رما کو اُس کا رجنی سے میل جول بُرا نہیں لگتا۔ اور آج تو رجنی نے اُسے "بھیّا" کہہ کر مخاطب کرنا شروع کر دیا تھا — رما کے لیے یہ بات اور زیادہ خوش آئند تھی۔ رات کا کھانا سب نے اکٹھے کھایا۔ پھر خان سب کو آخری شو دکھانے کے بہانے باہر لے آیا۔

سبزی منڈی کے پاس والے سینما ہاؤس تک پہنچنے کے لیے اُس نے سب کے سامنے وہاں چلنے والی ایک انگریزی فلم کی اتنے شاندار الفاظ میں تعریف کر ڈالی تھی کہ سب اُسے دیکھنے کے لیے پریشان ہو رہے تھے۔ فلم پر کوئی خاص رش نہیں تھا۔ خان نے پورا باکس بُک کر لیا۔ اُس نے اپنی سیٹ جان بُوجھ کر رجنی کے نزدیک رکھی تھی۔

فلم مقررہ وقت پر شروع ہو گئی۔

قریباً دس بجے اُس نے رجنی کی طرف جُھکتے ہوئے اُس کے کان میں سرگوشی کی:

"مجھے آشیرباد دو بہن!" رجنی تھرّا کر ہی تو رہ گئی۔ اُسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کیا کہہ گزرے گا۔

"ایکسکیوزمی" خان نے رما سے بھی سرسری طور پر معذرت کی اور آہستگی سے دروازہ بند کرتا ہوا باہر نکل گیا۔

اُسے یقین تھا کہ سینما کے کم از کم کسی ملازم کو اُس کے باہر نکلنے کی کانوں کان خبر نہیں ہوئی۔ بمشکل دس منٹ بعد ہی وہ بالی کے ڈیرے کے باہر ٹہلتا نظر آ رہا تھا۔

خان مکان کی پُشت پر پہنچ گیا۔ اُس نے دیوار پھاندنے سے پہلے اپنا منہ مفلر سے اچھی طرح ڈھانپ لیا تھا اور اپنی جیب سے پیتل کا وہ پنجہ جو اُس نے صبح ہی خریدا تھا نکال کر دائیں ہاتھ میں پہن لیا تھا۔ یہ بات اُس کے لیے بڑی خوشگوار حیرت

...ٹ تھی کہ ابھی تک یہاں کسی کی موجودگی کے آثار نظر نہیں آ رہے تھے۔

...ی کی طرح دبے قدموں وہ بالآخر ایک کمرے میں کسی کی موجودگی کے آثار پا کر داخل ...گیا۔ لائٹ جل رہی تھی اور اُس کے بالکل سامنے بالی شراب کی بوتل مُنہ سے لگائے ...تھا۔ اُس کے پہلو میں ایک خاتمہ موجود تھی۔ خان کی اچانک آمد نے دونوں کو چونکا ...

...کون ہے بے بُڈ — اُس کے کچھ کہنے سے پہلے ہی بالی نے گالی دے کر اُسے ...طب کیا۔ اِس گالی پر تو واقعی خان کا خون کھول اٹھا۔

اُس نے بالی کی گالی کا جواب ایک زوردار ٹھوکر سے دیا — اور پہلو میں اچانک ...والی ٹھوکر نے بالی کو اُلٹا ہی تو کر دیا تھا لیکن وہ فوراً ہی سنبھل کر پلٹا! لڑکی کے ...تو خوف کے مارے آواز بھی نہیں نکل رہی تھی۔

خان کو اتنی جلدی بالی کے سنبھلنے کی اُمید نہیں تھی۔ اگر وہ اچانک ہی ایک طرف ...جاتا تو بالی کے ہاتھ سے نکلی ہوئی بوتل اُس کے سر پر ہی ٹوٹتی۔ اُس کے سیدھا ...بالی اُچھل کر اُس کے سر پر پہنچ چکا تھا۔ اور اُس کا گھونسہ پوری قوت سے گھوم ...کی طرف آیا تھا۔ یہ الگ بات کہ ہوا میں لہرا کر رہ گیا۔

خان نے زمین پر بیٹھتے ہوئے پیتل کے پنجے والا مُکہ پوری قوت سے اُس کی ناف ...بالی سامنے والی دیوار سے ٹکرا کر گرا لیکن اٹھ کھڑا ہوا۔ اذیت سے وہ تڑپ ...اٹھا تھا۔ خان کے پاس وقت بہت کم تھا۔ کسی بھی وقت ہنگامہ مچ سکتا تھا۔ اُس ...بالی کو سنبھلنے کا موقعہ نہیں دیا۔ دو تین منٹ بعد جب وہ قریباً بے دم ہو چکا ...تھا تب ہی خان نے جُھک کر اُس کا پاؤں پکڑ لیا۔

...الی کے پاؤں کو اتنا شدید جھٹکا شاید زندگی میں پہلی مرتبہ لگا تھا۔ اُس کی چیخ اتنی ...تھی کہ لڑکی سہم کر رہ گئی اور لاشعوری طور پر اُس کے مُنہ سے بھی ہلکی سی چیخ

نکل پڑی۔

"دوبارہ اگر تمہارے گلے سے کوئی آواز نکلی تو گلا گھونٹ کر مار ڈالوں گا۔" خان اُس کی طرف دیکھ کر غرّایا۔ بالی پیچ مار کر بے ہوش ہو چکا تھا۔ خان نے جُھک کر اُس کے بے دم وجود کو ہاتھوں میں تولا اور جھٹکے سے اُسے کندھے پر لاد لیا۔

"میرے ساتھی اس عمارت میں موجود ہیں۔ اگر صبح ہونے سے پہلے تم نے یہاں سے بھاگنے کی کوشش کی یا پولیس کو کچھ بتایا تو یاد رکھنا..... جو لوگ بالی جیسے غنڈوں کو سزا دے سکتے ہیں تمہاری حیثیت اُن کے نزدیک کچھ بھی نہیں"۔۔۔ خان نیم برہنہ لڑکی کی طرف دیکھ کر دوبارہ غرّایا:

"پرماتما کے لیے مجھے جانے دو۔ یہ حرامی مجھے زبردستی یہاں اُٹھا کر لایا تھا۔ میں تو خوش ہوئی ہوں۔ کسی کو کیوں بتاؤں گی بھلا؟" لڑکی ہاتھ باندھ کر اُس کے سامنے کھڑی ہو گئی۔

خان نے نظریں جُھکا لیں:

"کپڑے پہنو اور چلی جاؤ۔" اُس نے آہستہ سے لڑکی سے کہا اور بالی کو کندھوں پر اٹھائے باہر نکل آیا۔

برآمدے میں لگا بلب کا بٹن اُس نے آف کر دیا تھا۔ احتیاط سے بغیر آواز پیدا کیے وہ باہر آیا تھا۔ اُسے حیرت تھی کہ اتنا بڑا غنڈہ بغیر باڈی گارڈ کے موجود تھا۔ شاید بالی نے کبھی یہ تصور بھی نہ کیا تھا کہ اُس پر کوئی یوں حملہ آور ہو گا۔ آج خان کی خوش قسمتی تھی کہ اُس وقت اُس کے ساتھی یہاں موجود نہیں تھے۔

بالی کے بے ہوش جسم کو اُس نے گلی کے کونے پر موجود گدھا گاڑی کے ڈھیر پر پھینک دیا جاگ رہی تھی لیکن کوئی اُس کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ ساری گلی تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی اور وہاں کوئی ذی روح سوائے اُس کے موجود بھی نہیں تھا۔

Scanned and PDF by: Qamar Abbas

سینما واپس پہنچنے تک اُس کے بمشکل پچیس تیس منٹ لگے تھے لیکن اندر والے پریشان ہو رہے تھے۔ خان کے داخل ہوتے ہی ہاف ٹائم ہوا اُس نے سب سے پہلے رجنی کی طرف دیکھا جو سب سے زیادہ پریشان دکھائی دے رہی تھی۔

"کہاں چلے گئے تھے آپ؟" رجنی سراپا احتجاج اُس سے مخاطب تھی۔

جواب میں خان نے قہقہہ لگایا۔ "ابھی کیا بتاؤں چلا کیا گیا تھا پھنس گیا تھا یہاں سے بھاگا ہوں کہ سامنے سے وہ کمبخت رُلیا رام آتا دکھائی پڑا۔ میں تو "نستے" کہنے کا آدمی ہوں باقی سارا کام اُسی کا ہے۔ وہ تو قسمت اچھی تھی کہ اُس کا ایک اور گاہک مل گیا اور میں جان بچا کر نکل آیا ہوں۔" وہ دوبارہ خوامخواہ ہنس دیا۔

رُلیا رام سے اُس گھر کے تمام مکینوں کا غائبانہ تعارف تھا۔ یہی وہ چپراسی تھا جس کے ذریعے وہ آدمیوں کی بھیڑ سے نکل کر معزز ٹھیکیداروں کے گروپ میں شامل ہوئے تھے۔

"پھر بھی بھیّا! آپ کو اتنی دیر نہیں کرنی چاہیئے تھی۔" رجنی اب بھی گھبرائی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔

"خیریت ہے بھئی۔ آخر مجھ ہی پر اتنی کڑی نظریں کیوں رکھی جا رہی ہیں؟" خان نے باری باری سب کے چہروں پر نظریں دوڑائیں۔

"آپ بھیّا جی ـــــ ہیں ہی ایسی چیز۔ آپ کو ایک مرتبہ پا کر کوئی کھونا چاہتا۔" اس مرتبہ آشا کی باری تھی۔

"واہ موئی! بڑے ڈائیلاگ بولنے لگی ہو۔" خان کی بات پر سب ہنس دیئے۔ انہوں نے اپنے باکس ہی میں موتیں منگوا لی تھیں۔ فلم ختم ہونے تک پھر کسی نے باہر نکلنا۔ فلم کے خاتمے پر جب وہ لوگ باہر آئے تو رات کے ساڑھے بارہ بج چکے تھے۔

Scanned and PDF by Qamar Abbas

اِس وقت اِس علاقے کی سڑکیں سُنسان ہو جایا کرتی تھیں لیکن آج خلافِ معمول ایک طوفانِ بدتمیزی ہر طرف برپا تھا۔

"کیا ہوا صاحب؟" کشور نے ایک نوجوان سے پُوچھا جو اب تک کئی لوگوں کو والی قیامت کی رُوداد سُنا چکا تھا۔

"کسی نے بالی کی ٹانگ توڑ کر اُسے گندگی کے ڈھیر پر پھینک دیا۔ بہت مار بالی کی تو شکل بھی نہیں پہچانی جا رہی کسی سے۔" مخاطب نے دہلی کے خاص کر خندانہ میں مزے لے لے کر باہر ہونے والی واردات بیان کی۔

خان نے کنکھیوں سے رجنی کی طرف دیکھا جس کے چہرے پر یکدم زندگی جاگ اُس کی آنکھیں چمکنے لگی تھیں۔ اور کنپٹیوں کے نزدیک رگیں پھڑک رہی تھیں۔ ایک رجنی نے خان کی طرف دیکھا؛ اُس کی آنکھوں میں تشکر کا ایک سمندر ہلکورے لے

"بھیّا!" اُس کے ہونٹ کپکپائے۔ اِس سے آگے وہ کچھ نہ کہہ سکی۔

رُما نے اچانک ہی چونک کر خان اور رجنی کی طرف دیکھا تھا۔ اُس کی آنکھوں اُلجھن نمودار ہوئی اور اُس کے پس پردہ اُبھرنے والے سوال سے بچنے کے لیے وہاں سے ہٹ جانا ہی مناسب سمجھا۔ اُس نے باہر نکل کر ایک ٹیکسی کو ہاتھ دیا اور لوگوں کو نزدیک آنے کا اشارہ کیا۔

اِس مرتبہ وہ جان بوجھ کر آگے بیٹھا تھا۔ ٹیکسی والا شاید کوئی مقامی تھا مزے لے لے کر وہ بالی کی مرمت کی کہانی سنا رہا۔ وہ تمام واقعات ایسے بیان کر جیسے موقعے کا چشم دید گواہ رہا ہو۔ کشور اور آشا تو اِس کی گفتگو میں ضرورت سے زیادہ دلچسپی ظاہر کر رہے تھے۔ البتہ رجنی، خان اور رُما ہوں، ہاں ہی کر رہے تھے۔ اپنی سوچوں میں گُم تھے۔

ٹیکسی پہلے اُن کے گھر پہنچی۔ سب لوگ اُتر گئے۔

"میں رجنی بہن کو ڈراپ کر کے واپس آتا ہوں۔" اُس نے کسی کو کچھ کہنے کا موقع ہی

رجنی سوزدہ سی بیٹھی رہی اور ٹیکسی آگے رینگ گئی ـــــ اُس کے گھر سے کچھ دونوں اُتر گئے۔ رجنی نے اب بھی کچھ نہ کہا۔ جیسے ہی ٹیکسی آگے بڑھی وہ بچوں

بک پڑی:

"بھیّا!" اِس سے آگے وہ کچھ نہ کہہ سکی۔

رجنی وہ جاپانی انسٹرکٹر جس سے مَیں نے مارشل آرٹس سیکھے تھے کہا کرتا تھا: کہ سال اور اُس کی شاگردی کروں تو انٹرنیشنل فائیٹ لڑ سکتا ہوں!! مَیں نے ابھی ظاہر نہیں کیا نہ ہی میں زندگی میں غنڈہ گردی کا قائل رہا ہوں۔ لیکن تمہارا دکھ برداشت نہیں ہُوا۔ مَیں چاہتا تو بآسانی اُسے کُتّے کی موت مار ڈالتا۔ لیکن یہ انتقام طریقہ نہیں تھا۔ مَیں نے اُس کا پاؤں جس جگہ سے توڑا ہے دُنیا کا کوئی ڈاکٹر جوڑ نہیں زندگی وہ اپاہجوں کی طرح گزارے گا اور لوگ اُسے دیکھ کر ہنسا کریں گے۔ یہ راز صرف تمہارے اور میرے بیچ رہے گا۔ باقی لوگوں کی نشاندہی بھی تم کر وہ بھی اپنے کیے کی سزا ضرور بھگتیں گے۔ بس میری ایک درخواست ہے کہ اَب مطمئن ہو جانا چاہیے اور تم یہ سروس صرف دیش کی سیوا کے لیے کرو۔ تمہارے پر جو ایک بڑا بوجھ تھا بھائی ہونے کے ناطے مَیں نے اسے قدرے ہلکا کر دیا ـــــ زندگی کے سفر میں اَب تم اکیلی نہیں رہو گی۔ مجھے ہمیشہ اپنے ساتھ پاؤ گی۔"

"آپ نے مجھ پر جو احسان کیا ہے اِس کا بدلہ تو شاید اگلے بھی کسی جنم میں نہ لیکن زندگی میں اگر کبھی ایسا وقت آگیا تو مَیں بھی آپ پر ثابت کر دوں گی کہ بہن کی بیٹی ہوں۔" اِس کا لہجہ اتنا مضبوط تھا کہ خان محسوس کیے بغیر نہ رہ سکا۔ لے لینا۔ ممکن ہے تب حالات مختلف ہوں اور تم مجھے پہچاننے سے بھی انکار کر دو۔"

Scanend and PDF by: Qamar Abbas

خان مسکرا دیا۔

"میرے جیتے جی ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ کبھی نہیں۔"

"اچھا شب بخیر!" خان کہہ کر واپس مڑ گیا اُسے علم تھا کہ رما کتنی بے چینی سے اُس کے انتظار کر رہی ہوگی۔

○

رما واقعی بے چینی سے اُس کی منتظر تھی اور خاصی سنجیدہ نظر آ رہی تھی۔ خان اُسے شک میں مبتلا کرنے کا خطرہ کبھی مول نہیں لے سکتا تھا۔ اُس نے بظاہر مسکراتے ہوئے اُس کا استقبال بھی کیا تھا لیکن اس مسکراہٹ کے لیے اُسے خود پر کتنا جبر کرنا پڑا تھا اس کا اندازہ صرف خان ہی لگا سکتا تھا۔

باقی سب لوگ تو اپنے اپنے بستروں میں جا گھسے تھے۔ رما کا ہاتھ پکڑ کر وہ اُسے بڑی بے تکلفی سے اُوپر چھت پر لے آیا۔ اس چھت پر بیٹھ کر آپس میں گھنٹوں گفتگو کرنا دونوں کا معمول بن چکا تھا۔

"مجھے معلوم ہے رما تم کیا سوچ رہی ہو۔ تمہارے ذہن میں کیا کیا سوالات اُبھر رہے ہیں۔ رما میں نے زندگی میں بہت کشٹ اٹھا کر تمہیں حاصل کیا ہے اور تمہاری محبت کا جو شیش محل میں نے سجا رکھا ہے۔ اُس میں اگر ایک بال بھی آ جائے یہ میرے لیے ناقابلِ برداشت ہوگا ـــــ ہاں۔ بالی کی ٹانگ میں نے توڑی ہے۔ میں نے تمہیں بتایا تھا کہ مارشل آرٹ کا ماہر ہوں۔ یہ آرٹ میں نے نیپال میں ایک جاپانی انسٹرکٹر سے سیکھے تھے اور دو سال تک اُس کی شاگردی اختیار کی۔ میں نے پہلے ہی روز تمہاری محبت کا اندازہ لگا لیا تھا۔ تمہاری ہر چیز سے مجھے والہانہ عشق ہے۔ یہ قدم میں نے صرف تمہاری خوشنودی کے لیے اٹھایا ہے ـــــ اصد بھی کو میں اپنی سگی بہن سے بڑھ کر سمجھتا ہوں۔ شاید قدرت نے مجھے تم لوگوں سے ملایا ہی اسی لیے تھا کہ میں

اور دکھوں کا ازالہ ہو جائے۔ مجھے تمہاری محبت پر ناز ہے اور اصد بھی جیسی بہن پا کر فخر محسوس کرتا ہوں کہ وہ دیس کی سیوا کے لیے اتنی خطرناک نوکری کر رہی ہے ....." وہ بولتا چلا گیا اور رما کے اندر شکوک کا سر اٹھاتا ناگ شانت ہوتا گیا۔

ہر قدم پر اُس کے سامنے خان کا نیا روپ آ رہا تھا اور ہر روپ پہلے سے زیادہ خوبصورت ہوتا تھا۔

اُسے اپنے مقدر پر رشک آنے لگا تھا۔ اُس روز پہلی مرتبہ بہت سنجیدگی سے اُس نے سوچا کہ ضرور کبھی پچھلے جنم میں اُس سے کوئی بہت بڑی نیکی سرزد ہوئی ہے جو اس جنم میں اُسے ارون کمار جیسا ساتھی نصیب ہوا ہے۔

"آپ میرے تصورات سے بھی بڑھ کر عظیم ہیں۔ آپ دیوتاؤں کی طرح مہان ہیں ..... میں تو آپ کی معمولی داسی ہونے کے لائق نہیں ہوں کمار جی! یہ آپ کا احسان ہے کہ آپ نے مجھے اپنے چرنوں میں جگہ دی۔" رما احساسِ تشکر سے دب گئی تھی۔

"رما! انسان کیا ہے؟ یہ تم ابھی نہیں سوچ سکتی مجھے دیوتا بنا کر خود سے دور مت کرو میں اگر دیوتا بھی ہوتا تو تمہاری محبت پانے کے لیے انسان کا روپ دھار کر زمین پر آتا۔"

خان محسوس کرنے لگا تھا کہ یہ باتیں وہ صرف ایکٹنگ کرنے کے لیے نہیں کر رہا بلکہ واقعی اُس سے یہ سب کچھ اُگلوا رہی ہے۔ "جانے اِس لڑکی میں کیا سحر چھپا ہے کہ اس کو اپنی شخصیت اُس کے سامنے دبی دبی محسوس ہوتی تھی۔"

وہ کھیل جو اُس نے اپنے بزنس کا حصہ سمجھ کر کھیلا تھا آہستہ آہستہ اب حقیقت کا روپ دھارنے لگا تھا۔

لاشعوری طور پر اُس کا دل اُس کی گرفت سے آزاد ہو کر اب رما کی مٹھی میں چلا گیا تھا۔ کوئی خوش آئند بات نہیں تھی۔ اُسے اپنے بچپن کی وہ کہانیاں یاد آ گئیں: جب

Scanend and PDF by Qamar Abbas

ایسی ہی خوبصورت جادوگرنیاں شہزادوں کو پتھر کے مجسمے بنا کر اپنے غاروں میں نصب کر لیا کرتی تھیں۔

——— عین ممکن تھا کہ رما کی محبت کا سحر اسے پتھر کا بت ہی نہ بنا کر رکھ دیتا۔

رما نے اس کی بات کا جواب صرف "اوں" کر کر دیا اور اپنا سر اس کے سینے پر رکھ دیا۔ خان کا ہاتھ بے اختیار اٹھا اور اس کی انگلیاں رما کے بالوں میں کنگھی کرنے لگیں۔ ایک نامعلوم سی مدہوشی اس پر چھانے لگی۔ ان بالوں میں دھنک کے ساتوں رنگ لہراتے نظر آ رہے تھے اور رنگوں کی اس دھنک میں وہ ڈوبتا چلا جا رہا تھا ——!!

موت کی دستک

سنڈر گھلنے میں ابھی کچھ روز باقی تھے اور خان جانتا تھا کہ صوبیدار سرکاری کارروائی بروقت پوری کرے گا۔

اس کی ڈاڑھی اب چہرے پر نمایاں ہونے لگی تھی۔ شیو بنانا اس نے چھوڑ دی تھی اور اپنے بالوں کا سٹائل بھی خان نے تبدیل کر لیا تھا۔ اگلے روز صبح جب رحمی ان لوگوں سے ملنے آئی تو خوشی سے اس کا چہرہ دمک رہا تھا۔ دہلی کے اخبارات نے اس ہوٹل کی نامعلوم حملہ آور کی طرف سے ٹھکائی اور پھر اس کی ٹانگ توڑ کر اسے کوڑے کے ڈھیر پر پھینک جانے کے واقعات کو شہ سرخیوں کے ساتھ شائع کیا تھا۔

ہال کو ہسپتال میں جا کر ہوش آیا تھا لیکن وہ کسی کی نشاندہی کرنے سے قاصر تھا۔ اس نے پولیس کو صرف اتنا بیان دیا تھا کہ حملہ آوروں نے چہرے چادر سے ڈھانپ رکھے تھے۔ اس نے اپنی ساکھ قائم رکھنے کے لیے جھوٹ بولا تھا۔ یہ بات اس کے لیے باعث شرم تھی کہ ایک اکیلا آدمی اس کے ڈیرے پر آیا اور اسے مار مار کر بے ہوش کر گیا۔

ڈاکٹر نے ذاتی رائے دی تھی کہ جس بری طرح اس کا پاؤں توڑا گیا ہے اب اس کے دوبارہ جڑنے کے امکانات بہت کم ہیں۔ کسی نے بڑے ماہرانہ طریقے سے یہ کام کیا تھا! اس کے ساتھ ایسا سلوک ہونے پر شہریوں نے سکھ کا سانس لیا۔ اب پولیس اس کی خبر لے گی اور اس کے ساتھیوں کو گرفتار کرنے کے لیے چھاپے مار رہی تھی۔

اوون کی درخواست پر رما نے اس بات کو اپنے تک ہی محدود رکھا تھا۔ اس نے رجنی پر یہ ظاہر نہیں کیا تھا کہ اوون نے اسے سب کچھ بتا دیا ہے۔ "چار چھ روز اس نے کھومنے پھرنے ہی میں گزار دیے۔ اس روز بھی وہ رما کے ساتھ ایک بار نما ہوٹل میں بیٹھا تھا جب ایک بیرا اس کے نزدیک آکر رکا۔

"آپ ہی کا کچھ نام اروِن گپتا ہے؟"

"ہاں" ــــ خان کے بجائے رما نے جواب دیا۔

"یہ چٹھی آپ کے نام ایک صاحب دے گئے ہیں۔" بیرے نے اسے ایک بند لفافہ تھما دیا۔

"وہ وہی گدھا ہوگا" ــــ خان نے حیرت انگیز پھرتی سے اپنا موڈ بدل لیا تھا اور بڑے کھلنڈرے انداز میں لفافہ پھاڑ کر کاغذ نکالا ــــ "اجی صاحب! آج کل تو خطوں نے لڑکوں کو دماغ خراب کر دیا ہے۔ ایک دو انگریزی فلمیں کیا دیکھ لیں خود کو جیمز بانڈ سمجھ لیتے ہیں۔ اب اس گدھے دلیپ ہی کو دیکھ لو مجھے بل بھی تو سکتا تھا۔ نہیں ملا۔ رقعہ دے گیا ہے۔ دو حسینہ تیرے کی۔" اس نے رقعہ پر پھرتی سے نظریں دوڑائیں اور ذہن میں ایک فون نمبر حفظ کر کے اسے پھاڑ کر اپنی جیب میں ڈال لیا۔

"یہ کیا؟" رما بولی۔ "جیب میں آپ نے کاغذوں کے ٹکڑے کیوں ڈال لیے؟"

"کیا میں لوگوں کی طرح نادانی کروں؟" اس نے فرش پر بکھرے ہوئے کاغذوں کی طرف اشارہ کیا ــــ

اور یہ کہتے ہی اس نے ایک زوردار قہقہہ بلند کیا اور پھر باقاعدہ ہنسنا شروع کر دیا۔

"کیا بات ہے۔ کیا ہوا؟" ــــ رما نے حیرانگی سے پوچھا۔

"مل گیا سالا ــــ معلوم ہے کیا لکھا ہے؟"

Scanned and PDF by: Qamar Abbas

"کیا ــــ رما کی حیرانگی ابھی تک ختم نہیں ہوئی تھی۔

"لکھتا ہے۔ میں کتاب میں ہڈی بننا نہیں چاہتا۔ اس لیے تمہیں ملے بغیر جا رہا ہوں۔" اتنا کہہ کر اس نے پھر باقاعدہ ہنسنا شروع کر دیا۔ اس مرتبہ وہ اکیلا نہیں ہنسا تھا۔ رما نے بھی اس کا مکمل ساتھ دیا تھا۔

خان نے کمال ہوشیاری سے معاملہ گول کر دیا تھا اور اصل بات کی اسے ہوا تک نہیں لگنے دی تھی۔

اصل میں یہ خط اسے مقامی سپرنٹنڈنٹ پولیس کی طرف سے لکھا گیا تھا جس میں اس کے لیے اپنے ملک سے کسی خصوصی پیغام کی خبر دی گئی تھی جو اس نے مطلوبہ نمبر ڈائل کر کے حاصل کرنا تھا۔ خان کو اب بے چینی سی محسوس ہونے لگی تھی۔ وہ جلد از جلد یہ احکامات حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اسے تو ایک پل بھی فارغ رہنا گوارا نہیں تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ لوگ اٹھ کر گھر جا رہے تھے۔ خان نے رما پر اپنے رویے میں کوئی معمولی سی تبدیلی بھی ظاہر نہ ہونے دی تھی۔ بلکہ رما کے ذہن سے ہی یہ بات نکل چکی تھی کہ کسی نے خان کو ہوٹل میں کوئی خط بھی لا کر دیا تھا۔

رجنی واپس جا چکی تھی۔ انہوں نے خاصا وقت ایک دوسرے کی معیت میں گزارا تھا۔ بال کی ٹامک ٹوئیاں ٹوٹنے کے بعد سے اب رجنی خاصی نارمل ہو گئی تھی۔ ایک بات تو خان نے خاص طور سے محسوس کی تھی، کہ اس کا رویہ اب پہلے ایک دو روز والا نہیں رہا تھا وہ خان کی غیر موجودگی میں تو رما کے ساتھ وہی غیر سنجیدہ گفتگو اور حرکتیں کرتی تھی، لیکن خان کے وہاں آتے ہی سنجیدگی اختیار کر لیتی تھی۔ خان محسوس کرنے لگا تھا کہ اب وہ اس کی دل سے عزت کرتی ہے۔

○

اسی رات اس نے مطلوبہ ٹیلی فون نمبر ڈائیل کر کے اپنے متعلق تازہ احکامات

Scanend and PDF by: Qamar Abbas

حاصل کر لیے تھے ـــــ اُسے بتایا گیا تھا کہ: "آج سے ٹھیک دس روز بعد، جب گھڑی کی سوئیاں تین اور بارہ کے ہندسوں کو چھو رہی ہوں تو اُسے انبالہ ریلوے اسٹیشن پر پہنچ جانا چاہیئے ـــــ نئے دوست" کی پہچان اُسے کرا دی گئی تھی اور باقی احکامات اُسی سے حاصل کرنے تھے۔"

"انبالہ شہر!" لمبے ساہنی نے ـــــ یہ دونوں الفاظ دُہراتے دُہراتے اُس نے رات کاٹی اور جب صبح ہوئی اور وہ لوگ ناشتے سے فارغ ہوئے تو یہ دیکھ کر وہ حیران رہ گیا کہ "روزمرّہ کی ڈاک میں اُنہیں سپلائی آرڈر موصول ہو گیا ہے۔"

زمانے نے اُسے بتایا کہ ـــــ "رجبی کی چھٹی ختم ہو گئی تھی شاید دو ایک روز بعد ہی وہ گھر آئے۔"

○

دو تین روز بعد خان اور سہائے ایک کرائے کے ٹرک پر مال لاد کر میرٹھ چھاؤنی کی طرف جا رہے تھے۔

اُن کی آمد کی اطلاع پا کر صوبیدار بلاقی رام دروازے پر ہی آ گیا تھا۔ اُس کے "کلیئر" کرنے کے بعد ہی ٹرک کو اندر جانے کی اجازت ملی تھی۔ مطلوبہ سٹور کے دروازے پر پہنچنے تک بلاقی رام نے اُنہیں یہ بریفنگ بھی کر دی تھی: "کہ وہ اپنے کرنل صاحب کی موجودگی میں اُنہیں ڈانٹ ڈپٹ بھی کرے گا لیکن اُنہیں بُرا نہیں ماننا۔"

خان کی عقابی نظریں بڑی بے چینی سے اطراف میں بھٹک رہی تھیں۔ اُس نے سپاہیوں کی آمد و رفت سے اندازہ لگایا تھا: "کہ یہاں زیادہ تر سکھ رجمنٹیں ہی رکھی جاتی ہیں!" اُن کا مال وہیں اُتار کر "کرنل صاحب" کی موجودگی میں دوبارہ چیک کیا گیا تھا اور کرنل صاحب نے کمالِ شفقت کا ثبوت دیتے ہوئے اور کے کر دیا تھا۔

جہاں وہ لوگ موجود تھے وہ ایک بیرک نما گودام تھا جس کی پُشت پر نشانہ بازی کی

جگہ بنی ہوئی تھی۔ اِرد گرد کھلی جگہ پر جوان مشقیں کر رہے تھے۔ خان بڑی دلچسپی سے اُنہیں مشقیں کرتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ اُس کے دیکھتے ہی دیکھتے ایک بڑی سی ہیرک کے پیچھے سے ایک دستہ نمودار ہوا جسے دیکھ کر خان چونکے بغیر نہ رہ سکا۔ وہ اُن لوگوں کو پہچان گیا تھا لیکن تصدیق بھی ضروری تھی۔

"صوبیدار جی!" بالآخر اُسے موقعہ مل ہی گیا۔ "ہم نے تو سُنا تھا کہ فوجی لوگ ڈسپلن کے بڑے پکے ہوتے ہیں۔ لیکن کمال ہے۔ یہ لوگ تو دھوتی کے ساتھ ہی مشقیں کر رہے ہیں۔" اُس نے سامنے، سندھیوں ہاتھ میں پکڑ کر اُچھلتے کودتے ہوئے نوجوانوں کی طرف اشارہ کیا۔

"ارے یہ لوگ باقاعدہ فوجی نہیں ہیں۔" بلاقی رام نے مُسکراتے ہوئے کہا۔

"تو کون ہیں یہ؟" خان کے بجائے سہائے نے پُوچھا۔

"تم تو اپنے لوگ ہو۔ کسی کو بتانا نہیں۔ یہ راز کی باتیں ہوتی ہیں۔" بلاقی رام نے اُن کی طرف جُھکتے ہوئے کہا۔ "یہ "مُکتی باہنی" ہے۔"

"مُکتی باہنی کیا؟" خان نے سب کچھ جانتے ہوئے بھی پُوچھ لیا۔

"ـــــ اُدھر ڈھاکہ سے جو لوگ بھاگ کر آتے ہیں ہم اُنہیں ٹریننگ دے کر واپس پاکستان واپس بھیج رہے ہیں۔" بلاقی رام نے سمجھایا۔

"یہ سب لوگ اُدھر ہی کے ہیں؟" سہائے بھی گفتگو میں خاصی دلچسپی لے رہا تھا۔

"ارے نہیں یار! اب تمہیں ساری باتیں کیسے بتا دوں۔" بلاقی رام نے مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے اپنی معلومات کا رعب جھاڑا۔ "ان میں بمشکل پانچ سات اُدھر کے ہیں۔"

"اور یہ باقی پندرہ بیس کون ہیں؟" خان نے پُوچھا۔

"وہ تو مکتی کے ہیں اور دراصل یہی لوگ تو اُدھر جا کر اصلی کام کریں گے، جو خود کو عوامی بنگال بتا کر لوگوں کو حکومت کے خلاف بغاوت پر اُکسائیں گے۔ اُنہیں ٹریننگ

دیں گے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہاں جا کر توڑ پھوڑ کی کارروائیاں کریں گے ۔۔۔ ابھی یہ کام تھوڑے پیمانے پر ہو رہا ہے۔ جیسے جیسے حالات ہمارے حق میں ہوتے جائیں گے ہمارا کام آسان ہوتا چلا جائے گا ۔۔۔ بس یار! اتنا ہی کافی ہے۔ ہر بات سو فیصد کہنی جاننی چاہیئے۔" بلاقی رام بڑی مکاری سے مسکرانے لگا۔

خان نے مزید کچھ پوچھنا مناسب نہ سمجھا۔ اس کے کلیجے میں ایک آگ سی لگ گئی تھی۔ آج جو کچھ اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا اور اس سے پہلے جو کچھ معلومات اسے حاصل ہوئی تھیں۔ اس کے بعد سے عجیب عجیب خدشات اس کے دل و دماغ میں جڑ پکڑنے لگے تھے۔

دشمن بڑی مکاری سے آہستہ آہستہ اپنی گرفت مضبوط کر رہا تھا۔ سرحدوں پر "شرنارتھیوں کے کیمپ" گاڑ دیئے گئے تھے۔ ان کیمپوں میں نام نہاد شرنارتھیوں کو عالمی امداد سے حاصل کردہ خوراک کا صرف ایک تہائی حصہ دیا جاتا تھا۔ بقیہ سب کچھ بھارت سرکار خود ہضم کر جاتی تھی اور "شرنارتھیوں" کو پیٹ بھر آلو پر گزارے سے بھر دیا جاتا تھا۔ بیرونی امداد کی اس حکمت عملی سے کیا جا رہا تھا کہ بھولے بھالے بنگالی جان ہی نہ سکے اور بڑی سادہ لوحی سے اپنے دل دشمن کی مٹھی میں دیتے چلے گئے۔

حالات ایسے نہیں تھے کہ وہ بلاقی رام کو مزید کریدنا شروع کر دیتا۔ اس نے خاموش رہنا ہی مناسب سمجھا تھا مگر بلاقی رام نے پھر اسی ایشو پر بولنا شروع کر دیا تھا۔ وہ اپنی معلومات کا رعب گانٹھنے کے چکر میں رنگ اکھڑتا چلا گیا اور خان کے ذہن میں وہ سب نقش ہوتا رہا۔ بلاقی رام، مظلوم بنگالیوں کو بے تحاشا گالیاں دے رہا تھا۔ وہ ان کا ذکر بہت حقارت سے کرتا تھا:

بھارتی فوج کا ایک عام سپاہی ہوتے ہوئے بھی اس کی شدید خواہش تھی کہ "اکھنڈ بھارت" کا خواب پورا ہو جائے ۔۔۔ وہ راسی کماری سے خیبر کی چوٹیوں تک کا

Scanned and PDF by: Qamar Abbas

اپنے باپ کی وراثت سمجھتا تھا۔

اس نے جو سات آٹھ جماعتیں پڑھی تھیں ان کے دوران ہی تاریخ کے ٹیچر نے اس کے کانوں میں یہ زہر ڈال دیا تھا کہ موہنجو داڑو اور ٹیکسلا کی مدفون تہذیبیں اسی کے آباؤ اجداد کی وراثت ہیں۔

"اور ۔۔۔ اب اس کے دل میں بہت سی خواہشیں جاگزیں ہو گئی تھیں کہ وہ ان سب علاقوں کو جیسے بھی ممکن ہو، بھارت ماتا کے تصرف میں لے آئے اور یہی عزم لے کر وہ فوج میں گیا تھا۔

لیکن ۶۵ء کی جنگ میں اس نے اپنی فوج کی جو درگت پاکستانیوں کے ہاتھوں بنتے دیکھی تھی۔ اس کے بعد سے اس کو یہ یقین بھی ہو چلا تھا کہ وہ اپنا خواب کبھی پورا نہیں کر سکتے ہیں۔

صوبیدار بلاقی رام پرلے درجے کا بے ایمان فوجی تھا۔ اس کے توسط سے سپلائی کی کمپنی اس کے افسران کے گھروں میں پہنچتی تھی۔ وہ بلا کا شراب نوش بھی تھا اور کوئی اخلاقی برائی نہیں تھی جس کا وہ شکار نہ رہا ہو ۔۔۔ لیکن وہ اندر سے مکمل ہندو تھا۔ روزانہ نہیں تو ہفتہ بھر میں ایک مرتبہ ہی سہی وہ مندر میں ضرور جاتا تھا۔ اس کے جذبات بھی مسلمانوں کے متعلق وہی تھے جو ایک ایماندار ہندو کے ہونے چاہئیں۔ وہ بھی اسی دیوانگی کا شکار تھا اس کے شکار اس کے باقی بھائی بند تھے۔ ان کا ایک ہی خواب تھا، پاکستان کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کا گھناؤنا، مکروہ اور بھیانک خواب۔

دوپہر کا کھانا دونوں نے بلاقی رام کے ساتھ اس کے ٹینٹ میں ہی کھایا تھا۔ اس دوران اس نے کھانا نہ ہونے کے برابر کھایا تھا، حالانکہ اس کا دل کھانے کی طرف دیکھنے کو بھی نہیں چاہتا تھا، لیکن یہ اس کے فرائض میں شامل تھا کہ اپنے جذبات کو اپنے اندر ہی مار ڈالے۔ اسے لاشعوری طور پر بھی ایسی کوئی حرکت نہیں کرنی چاہیئے تھی جو اس کی شخصیت

کو مشتبہ کرے۔ یہی وجہ ہے کہ اُس نے بادلِ نخواستہ ہی سہی بلاقی رام کی بات میں بات بڑے جوش و خروش سے ملائی تھی۔

بلاقی رام کے ساتھ کیے گئے معاہدے میں یہ بات بھی شامل تھی کہ وہ بل کی ادائیگی جلد از جلد کروائے گا کیونکہ اپنی کیشن کا بقیہ بھی اُسے اسی صورت میں ملنا تھا۔

سہ پہر تک وہ بلاقی رام کے ساتھ رہے، پھر دہلی روانہ ہو گئے۔ میرٹھ سے دہلی تک خان سوچوں کے تانے بانے اُلجھاتا اور سُلجھاتا رہا ــــ ہر آنے والا لمحہ اُس کے لیے کوئی نہ کوئی بُری خبر لے کر آ رہا تھا۔

اور وہ محض دل کو یہ کہہ کر ــ ظفل تسلیاں دیتا رہتا:

"آخر وہ ان منصوبہ بندیوں اور تیاریوں کی اطلاعات بروقت اپنے ملک کو تو دے رہا ہے ــــ یقیناً وہ لوگ دشمن کی حکمتِ عملی جان کر اُس کے تدارک کے لیے عملی اقدامات کر رہے ہوں گے۔"

○

بلاقی رام قریباً روزانہ ہی کسی نہ کسی کام سے دہلی آیا کرتا تھا اور اپنے بل کی وصولی کے سلسلے میں خان نے بھی اُس سے دو تین ملاقاتیں منعقد کیں، لیکن بل کی وصولی تو ایک بہانہ ہی ہوتا تھا اصل میں تو وہ گیتی بائی کی میرٹھ اور دوسری چھاؤنیوں میں ٹریننگ ہی کی معلومات اُس سے اگلوا رہا تھا۔ اور اس دوران یہ ــــ اُس کا معمول بن چکا تھا کہ وہ ہر دوسرے دن ان معلومات پر مبنی رپورٹ اپنے ہائی کمان کو ضرور بھیجا کرتا۔

بلاقی رام ہی کے تعاون سے اُنھوں نے دو اور نئے انڈر گراؤنڈ بھی داخل کر دیے تھے۔ بل وصول ہونے پر اُس نے سب سے پہلے بلاقی رام کو اُس کے حصے کی کیشن ادا کی تھی۔ اور اب ایک درمیانی سی موٹر سائیکل بھی ان لوگوں نے خرید لی تھی جو زیادہ تر کشور کے تصرف ہی میں رہنے لگی تھی۔

Scanend and PDF by: Qamar Abbas

اخبارات نے کئی روز تک تو بالی کی خوب درگت بنائی تھی ــــ اب وہ ہسپتال سے نکل آیا تھا۔ کیونکہ ڈاکٹروں نے اُس کا پاؤں جوڑنے سے معذرت کر لی تھی۔ اُن کے نزدیک اب اُس کا علاج ممکن ہی نہیں رہا تھا۔ بالی نے شرمندگی کے مارے گھر سے باہر نکلنا چھوڑ دیا تھا اور اُس کو کمزور دیکھ کر پولیس نے بھی اپنے سابقہ ارمان پورے کر لیے تھے۔ اُس کے ایک ایک ساتھی کو گرفتار کر لیا گیا تھا۔

رحمٰی سے خان کی ملاقات کتنے ہی دنوں کے بعد ہوئی تھی اُسی کی زبانی اُسے علم ہوا کہ پاکستانی فوج کے کچھ افسر بھاگ کر یہاں آئے ہوئے ہیں اور اُن میں سے کچھ "را" کے مرکزی دفتر میں توڑ پھوڑ کی تربیت بھی حاصل کر رہے ہیں ــــ ان افسران کو دل بہلائے رکھنے اور انہیں بھارت کا دوست بنائے رکھنے کے لیے اُن میں سے ہر ایک کے ساتھ "را" کی تربیت یافتہ ایک ایک لڑکی کو بھی چپکا دیا گیا ہے۔

اُس روز جب خان پہلی مرتبہ رحمٰی کو موٹر سائیکل کے پیچھے بٹھا کر "دسنت وہار" واقع ٹریننگ سکول میں چھوڑنے گیا تو دروازے سے اچانک ہی اُس نے رحمٰی کے ساتھ ایک فوجی آفیسر کو نمودار ہوتے دیکھا تھا۔ جو اُسے دیکھتے ہی گولی کی طرح سیدھا اُس کی طرف آیا۔ اُس نے جھک کر کہہ کر اُس کا تعارف اپنے بھائی سے کروایا اور بعد ہوئی کہ خان اندر آئے لیکن خان اندر نہ آیا۔ اُس نے ضروری کام کا بہانہ کر دیا تھا۔ اسی طرح دو تین مرتبہ وہ رحمٰی کو چھوڑنے کے بہانے یہاں تک آیا اور اُس کے بعد ہونے پر بھی اندر نہ گیا۔ آخر وہ کوئی پنگا نہیں لینا چاہتا تھا۔

○

اسی روز بعد ایک دن تینوں نے اکٹھے فلم دیکھنے کا پروگرام بنایا اور رحمٰی نے خان سے درخواست کر دی کہ وہ اُسے دفتر سے لے آئے ــــ کشور سے موٹر سائیکل مستعار لے کر وہ رحمٰی کے دفتر پہنچ گیا۔

Scanned and PDF by: Qamar Abbas

رحمی نے گیٹ پر ہی اُس کی آمد کی رپورٹ کر رکھی تھی۔ ایک سیکورٹی گارڈ اُسے بڑے احترام سے ایک بجے سجائے کمرے میں لے گیا۔ کمرے کے ایک کونے میں اُسے وہی میجر شراب پیتا نظر آ گیا۔ خان نے اِس طرح نظریں پھیر لیں۔ گویا اُسے جانتا ہی نہیں۔ رحمی نے اندر کام پر اُسے بتایا کہ وہ دس پندرہ منٹ بعد کانفرنس روم میں آ جائے۔ اب یہ تمام اُسے بہرحال اس میجر کے ساتھ گزارنا تھا جس نے خان کو پہچان کر اچانک ہی اُس کے نام کا نعرہ لگا کر اُسے اپنی طرف متوجہ کیا۔

"میرا نام میجر کبیر ہے" اُس نے خان کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

"میرے نام کا تو آپ کو علم ہو ہی گیا ہوگا" ــــ خان نے اپنا لہجہ خاصا سنجیدہ کر لیا تھا۔

"ہاں رحمی آپ کی بہت تعریف کرتی رہتی ہے"

"پچھتائے گی ایک دن۔ میری تعریف کرنے والا کبھی خوش نہیں رہتا" خان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

جواب میں کبیر نے بھی بڑے بے ہودہ انداز میں ہنسنا شروع کر دیا۔ خان کو تو اُس کی موجودگی ہی کھل رہی تھی۔ لیکن وہ اپنے بزنس کے اصولوں پر بڑی سختی سے کاربند تھا۔ اُس کے ذاتی جذبات یہاں کچھ معنی نہیں رکھتے تھے۔

"کون سا شہر تھا آپ کا" ــــ خان نے گفتگو کا سلسلہ آگے بڑھایا۔

"کھلنا ــــ میں اُدھر کھلنا کے نزدیک ایک گاؤں کا رہنے والا ہوں" اُس نے خان کو بتانا شروع کیا۔

"آپ نے بڑی دلیری دکھائی "بنگلہ دیش" کے لیے آپ کیا کر رہے ہیں سُنا ہے اِنکا فوج بہت مضبوط ہے" خان نے اُسے ٹٹولنا چاہا۔

"مسٹر خان میرا تعلق بھی اُسی فوج سے رہا ہے واقعی وہ بہت بہادر فوج ہے لیکن ہماری پلاننگ اتنی زبردست ہے کہ اِس سے کہیں زیادہ بہادر فوج بھی ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی

آپ نہیں جانتے کہ ہر بہادر آدمی کی ایک بہت بڑی کمزوری ہوتی ہے" اُس نے شراب کا گلاس سے ایک گھونٹ بھرا۔

خان خاموش رہا۔ وہ اُسے زیادہ سے زیادہ بولنے کا موقعہ دینا چاہتا تھا تاکہ حقائق زیادہ سے زیادہ اُگلوا سکے۔ وہ خاموشی اور انہماک سے میجر کبیر کو دیکھتا رہا۔

"ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ ہر بہادر آدمی کی ایک بہت بڑی کمزوری ہوتی ہے" کہ وہ بوڑھوں، بچوں اور عورتوں پر ہاتھ نہیں اٹھاتا۔ اور مسٹر اون کدر ــــ یہی ہمارے ہتھیار ہیں۔ ہماری حکمت عملی یہی ہے کہ ہم نے اُن کی اِس کمزوری کی آڑ میں خود کو چھپا کر رکھنا ہے اور ہمارے اِس حملے کا توڑ پاکستانی فوج کے پاس نہیں ہے۔ ویسے یوں بھی ان دیکھے دشمن کا مقابلہ کون کر سکتا ہے؟

اُس نے ایک اور لمبا گھونٹ بھرا اور بچکی لے کر خان کی طرف جھک گیا۔ خان کو اُس سے کراہت آنے لگی تھی۔ شراب کی بدبو کے جھونکے اُس کے منہ سے اٹھ رہے تھے لیکن خان نے اپنے چہرے پر ناگواری کا کوئی تاثر نہ اُبھرنے دیا۔ وہ ہمہ تن گوش اُس کی گفتگو سن رہا تھا۔

"میں زیادہ باتیں نہیں کرتا مگار! تم خود ہی سب کچھ دیکھ لوگے۔ اِس کھیل کو اب تھوڑی ہی دیر میں سمیٹ لوں گا۔ بس چند دنوں کی اور بات ہے پھر ہم ہوں گے اور ہمارا "بنگلہ دیش" ہوگا"

"ایک بات تو بتاؤ مسٹر کبیر! اگر دُنیا کو اس بات کا پتہ چل گیا کہ یہ سب کچھ بھارت کے اشارے پر ہو رہا ہے تو ہم بین الاقوامی دنیا میں بدنام ہو جائیں گے۔ ہم تو کسی کو منہ دکھانے کے لائق بھی نہیں رہیں گے" اُس نے کبیر کو مزید کریدنا چاہا۔

"مگار جی اچھے تو آپ کے ہندو دوست نے پرنٹک ہے۔ میں نام ہی کا سہی بہرحال مسلمان ہوں اور چند مہینے آپ ہی کے ہم قوم لوگوں میں گزارنے کے بعد یہ جان گیا ہوں؛

"کر ضمیر نام کی کوئی شے ہمارے ہاں نہیں پائی جاتی ـــــ بھئی شرمندگی کس بات کی یہ تو سیاست کا کھیل ہے منافقت اور جھوٹ کا کھیل! یہ دُنیا اُسی کی ہے مسٹر کمار جو زیادہ صفائی سے، زیادہ بہتر طریقے سے جھوٹ بول سکے اور اُسے سچ ثابت کر کے دکھا دے۔" شراب کا خالی پیگ ایک طرف رکھ کر اُس نے سگریٹ سلگایا۔

"مسٹر ورون کمار! اگر تھوڑی دیر کے لیے آپ کی بات مان ہی لی جائے تو بھی آپ کو تو علم ہو گا ہی کہ آپ کی بہن بھی اسی دفتر میں کام کرتی ہے۔ بین الاقوامی سطح پر تو لوگ یہ کام کر سکتے ہیں ـــــ اُن پر ہم نے پہلے ہی جال پھینک دیا ہے۔

مسٹر کمار! پاکستان کے ہر سفارتخانے میں ہماری لڑکیاں پہنچ گئی ہیں۔ بنگلہ دیش کی ہر وہ چھاؤنی جہاں بنگالی یونٹیں قیام پذیر ہیں وہاں "را" کی تربیت یافتہ ایجنٹ عورتیں اپنا کام کر رہی ہیں۔ مسٹر کمار!" اُس کی آواز اب نشے میں ڈگمگانے لگی تھی "یہ بڑی زبردست لڑکیاں ہیں۔ ناگن ہیں ناگن۔ جس پر ایک مرتبہ پھن رکھ دیں، وہ اس کے زہر سے بچ نہیں سکتا۔"

خان نے محسوس کیا جیسے میجر کبیر خود بھی کسی ایسی ہی ناگن کا شکار ہو کر "را" کے اس دفتر تک پہنچا ہو۔ آخری فقرہ بولتے ہوئے اُس کا لہجہ خاصا گھمبیر ہو گیا تھا۔

"اچھا مجھے جانا ہو گا رجنی میرا انتظار کر رہی ہو گی" ـــــ خان نے محسوس کیا تھا کہ یہ "آؤٹ" ہو جائے گا۔ میجر کبیر نے اُس کے دیکھتے ہی دیکھتے چوتھا پیگ بھی تیار کر لیا تھا۔

میجر کبیر اُسے روکتا ہی رہا لیکن خان اُس کے خلوص کو ٹھکرا کر آ گیا۔ کامن روم کے باہر ہی اُسے رجنی نظر آ گئی۔

"کہاں رہ گئے تھے آپ؟" اُس نے پوچھنے ہی پوچھا۔

"جہنم میں۔ وہ تمہارا بنگالی دوست مل گیا تھا" خان نے بوریت ظاہر کی۔

Scanned and PDFed by

"ارے بھیا! آہستہ بولو۔ بھگوان کے لیے کہیں کوئی سن نہ لے۔"

"یہ تو ہے بھئی۔" تم انٹیلی جنس والے آخر انہیں مفت کی روٹیاں کھلانے سے تو رہے۔

"اچھا چھوڑیئے اس بک بک کو۔ صبح سے رات تک یہی سننا اور کرنا پڑتا ہے۔ کم از کم آپ تو اس موضوع کو نہ چھیڑا کریں۔" رجنی نے گفتگو سے اپنا پیچھا چھڑانا چاہا۔

"دیکھو بھئی مجھے تو ویسے بھی ان باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔ لیکن اپنی بہن جو اس گورکھ دھندے میں پھنسی ہے تو اس سے غیر متعلق تو نہیں رہا جا سکتا ناں۔"

"پھر وہی بات....." رجنی نے کانوں میں انگلیاں ٹھونسیں۔

"اچھا جانے دو ـــــ آؤ چلتے ہیں" ـــــ خان نے اُس کا بازو پکڑ کر اپنی طرف کھینچا۔ دونوں بڑی بے تکلفی سے چلتے ہوئے دروازے سے باہر آ گئے۔ دروازے پر متعین گورکھا گارڈ نے آج پھر خان کو بڑی حسد بھری نظروں سے دیکھا۔

○

رجنی کو ساتھ لے کر وہ گھر چلا آیا۔ موٹر سائیکل کشور کو شکریہ کے ساتھ واپس کر کے وہ تینوں ـــــ خان، رجنی اور خان سینما ہاؤس کی طرف روانہ ہو گئے۔

فلم نئی تھی اور خاصی دلچسپ بھی لیکن خان کے لیے تو اس میں کوئی دلچسپی باقی نہیں رہی تھی۔

اُسے تو ایک ہی سوچ کھائے جا رہی تھی، مستقبل کی سوچ۔

ـــــ جب وہ چشم تصور سے اپنے مشرقی پاکستان کی موجودہ حالت پر نظر ڈالتا تو اس کی نسیں ٹوٹنے لگتیں اُسے اپنا دم گھٹتا محسوس ہونے لگتا۔ بس ایک اُمید تھی کہ جو بھی کبھی اس گھٹور اندھیرے میں اُس کے لیے شمع بن کر اُجالا پھیلانے لگتی وہ سوچتا: آخر سب ہی بنگالی تو ایسے نہیں؛ اور پھر دوسرے ہی لمحے اُس کے دل سے ہوک

and PDF by Qamar Abbas

سی اٹھنے لگتی "آخر ایسے وہ کتنے لوگ ہیں؟"

۔ آٹے میں نمک کے برابر بھی ان کی تعداد نہیں ان کے بھائی بند ہی انہیں ڈالیں گے۔"

وہ خود کو مطمئن کرنے کے لیے اپنے آپ سے کہتی۔

○

رجنی کے اندر سوئی ہوئی عورت کو اس نے بھائی کا پیار دے کر جگا دیا تھا۔

خان محسوس کرنے لگا تھا کہ واقعی رجنی اُسے اپنا سگا بھائی تصور کرنے لگی تھی۔ اُس کی ضروریات کا اتنا خیال رکھتی تھی۔ اُس کو اتنا احترام دیتی تھی کہ خان کو گھر اپنا سا محسوس ہونے لگتی۔ وہ سوچتا "آخر تو اُسے اپنے ملک واپس چلے جانا ہے۔ جانے کب اُسے اگلا حکم موصول ہو۔ اور وہ اپنا بوریا بستر گول کر جائے۔ تب رجنی اور رُما پر کیا گزرے گی؟ خود وہ لاشعوری طور پر رُما کے اتنا قریب آ چکا تھا کہ اب وہاں سے واپسی کا تصور ہی اُس کے لیے جان لیوا تھا۔

اُن کے ایک ہمسائے جن کے ہاں ٹیلی فون بھی موجود تھا یہاں سے گھر شفٹ کر کے جا رہے تھے۔ خان نے پچھلے آٹھ دس روز سے ہمسائے کو اُن کے پیچھے لگایا ہوا تھا کہ اُن لوگوں سے ٹیلی فون خرید لیا جائے۔ اُس روز جب وہ لوگ نلم دیکھ کر گھر واپس لوٹے تو خان کے لیے خوشخبری موجود تھی کہ مسز ہمسائے نے بالآخر دو ہزار روپے پر سودا طے کر دیا تھا۔ اس دوران اُن لوگوں نے ایک اور ائیر بھی سپلائی کر دی تھی اور گھر میں اتنا سامان آ چکا تھا کہ اب یہ سب کچھ گھر کے لیے ضروری سمجھا جانے لگا تھا۔ کشور اور آشا نے تو اس بہت کچھ سوچنا شروع کر دیا تھا۔

خان کا یہ معمول بن چکا تھا کہ وہ تین چار روز بعد کسی نہ کسی بہانے رجنی کے دفتر

فون کر لیتا تھا ـــــ رجنی کی سہیلیاں اور اُس کے دوست اب خان کو رجنی کے بھائی کی حیثیت سے جاننے لگے تھے۔ رجنی اِس دفتر کی ہر دلعزیز شخصیت تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اُس کے ساتھیوں نے خان کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔

خان نے اپنی آنکھوں سے یہاں بھی غدار بھگوڑوں کو تربیت حاصل کرتے دیکھ لیا تھا۔ یہ اُس کا کمال تھا کہ اُس نے اُن لوگوں کی تصاویر بھی حاصل کر لی تھیں اور کسی کو کانوں کان خبر بھی نہیں ہونے دی تھی۔ پھر یہ تصاویر بھی اُس کے مُلک میں محفوظ ہاتھوں تک منتقل ہو گئیں۔

اُس روز وہ رجنی بہن سے مل کر گھر واپس لوٹا تھا جب تھوڑی دیر بعد اُس کے لیے ٹیلی فون آ گیا! ان تین چار ماہ میں اُس نے دہلی میں پانچ دس ایسے دوست بنا لیے تھے جو اُسے فون کر سکیں ـــــ اس طرح وہ اپنی دانست میں گھر والوں کو بھی کسی قسم کا شک کرنے کا موقع دینا نہیں چاہتا تھا۔

ٹیلی فون اُس نے خود ہی اُٹھایا تھا۔ دوسری طرف اردن کمار کے لیے ہی فون تھا۔ جب خان نے بتایا کہ وہی اُردن کمار ہے تو جواب میں جو نام فون کرنے والے نے بتایا اُس پر وہ خاصا محتاط ہو گیا۔ اُس نے ٹیلی فون کا یہ چکر ہی اس لیے چلایا تھا کہ بجائے خود فون کرتے رہنے کے یہیں پر "معصومانہ انداز" میں پیغامات وصول کر لیا کرے۔

دوسری طرف بولنے والے نے اپنا اطمینان کرنے کے لیے خان سے کوڑ ورڈز کا تبادلہ کیا اور جب اُسے یقین ہو گیا کہ واقعی اُس کا مخاطب اُردن کمار ہی ہے تو اُس نے خان تک تازہ احکامات پہنچا دیئے۔ اب اُسے تین روز بعد اگلے مشن پر روانہ ہونا تھا۔

○

اگلے روز رُما کی بنائی ہوئی پینٹنگز کی نمائش تھی۔ رُما تو اس کے لیے بالکل تیار نہ تھی، یہ بھی خان ہی تھا جس نے اُس سے زبردستی یہ سب کچھ کروایا تھا۔ یہ نمائش اُس کے کالج

Best way to Pdf
Scanend and PDF by Qamar Abbas

میں ہی لگی تھی۔ دونوں اکٹھے ہی کالج پہنچے تھے۔

اُس روز خان نے محسوس کیا کہ رما واقعی کوئی غیر معمولی لڑکی ہے ـــــ خدا جانے یہ اُس کی محبت کا اثر تھا یا پھر رما کے اندر موجود آرٹسٹ کی کرامت کہ خان بھی ان تصاویر پر ایک نظر ڈال کر تو دنگ ہی رہ گیا حالانکہ یہ سب پینٹنگز رما نے اُس کے سامنے اُس کی موجودگی ہی میں تیار کی تھیں لیکن آج جب اُنہیں باقی آرٹسٹوں کی بنی ہوئی پینٹنگز کے مقابلے میں لگایا گیا تو اُن کی انفرادیت چیخ چیخ کر اپنے بنانے والے کی عظمت کی گواہی دے رہی تھی۔

خان کو یوں محسوس ہوا جیسے فضاؤں میں موجود سارا حُسن رما کی انگلیوں کے راستے کینوس پر پھیل گیا ہو۔ وہاں موجود ہر شخص رما کی تعریف کر رہا تھا۔ ہر نوجوان اپنی پینٹنگز کی طرح خوبصورت اس آرٹسٹ لڑکی سے دو باتیں کرنے کا متمنی تھا لیکن وہ سوائے خان کے کسی کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتی تھی۔ خان نے وہاں کئی آنکھوں میں اپنے لیے رشک اور حسد کے ملے جلے جذبات موجزن دیکھے۔ اُسے خود پر فخر ہونے لگا کہ رما جیسی لڑکی اُس کی محبوبہ ہے۔ احساسِ تفاخر سے اُس کے اندر ایک عجیب اور پُراسرار سا طمانیت کا احساس اُبھرا۔

اُس لمحے خان نے سوچا: "زندگی کا سارا لطف اسی پُراسراریت کا مرہونِ منت ہی تو ہے جو ایک خاص نوع کی بے یقینی کی صورت سے جنم لیتا ہے اور نگاہوں سے اوجھل بے یقینی کی دھند اگر صاف ہو جائے تو حقیقت ہمیشہ مایوس کن انداز ہی میں ظاہر ہوتی ہے۔ اسی لیے تو ہماری مجسم اور مجرد دونوں طرح کی شخصیتیں کبھی بھی اس المناک صورتِ حال سے دوچار نہیں ہوتیں۔ جس سے موت یا مایوسی کا روایتی تصور وابستہ ہو۔"

اُسی روز جب سہ پہر کے بعد وہ رما کے ہاتھوں میں ہاتھ دیے جھنگ کے کنارے ایک خوبصورت تفریح گاہ میں زندگی کے لطف سے حظ اندوز ہو رہا تھا تو اُسے یہ ادراک بھی ہوا کہ

جُدائی اور موت ہی زندگی کا سب سے بڑا المیہ نہیں ہے۔"

اُس نے سوچا: "دراصل زندگی ہی زندگی کا سب سے بڑا المیہ ہے۔

ـــــ زندگی کا آغاز تو دُھلے دُھلائے پھول چہرے، جسم و روح، حالات و واقعات کی خراشوں سے پاک صاف اور مستقبل کے پہاڑوں کے دامن میں رواں دواں زندگی کی چاندی ایسی لکیر جس میں کوئی غم دکھائی نہیں دیتا! ہم خوش و خرم ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے اس کے کنارے کی جانب بڑھتے چلے جاتے ہیں۔

پھر آہستہ آہستہ ہاتھوں سے ہاتھ جُدا ہونے لگتے ہیں۔ قدموں کے زاویے ٹیڑھے ہونے لگتے ہیں۔ حیات نئے دائرے بنانے لگتی ہے ـــــ یادوں کی ریت پر چہروں کے بننے مٹنے کا عمل تیز اور پھر تیز تر ہونے لگتا ہے۔

دونوں دریا کے کنارے پتھروں پر بیٹھ گئے۔ دونوں نے پائنچے اُوپر چڑھا رکھے تھے اور پانی میں پاؤں لٹکائے ایک دوسرے میں گم صم بیٹھے تھے۔ رما کبھی کبھی کوئی کنکر پانی میں پھینکتی تو وہاں دائرے سے بننے اور مٹنے لگتے۔ دائرہ حرکت میں آتا تو خان کو ماضی کی کہانی متحرک تصویروں کی صورت اس میں نظر آنے لگتی وہ چند لمحوں میں پوری زندگی بسر کر جاتا۔!

تصورات کی پرچھائیوں پر جب حقائق کی تمثیلیں غلبہ پانے لگتیں تو اُسے یاد آنے لگتا: "کہ بالآخر رما اُس سے چھٹ جائے گی؟" اور یہ خیال آتے ہی خان کو یوں لگتا جیسے کوئی چیز اُس کے اندر مر گئی ہو۔ یہ مراجعت کا لمحہ ہوتا۔

ممکن تھا کہ لمحہ طویل ہو کر اُس کے روحانی ارتقاء کے تسلسل کو توڑ ڈالتا جب رما نے اُسے اپنی طرف مخاطب کر کے حالات کے تانے بانے سے باہر کھینچ لیا۔

"کیا سوچ رہے ہیں آپ؟" منہ سے کیا سوگواری خود پر طاری کر رکھی ہے آپ نے۔"

"کچھ نہیں کوئی بات نہیں۔ بس ایسے ہی آج کچھ....." اُسے ڈھنگ کی بات سوجھ ہی

Scanend and PDF by: Qamar Abbas

نہیں رہی تھی۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اُسے کیا جواب دے۔ "رما بس کسی وقت ایسا ہو جاتا ہے۔ تم تو جانتی ہو نا جیسے وقت ایک سا نہیں رہتا۔ اس طرح انسان کا موڈ بھی ایک طرح کا نہیں رہتا۔"

وہ خاموش ہو کر پھر دریا کے تڑپتے پانی کو گھورنے لگا تھا۔

"اروون گارجی!" رما نے اُس کی طرف جھکتے ہوئے کہا۔ "آپ کچھ نہ بتائیے لیکن جتنا سب کچھ جانتی ہے۔ دریا کے پانی سے بہت کچھ سیکھا جا سکتا ہے ـــــ گارجی! میں جب کبھی بہت اداس ہوتی تھی تو یہیں انہی پتھروں پر آ کر بیٹھ جایا کرتی تھی۔ اس جگہ مجھے ایک سنیاسی نے بہت راز کی بات بتائی تھی۔ جس کے بعد سے میں نے اُداس ہونا ہی چھوڑ دیا۔"

"کیا؟" ـــــ خان چونکے بغیر نہ رہ سکا۔

"اس نے کہا تھا: کہ دریا کے اندر بھی ایک پیغام چھپا ہے۔ اسے سمجھنے کی کوشش کرو! اس کا پانی یہی کہتا ہے ـــــ کہ وقت بہائے خود کوئی وجود ہی نہیں رکھتا۔"

"ہاں رما۔" خان نے اُس کی ٹھوڑی کو اپنی انگلی سے چھو کر اپنی طرف مخاطب کیا۔ "تم بھی دریا ہی کی مانند ہو۔ تم میرے ذہن میں دریا کی طرح ایک ہی وقت ہر جگہ موجود رہتی ہو۔ جیسے دریا اپنے منبع پر اپنے دھانے پر، آبشار کی صورت اور تپن پر اپنی امواج میں، سمندر پر، پہاڑوں پر، غرض ہر جگہ اپنا وجود برقرار رکھتا ہے اور اس کے لیے وقت صرف حال کی صورت میں وجود رکھتا ہے اس طرح تمہاری محبت پر بھی نہ ماضی کا سایہ ہے نہ مستقبل کی پرچھائیاں۔ بس تمہاری محبت کا دریا بھی میرے اندر بہتا چلا جا رہا ہے۔ اب تو میں اسکی طغیانیوں میں بہہ کر اس کا ایک حصہ بننے لگا ہوں رما۔" اس کی آواز کچھ بوجھل ہونے لگی تھی۔

خود رما بھی خاصی سوگوار ہو چلی تھی۔ جذبات کی شدت سے خوشیاں اور غم دونوں ہی

لوٹے اُٹھتے ہیں۔ دونوں اس بات پر یقیناً مطمئن تھے کہ اتنے حساس ہونا بھی بہرحال بھرپور زندگی کی علامت ہے۔

رما نے پہلے لاشعوری طور پر اور اب مکمل شعور اور ادراک کے بعد خان کو اپنی ڈھال سمجھنا شروع کر دیا تھا۔ اُس نے جس شہزادے کی آمد کا خواب دیکھا تھا وہ اُس کی زندگی میں اب مجسم حقیقت کی شکل میں آنمودار ہوا تھا۔

وہ پیدائشی آرٹسٹ لڑکی تھی۔ بہت نازک خیال اور حساس! وہ چیزوں کو مکمل واقفیت کے ساتھ محسوس کیا کرتی اُس نے خان کو بھی اپنے تمام تر محسوسات کے ساتھ چاہا تھا۔ اُس کے مذہب اور معاشرے نے اُسے "پتی دیوتا" کا جو تصور دیا تھا۔ وہ خان کو اس پر پورا اُتر کر دکھانا چاہتی تھی۔ اُس نے اپنے دل کے معبد میں کبھی بہت ہی محفوظ اور متبرک مقام پر خان کا بُت سجا لیا تھا اور اب اس بُت جا ہی سے اپنا جیون بلیدان کرنا چاہتی تھی۔

یہ بات اُس کے دل میں جاگزیں ہو چلی تھی کہ خان جلد یا بدیر اُس کا پتی بن جائے گا۔ اُس کا دھرم تھا کہ جس طرح ٹوٹ کر وہ اروون گارجی کو پوجتی ہے اگر بھگوان کرشن کو بھی پوجے تو وہ بھی کسی نہ کسی رُوپ میں دوبارہ زمین پر جنم لے کر اُس کے پاس چلا آئے گا۔ اُسے اپنی محبت پر اتنا ہی یقین تھا جتنا اگلے روز سورج کے طلوع اور پھر غروب ہونے پر۔

اُس کے جذبے کی یہی شدت خان کو اندر سے توڑنے لگی تھی۔ وہ سوچنے لگتا: کہ جب اچانک اس لڑکی کو علم ہوگا کہ اُس سے محبت کے بجائے فریب کیا گیا تھا اور جسے وہ اب تک زندگی کی سب سے بڑی حقیقت سمجھتی آئی تھی وہ تو ایک سراب سے زیادہ کچھ نہیں تھا۔ تب اس پر کیا گزرے گی۔

"رما ایک بات بتاؤ ـــــ؟"

اُس روز اُس نے ریتلے ساحل پر پیروں کے نشان چھوڑتی رما کو اچانک ہی روک کر اُس کے دونوں کندھے تھام کر اپنی طرف مخاطب کیا اور اُس کی گہری جیل جیسی آنکھوں میں جھانک کر دریافت کیا: "اگر میں ہندو نہ ہوتا تو بھی تم مجھ سے اسی طرح محبت کرتیں؟"

اپنے سوال پر وہ خود بھی ایک مرتبہ تو گڑبڑا گیا۔ نجانے کس طاقت نے یہ سوال اُس کے مُنہ سے اُگلوایا تھا۔ اُس نے دیکھا رما کی سمندر آنکھوں میں کوئی بے چینی کی لہر نہیں دوڑی۔ اُس کے شانت چہرے پر کوئی رنگ نہیں بدلا تھا۔ وہ اُسی طرح پُرسکون تھی جس طرح اُس کے ہاتھوں سے کینوس پر منتقل ہونے والی لڑکیوں کے پورٹریٹ!

"اردون! مجھے، تو علم نہیں کہ میرے جذبے کی شدت میں کہاں ایسی کمی رہ گئی ہے جو تم نے مجھ سے یہ دریافت کیا؟ لیکن شاید تم جلد محسوس کر لو گے کہ اب میں اُس منزل سے گزر رہی ہوں جہاں انسان کی اپنی کوئی حیثیت، کوئی سوچ باقی رہ جاتی ہے۔ میں تو اب تو کو تمہاری ذات کا ایک حصہ جاننے لگی ہوں۔ میری ذات تو اب کچھ رہی ہی نہیں ہے مجھے اس سے کیا تم کون ہو۔ کون نہیں ہو! بس مجھے تو تمہارا سایہ بن کر تمہارے ساتھ لگے رہنا ہے۔ دھوپ میں بھی، چھاؤں میں بھی۔ اُجالے میں بھی، اور اندھیرے میں بھی ــــ!!

اور ــــ اگر زندگی میں کبھی کوئی ایسا وقت آ ہی گیا جب ہمیں اپنی شناخت تلاش کرنا پڑی تو اس سفر پر آپ اکیلے ہی جائیں گے۔ میں تو آپ ہی کو اپنی پہچان جانتی ہوں ــــ"

اُس کے لہجے میں ایک ٹھہراؤ، اعتماد اور وقار تھا۔ ایسا لہجہ جو دل کی گہرائیوں میں بیج کی طرح اُترتا چلا جائے۔ اُس روز خان کو احساس ہوا: جیسے نادانستگی میں اس لڑکی سے ٹکرا کر اُس سے اپنی زندگی کا سب سے بڑا گناہ سرزد ہو گیا ہو ــــ بہرحال اس نے سوچا اب تو اسے خود کو حالات کے بہاؤ پر پھینک دینا ہوگا۔ جانے اگلا جھونکا اسے کہاں لے جائے؟

Scanend and PDF by: Qamar Abbas

اُس نے آج تک اپنے اندر لاکھ خواہش پیدا ہونے کے باوجود رما کے جسم کو چھو کر بھی نہیں دیکھا تھا لیکن اُس روز عالمِ وارفتگی میں جانے وہ ہوش و خرد کی کتنی منزلیں عبور کر گیا۔ شاید یہ اُس کی زندگی کا کمزور ترین لمحہ تھا۔ جب اُس نے تڑپ کر رما کی دھڑکنوں کو اپنے دل میں سمو لیا۔

سورج دونوں کے عقب میں جمنا کے پانیوں میں اُترنے لگا تھا۔ دن بھر کے تھکے ہارے پنچھی ڈاروں اور قطاروں کی صورت دریائی لہروں پر کانپتی سورج کی کرنوں کے بیچوں بیچ پرواز کرتے اپنے اپنے آشیانوں کی طرف گامزن تھے۔ خنکی بڑھنے لگی تھی۔ رات نے اُجالے اپنے دامن میں لگنے شروع کر دیے تھے۔ دونوں بہت دُور تک پیدل چلتے چلے گئے۔ ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے ہوئے۔ دونوں ہی کا دل یہی چاہتا تھا کہ وقت کی نبضیں تھم جائیں اور زندگی یہیں ساکت ہو کر رہ جائے۔ کافی دُور جا کر انہوں نے ٹیکسی پکڑی۔

وطن کی مٹی گواہ رہنا

اُس وقت شام اُتر رہی تھی جب وہ واپس گھر پہنچا ——

گھر پہنچنے پر خان کو علم ہوا کہ بلاتی رام کی طرف سے ایک اور لمبا آرڈر ملنے کی خوشخبری سنائی گئی ہے اور مسٹر سہائے اُس کے گھر مٹھائی کا ڈبّہ لے کر گئے ہیں۔

خان کے لیے ان باتوں میں اطمینان کا صرف ایک پہلو نکلتا تھا، کہ اُس کا کاروبار مضبوط ہوتا جا رہا ہے اور یہی اُس کی کامیابی تھی! اُسے جو کچھ بھی کرنا تھا۔ اِس گھر کی آڑ لے کر کرنا تھا —— اُسے اُمید تھی کہ جتنا مضبوط بیس اُس نے بنا لیا ہے اب کسی کی جرأت نہیں کہ اُس کی طرف آنکھ بھر کر دیکھ سکے۔

لیکن، گھر آتے ہی ایک اُلجھن اُس پر بُری طرح سوار ہو گئی: "وہ کس طرح گھر والوں کو مطمئن کرے کہ وہ کل باہر جا رہا ہے؟"

اور سوچتے سوچتے آخری اُس نے ایک ترکیب نکال لی ——

اتنی دیر میں رما آئی تو وہ حیران رہ گئی، خان سر پکڑے گہری سوچوں میں گم تھا! اُسے دیکھتے ہی وہ پریشان ہو گئی:

"خیریت تو ہے ناں؟"

"خیریت کہاں؟" خان بولا: "آج بازار جا رہا تھا کہ ایک واقف مل گیا۔ بتانے لگا کہ گاؤں میں ایک عزیز سرگباش ہو گئے ہیں —— وہاں کل جانا ہے۔"

Scanend and PDF by Qamar Abbas

"قریبی رشتہ دار تھے وہ؟" رما بولی، "تو پھر آپ ضرور ہو آئیں۔"

اُس نے ایک نظر رما پر ڈالی اور خاموش رہا۔

اِس مرتبہ اُسے جو مہم سونپی گئی تھی وہ ممکن ہے کسی اور کی نظر میں بہت خطرناک ہو لیکن خان نے اُسے معمول کے مطابق لیا؛ اُسے منوہر لال کے ساتھ انبالہ ایئربیس سے وہ "کوڈ بک" چُرانی تھی جس پر بھارتی فضائیہ نے پاکستان پر مستقبل میں حملوں کی منصوبہ بندی کی تھی اور مختلف حملوں کے لیے مختلف کوڈ نام "تجویز کیے تھے! اِس کوڈ بک میں وہ تمام آپریشنز درج تھے جن کی ممکنہ جنگ کی صورت میں بھارتی فضائیہ نے تیاری کی تھی۔

خان کے پاس اِس علاقے میں ایک ہی کام کا مہرہ تھا اور وہ تھا اُس کا برادرِ اکبر کارپورل اجے ساہنی۔

اپنے آنے والے ساتھی کا تعارف بھی اُس نے منوہر لال سے "نئے ماسٹر" کی حیثیت سے کروانا تھا اور اِس کے بعد اُسے ہمیشہ کے لیے پردہ سکرین سے اجے ساہنی کی مدد ہٹ جانا تھا اور —— پھر اجے ساہنی کی تمام ڈیلنگ اُس کے نئے ساتھیوں سے ہونی تھی۔

○

اس نئے دوست سے اُس کی ملاقات بھی انبالہ ہی کے ریلوے اسٹیشن پر مقرر کی گئی تھی۔

جب دوپہر کے بعد وہ ریلوے اسٹیشن پر پہنچا تو اپنی پہچان کروانے کے لیے اُس نے راجپوت ٹھاکروں کے انداز میں سر پر ایک خاص رنگ کی پگڑی باندھ رکھی تھی اور اُسی رنگ کے سوٹ پر بھی پیلے رنگ کا گلاب کا پھول سجا رکھا تھا۔ وہ ریل گاڑی کی ایگزیکٹو کلاس سے برآمد ہوا تھا —— آنکھوں پر سنہرے فریم والی رنگ دار

شیشوں کی چمک بجائے واقعی وہ کوئی ٹھاکر مہاراجہ نظر آ رہا تھا۔

اُس کے بریف کیس پر دُنیا کی ایک بڑی ائرلائن کا سٹیکر بڑا نمایاں نظر آ رہا تھا۔

مسافروں کے وہاں سے ہٹ جانے تک خان وہیں ایک کرنے میں کھڑا رہا۔ اُس نے جان بوجھ کر کھڑے رہنے کے لیے ایسی جگہ منتخب کی تھی جہاں پلیٹ فارم کے اوپر سے گزرنے والے کو ــــ وہ نمایاں دکھائی دے سکے۔ اُسے اندازہ تھا کہ اُس کا آنے والا ساتھی یقیناً وہیں چھپ کر اُس کی حرکات کا جائزہ لے رہا ہو گا۔

گھڑی کی سوئیاں تین اور بارہ کے ہندسوں کو چھو رہی تھیں جب منوہر لال چابک ہی اُس کی توقعات کے بالکل برعکس اُس کی پُشت پر موجود جرآدل کے مسافر خانے سے نمودار ہوا۔ اُس نے خان کے بالکل سامنے آ کر اُسے "جے ہند" پکارا تھا۔

"جے ہند" ــــ اُس نے بھی جواب میں اپنا ایک ہاتھ اُوپر اٹھا دیا۔

تعارف کا مرحلہ تو اُنہوں نے جلد ہی طے کر لیا اور اب بالکل بے تکلف دوستوں کے انداز میں باتیں کرتے ماہر آ رہے تھے! اس بات کا خان کو بخوبی احساس تھا کہ اس سے ملاقات کرنے والا اُس سے زیادہ سینئر ہے۔ منوہر لال نے اپنا تعارف پرکاش کے نام سے کروایا تھا اور خان کا نام اُسے پہلے ہی "وجے ٹھاکر" بتایا گیا تھا۔

دونوں پٹریوں کے راستے باہر نکل آئے۔ دونوں کی شخصیتیں اتنی بارعب تھیں کہ ڈیوٹی پر موجود ٹکٹ کلکٹر اُن کی ٹکٹ چیک کرنے کے بجائے اُنہیں سیلوٹ مار کر ایک طرف مؤدب کھڑا ہو گیا۔ دونوں مسکراتے ہوئے باہر نکل آئے۔

پرکاش نے خان کو یہی تاثر دیا تھا جیسے وہ اِسی شہر کا رہنے والا ہے۔ اُس نے ایک درمیانے درجے کے ہوٹل میں خان کے نام سے کمرہ بُک کروا رکھا تھا۔ پگڑی نجات خان نے ٹیکسی میں بیٹھتے ہی حاصل کر لی تھی۔ اُس کے ہاتھ سے بندھی سنہری چین والی گھڑی بھی اُس کی جیب میں منتقل ہو چکی تھی اور چہرے پر موجود چمک

Scanend and PDF by: Qamar Abbas

چکی تھی اور اب وہ واقعی درمیانے درجے کا لیکن سلجھے ہوئے گھرانے کا کوئی نوجوان دکھائی دے رہا تھا۔

اپنا سامان ہوٹل ہی میں چھوڑ کر دونوں باہر نکل آئے۔ خان نے پرکاش کے متعلق جو اندازہ اِسی بات سے لگا لیا تھا کہ اُس نے ہوٹل میں جانے سے پہلے ایک سوٹ کیس خرید کر خان کو دیا تھا وہ نہیں چاہتا تھا کہ اُس کا دوست خالی بریف کیس کے ساتھ قیام کرے۔

چائے اُنہوں نے ایک الگ ہوٹل سے پی تھی۔ خان نے اندازہ لگایا کہ پرکاش یہاں کے چپے چپے سے واقف ہے اور وہ انبالہ کے گلیوں بازاروں میں بالکل ایسے گھوم رہا تھا جیسے وہ اُس کی جائے پیدائش رہی ہو۔

دونوں نے چائے پینے کے دوران "کوڈ بک" اُڑانے کے لیے دو تین متبادل منصوبے تیار کیے تھے۔ لیکن، ابھی تک وہ ایسا کوئی پلان تیار نہیں کر سکے تھے جس میں کارپورل اجے ساہنی کی شمولیت کے بغیر کامیابی ممکن ہوتی ــــ اجے ساہنی اُن کے لیے ناگزیر تھا۔ خان نے اُسے کارپورل کی نفسیات سے آگاہ کر دیا تھا اور اُس کی خوبیاں اور خامیاں بھی اپنے سینئر ساتھی کے سامنے بیان کر دی تھیں۔

"میرا خیال ہے اب ہمارا دوست گھر پہنچنے والا ہی ہو گا" ــــ اُس نے گھڑی پر نگاہیں ڈالتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے چلتے ہیں" ــــ پرکاش نے بیرے کو بل لانے کا اشارہ کیا۔

○

بس میں سوار ہونے سے پہلے خان نے رَم کی دو بوتلیں اور بہت سی ام غلم ٹافیاں بھی خرید کر لی تھیں۔

دونوں گاؤں پہنچے تو ابھی اجے ساہنی گھر نہیں آیا تھا۔ اُنہیں تھکنوں سے لدا

پھندا دیکھ کر اجے ساہنی کے گھر والے دونوں پر مٹے جا رہے تھے۔ خان کو تو وہ لوگ جانے ہی تھے کیونکہ وہ اس سے پہلے بھی اُن پر نوازشات کی بارش برسا چکا تھا۔

اجے ساہنی کی آمد تک دونوں نے اُس کے گھر والوں کو اپنا گرویدہ بنا لیا تھا

خان کی شکل پر نظر پڑتے ہی اجے کی باچھیں کھل اُٹھیں، جس سے خان نے اندازہ لگا لیا کہ دولت کی محبت اُس پر غالب آ چکی ہے۔ پرکاش کو دیکھ کر وہ ایک لمحے کے لیے چونکا پھر سنبھل گیا۔ رُم کی بوتلیں اجے کو پرکاش نے پیش کی تھیں۔ یہ اُس کا کمال تھا کہ وہ اگلے آدھ گھنٹے میں اجے ساہنی سے اتنا کھل مل گیا تھا کہ خان بھی دل ہی دل میں اُسے داد دیئے بغیر نہ رہ سکا۔ تینوں گھر والوں کے ساتھ ہی چائے پی رہے تھے

چائے کے خاتمے پر تینوں "ذرا کھلی ہوا میں گھومنے" کے بہانے گھر سے باہر نکل آئے۔ اجے کے باپ کی یہاں چند مربے زمین تھی جس پر وہ لوگ موسم کی مناسبت سے کچھ نہ کچھ کاشت کر لیا کرتے تھے۔ تینوں اس کاشت شدہ فصل کے بیچوں بیچ پلتے ہوئے بالآخر کھیتوں کے ایک کونے میں موجود خالی قطعہ اراضی پر پہنچ گئے۔ ایک جھٹی کے کرے سے ساہنی نے دو چارپائیاں نکالیں اور وہ تینوں وہیں بیٹھ گئے۔

گفتگو کا آغاز اجے ساہنی نے کیا اور خان حیران رہ گیا جب اجے نے اب تک نہ ملنے کا شکوہ کرنے کے بعد اُسے بتایا کہ وہ اُن لوگوں کیلئے اور بھی بہت سے کام کی چیزیں بھیج کرتا رہا ہے۔

یہ بڑی خوش آئند پیش رفت تھی جو کہ پورل اجے کی طرف سے ہوئی۔ اور اپنی بات کے خاتمے پر اُس نے اپنی جیب سے پلاسٹک کے ایک لفافے میں پیٹے کاغذات نکال کر اُنہیں پیش کیے۔ یہ کاغذات بھی اُس نے اسی کرے میں کہیں چھپا رکھے تھے۔

دونوں نے بے چینی سے انہیں کھول کر دیکھا —— ان میں زیادہ تر وہ "آرڈرز آف دے ڈے" تھے جو تحفظ ہوائی اور راڈار اسٹیشنوں کے سٹیشن کمانڈر جاری کرتے ہیں

Scanend and PDF by Qamar Abbas

فوجی مشقوں کی تفصیلات تھیں اور کچھ روزانہ ہونے والی کارروائیوں کی رپورٹیں جو ہیڈ کوارٹر کو بھیجی جاتی ہیں۔

خان نے کاغذات کے اس پیکٹ کو "عطیۂ خداوندی" جان کر قبول کر لیا۔ پرکاش بھی اس صورتحال سے خاصا خوش اور مطمئن نظر آ رہا تھا۔ اُس نے نظر بچا کر خان کو آنکھ ماری جیسے کوئی نیا کارڈ" وہ اجے ساہنی کی طرف پھینکنے والا تھا۔

"میں تمہیں یہ خوشخبری دینے آیا ہوں کہ تمہارے پہلے ہی کارنامے نے ہمارے ہیڈ کوارٹر کو متاثر کر دیا ہے۔ ہم لوگ عموماً پانچ سال سے پہلے اپنے کسی ایجنٹ کو یورپ نہیں بلایا کرتے لیکن تمہارے لیے خصوصی ہدایات ہیں کہ اگر دو سال تک تمہاری کارکردگی اسی طرح رہی تو ہم تمہیں دو سال کے بعد یورپ میں تمہاری مرضی کے کسی بھی ملک میں کام کرنے دیں گے —— ہاں اپنی کچھ تصویریں ضرور دے دینا۔ تمہارا پاسپورٹ تیار کروانا ہے۔"

جیسے جیسے پرکاش بولتا جا رہا تھا اجے کے چہرے کا رنگ سُرخ ہوتا جا رہا تھا۔ خان کے خاتمے پر اُس کا چہرہ خوشی سے دمکنے لگا تھا۔

یورپ کی پُرتعیش اور آزاد زندگی کے لیے وہ کچھ بھی کر گزرنے کو تیار تھا۔

اور عین اُن لمحات میں لوہا گرم دیکھ کر پرکاش نے اُس پر چوٹ کر دی ——

"ہم لوگ ایک اور کام تمہاری مدد سے کرنے جا رہے ہیں۔ گو کہ یہ کام ہمارے لوگوں نے بھی انجام دینا ہے لیکن زیادہ ذمہ داری تم پر ہی عائد ہوتی ہے۔"

پرکاش نے اُسے منصوبہ سمجھانا شروع کیا! ساہنی کچھ دیر کے لیے گھبرایا تو ضرور لیکن وہ ان لوگوں کے سامنے خود کو شرمندہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔

چنانچہ اگلے روز شام کے بعد کا پروگرام طے ہو گیا۔ اجے ساہنی بوتل اپنے ساتھ لے آیا تھا۔ اُس نے وہیں بوتل کھولی اور دو میلے کچیلے گلاس بھی اسی کرے سے

Scanned PDF by: Qamar Abbas

نکال لایا۔

وہ جانتا تھا جس کا علم اجے کو پہلی ہی ملاقات پر ہو چکا تھا۔ اس لیے اُس نے وہ کے لیے گلاس رکھنے کا تکلف ہی نہیں کیا تھا۔ پرکاش نے البتہ خاصی رعونت دکھائی تھی۔ خان پہلے تو چونکا لیکن جلد ہی معاملہ اُس کی سمجھ میں آگیا۔ اُس نے دیکھا اجے کے تین پیگ لگانے تک پرکاش نے گلاس کو چھوا بھی نہیں تھا۔ جب اُس نے محسوس کیا کہ اب اجے زمین سے آسمان کی طرف پرواز کرنے لگا ہے تو اُس نے بڑی ہوشیاری سے گلاس ہونٹوں سے لگایا اور شراب نیچے گرانے لگا۔

یہ کام پرکاش نے اتنی ہوشیاری سے کیا تھا کہ عام حالات میں بھی کوئی اس کی یہ حرکت نوٹ نہ کر سکتا — چہ جائیکہ اب تو یوں بھی اندھیرا پھیل چکا تھا۔

خاصا اندھیرا پھیلنے پر جب انہوں نے محسوس کیا کہ گاؤں کے لوگ سردی کے باعث اپنی گھروں میں بند ہو چکے ہوں گے تو وہ نشے سے دھت کارپورل اجے ساہنی کو سہارا دے کر گھر لے آئے۔

کھانا سب گھر والوں نے اکٹھے ہی کھایا تھا۔ تینوں اوپر چوبارے میں چلے آئے۔ اجے کو ہوش نہیں رہا تھا۔ وہ جلد ہی گہری نیند سو گیا لیکن خان اور منوہر لال — پرکاش کافی رات گئے تک اپنے منصوبے کی جزئیات کا جائزہ لیتے رہے۔

○

علی الصباح اجے معمول کے مطابق بیدار ہو گیا۔ تینوں اکٹھے ہی باہر آئے تھے اور ایک ہی بس میں انبالہ روانہ ہو گئے۔ اجے نے شام کے بعد سے ہی اس منصوبے پر عمل شروع کرنا تھا اور شام سات بجے تینوں نے ایک جگہ اکٹھے ملنے کے لیے منتخب کر لی تھی۔

یہ وقت پرکاش اور خان نے اُس ہوٹل میں اور پھر فلم دیکھ کر گزارا۔ شو ختم ہونے

شہر سے باہر اپنے مقرر کردہ آر۔ وی پوائنٹ کی طرف جا رہے تھے تو پرکاش نے پیچھے سے ایک پستول اُس کی طرف بڑھا دیا۔ خان نے شکریہ کہہ کر پستول اپنے کپڑوں میں چھپا لیا۔

دوسری طرف ٹھیک چھ بجے کارپورل اجے ساہنی نے اپنے آفیسر انچارج کو جیپ کا انجن خراب ہونے کی رپورٹ کی اور یہ بھی بتا دیا کہ اب رات تک مقامی اڈے کی ورکشاپ پر اس کی مرمت ممکن نہیں۔ اُس نے اپنے آفیسر کو پیش کش کی کہ وہ شہر کی ورکشاپ سے ڈائنمو ٹھیک کروا کر صبح ڈیوٹی پر جیپ ساتھ لے کر آ جائے گا۔

اور یہ سب کچھ "آف دی ریکارڈ" ہونا تھا لیکن آفیسر کی بھی مجبوری اور لالچ آڑے آ گئی۔ اجے نے اُس سے مرمت کے لیے ایڈوانس پیسے بھی وصول کر لیے اور جیپ لے کر اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گیا۔

اڈے سے باہر نکلتے ہی سٹور کے نزدیک اُس نے تھوڑی دیر کے لیے جیپ ضرور روکی تھی لیکن کسی کو یہ علم نہ ہو سکا کہ اس میں سوار کون تھا۔ سٹور سے برآمد ہونے والے کے ہاتھ میں ایک لفافہ پکڑا ہوا تھا جس میں انڈین ایئر فورس کے دو آفیسروں کی وردیاں تہہ کر کے رکھی ہوئی تھیں۔

ٹھیک سات بجے وہ مطلوبہ مقام پر پہنچ چکا تھا جہاں خان اور پرکاش اُس کے منتظر تھے۔ یہاں تک ڈائنمو خراب ہونے کی وجہ سے اُس نے لائٹیں آف کر رکھی تھیں۔ سڑک کے کنارے کچے راستے پر اُس نے جیپ کھڑی کر کے "انڈی کیٹر" جلائے بجھائے جس پر اُس کے موصول ہونے پر خان اور پرکاش قریباً بھاگتے ہوئے اُس تک پہنچے تھے۔ دونوں اس کھیت میں بیٹھے اُس کا انتظار کر رہے تھے۔

کارپورل اجے ساہنی نے کچھ کہے سنے بغیر وردیاں اُن کی طرف بڑھا دیں۔ دونوں وہیں کھڑے کھڑے اپنی وردیاں کپڑوں پر پہن لیں۔ اس دوران اجے ساہنی اپنے

کام میں مصروف رہا اُس نے جیپ کی ایک جعلی نمبر پلیٹ اپنی سیٹ کے نیچے سے نکالی یہ نمبر پلیٹ اُس نے آج ہی ورکشاپ میں تیار کی تھی۔ اَب اس جیپ پر انڈین ائر فورس کی جو نمبر پلیٹ لگی تھی اُس کے مطابق یہ انبالہ ایئر بیس کی جیپ تھی۔ پرکاش نے جیپ پر نظر آنے والے ہر ممکن نشان پر کثیف کی مٹی مل کر اُسے اچھی طرح کیموفلاج کر دیا تھا۔ یوں بھی یہ ایمرجنسی کا دَور تھا اور جیپیں عموماً اسی حالت میں رکھی جاتی تھیں ——!!

تھوڑی دیر بعد تینوں جیپ میں سوار انبالہ ائر بیس کی طرف اُڑے چلے جا رہے تھے۔ کارپورل اجے ساہنی جیپ چلا رہا تھا۔ اُس کے ساتھ سکواڈرن لیڈر پرکاش بیٹھا تھا اور پچھلی سیٹ پر فلائیٹ لیفٹیننٹ کمار۔ دونوں کے ناموں کی تختیاں بہادری کے جعلی اعزازات کے ساتھ اُن کے سینوں پر چمک رہی تھیں۔

خان نے اپنے پستول پر سائلنسر فٹ کر لیا تھا اور اُسے اپنے کوٹ کی لمبی جیب میں چھپایا ہوا تھا۔

○

ہوائی اڈہ ابھی دُور ہی تھا جب پرکاش نے ایک لفافہ اجے کی طرف بڑھایا "یہ تمہارا ایڈوانس ہے۔ کام مکمل ہوتے ہی تمہارے تصور سے بھی زیادہ مال ملے گا۔ ہم اپنے دوستوں کی قدر کرتے ہیں اس کا ثبوت پہلے ہی مل چکا ہوگا؟"

کارپورل اجے ساہنی چپ رہا۔ اُس نے نوٹوں والا لفافہ اپنی جیب میں لیتے ہوئے گنے ٹھونس لیا تھا! جیپ کی رفتار بڑھتی چلی جا رہی تھی —— دونوں پر سکون والے حالات کے منتظر تھے۔ انبالہ ایئر بیس کا سٹیشن ایریا شروع ہو چکا تھا۔

خان نے محسوس کیا جیسے اُس کی ہتھیلی اتنی سردی میں بھی پسینے سے بھیگ رہی اُس نے دونوں ہاتھ وردی کے ساتھ رگڑ کر صاف کر لیے۔ اجے نے جیپ کو اُس سڑک پر ڈال دیا تھا جو ٹیکنیکل ایریا کی طرف جا رہی تھی۔

تھوڑی دیر بعد وہ گارڈ روم کے دروازے پر کھڑے تھے! فوجی جیپ کو دیکھتے ہی لکڑی کا بیریل اوپر اُٹھتا چلا گیا۔ اجے نے اپنے کوٹ کے کالر کھڑے کر لیے تھے اور چہرہ اس طرح جھکا کر جیپ چلا رہا تھا کہ پہلی نظر میں اُس کی شناخت ممکن نہیں تھی۔ جبکہ منوہر لال امیرانہ ٹھاٹ باٹھ سے اسی طرح اپنی سیٹ پر جم کر بیٹھا تھا۔ اُس کے کندھے پر سجے نشانات دیکھ کر ڈیوٹی پر موجود گارڈ نے اُسے سیلوٹ کیا اور اجے ساہنی نے جیپ آگے بڑھا دی۔

اڈے کی تمام بتیاں بجھا دی گئی تھیں۔ ایمرجنسی کی وجہ سے ائر فورس کے تمام سٹیشن خود کو "حالتِ جنگ" کا شکار سمجھتے تھے اور مکمل بلیک آؤٹ رہتا تھا۔

جیپ کو سڑک سے ہٹا کر سٹیشن کمانڈر کے دفتر کے پیچھے والے درختوں کی طرف لے چلو" منوہر لال نے سرگوشی کی۔

"او۔کے" —— کارپورل اجے ساہنی کو دو الفاظ ادا کرنے کے لیے بھی بہت زور صرف کرنا پڑا

انتظامی دفاتر پانچ بجے کے بعد بند ہو جاتے تھے لیکن اُن کا چھوٹے افسران پر مشتمل عملہ رات کو بھی ڈیوٹی پر موجود رہتا تھا۔ قریباً ہر دفتر میں کوئی نہ کوئی ذمہ دار آدمی کسی بھی جوابدہی کے لیے موجود ہوتا تھا۔

کارپورل اجے ساہنی نے بڑی پھرتی سے جیپ درختوں کے عین درمیان کیموفلاج کے لیے اُگائی گئی جھاڑیوں میں اس طرح چھپا دی تھی کہ اب وہ دُور سے دیکھنے پر بھی نظر نہیں آسکتی تھی۔ اگنیشن کی چابی خان نے اپنی جیب میں ڈال لی اور اب تینوں جیپ سے نیچے اُتر آئے تھے۔ کارپورل اجے ساہنی وہاں ڈیوٹی کر چکا تھا اور اُسے علم تھا کہ اُس کے دوستوں کو جس چیز کی تلاش ہے وہ کس کمرے میں ہو سکتی ہے۔ وہ آگے آگے تھا اور دونوں اس کے پیچھے پیچھے۔

چاند کی آخری راتیں تھیں اور سردیوں کا موسم اندھیرا شام ہی سے گہرا ہونے لگا تھا گہرا کہر آلود آسمان کو بادلوں نے ڈھانپنا شروع کر دیا تھا۔ ہوائی اڈے پر پُرسوز جھینگروں کی آوازوں کے سوا کوئی اور آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔

اندھیرے میں اب کچھ فاصلے پر بنے دفاتر کی پرچھائیاں نمایاں ہونے لگی تھیں۔ وہ تین کمروں کی کھڑکیوں سے معمولی روشنی بھی اپنا عکس دکھانے لگی تھی۔ یوں دکھائی دیتا تھا جیسے گہرے شیشوں کے پیچھے روشنیوں میں لوگ اپنے کام میں مصروف ہیں۔

ایسے ہی ایک کمرے کی طرف انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے اجے ساہنی نے اس کی نشاندہی کی اور اگلے حکم کے لیے ان کی طرف دیکھا۔

"تم جیپ میں واپس جاؤ" — منوہر لال نے اسے ہدایت کی۔

اس خدشے کے پیش نظر کہ کہیں صورتِ حال کی سنگینی سے گھبرا کر وہ بدحواسی میں جیپ لے کر واپس نہ بھاگ جائے خان نے چابی اپنی جیب میں پہلے ہی رکھ لی تھی۔ انہوں نے اجے کو اپنی ذاتی حفاظت کے لیے ریوالور تک نہیں دیا تھا — وہ کوئی ایسا کام نہیں کرنا چاہتے تھے جس میں کسی قسم کا خطرہ مول لینے کا احتمال ہو۔

اس بات کے شواہد موجود تھے کہ اس کمرے میں نہ صرف کوئی موجود ہے بلکہ وہاں باقاعدہ پہرے کا بندوبست بھی ہے۔ دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور آنکھوں ہی آنکھوں میں پیش آئندہ حالات سے نمٹنے کی حکمتِ عملی طے کر لی۔

خان نے جھک کر پرکاش کے کان میں سرگوشی کی اور تن کر کھڑا ہو گیا۔ پرکاش نے اس کے کندھے پر تھپکی دی اور بے قدموں لیکن بظاہر لاپرواہی سے اس کمرے کی طرف چل دیے۔

دونوں نے اس بات کی ہر ممکن کوشش کی تھی کہ کمرے میں داخل ہونے تک ان کا ٹکراؤ کسی ڈیوٹی گارڈ سے نہ ہو۔ اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب رہے! کمرے کا دروازہ

Scanned and PDF by: Qamar Abbas

کو کر خان نے بہت آہستگی سے کھولا تھا لیکن اس کا دوسرا ہاتھ جیب میں موجود پستول کے دستے پر مضبوطی سے جما ہوا تھا۔ دروازہ کھولنے پر اس کی نظر سامنے بیٹھے دو ہونقوں کے چہروں پر پڑی جو ان کی اچانک آمد سے بوکھلا گئے تھے۔

"آئی ایم سکواڈرن لیڈر پرکاش مہرہ" — پرکاش نے بارعب آواز میں انہیں مخاطب کیا — "آن سپیشل ڈیوٹی" — اس کے منہ سے نکلا اور دونوں کے ہاتھ سلیوٹ کے لیے ٹوپیوں کو چھونے لگے۔

"میں ریڈ کوارٹر سے آرہا ہوں — ہمیں ایک رپورٹ پر خصوصی چیکنگ کرنی ہے۔ تم دونوں بالکل مطمئن اپنے کام میں مصروف رہو، لیکن خبردار آدھ گھنٹے تک کسی کو ہیں پر ہماری آمد کا علم نہیں ہونا چاہیے۔"

"او۔ کے سر" — دونوں کو یقین ہو گیا تھا کہ یہ ایئر فورس انٹیلی جنس کے افسر ہیں۔

"اے یو سارجنٹ ڈھلا!" خان نے اس کے خاموش ہونے پر بائیں ہاتھ کی انگلی سے گھومنے والی میز پر بیٹھے سارجنٹ کو مخاطب کیا جس کے نام کی تختی اس کی جیب پر چمک رہی تھی۔ "فائل نمبر ۱۲ ایکس نکالو۔"

جیسے ہی خان کے منہ سے یہ الفاظ نکلے۔ سارجنٹ یوں اچھل کر کھڑا ہو گیا جیسے اس کا ہاتھ بجلی کے ننگے تاروں کو چھو گیا ہو۔

"یس یس سر" — وہ ہکلایا — "ہمیں سوائے سٹیشن کمانڈر کے اور کسی کو فائل نمبر ۱۲ ایکس دکھانے کی اجازت نہیں ہے۔"

"ابے گدھے کے بچے — تم سٹیشن کمانڈر کو بھی دکھاؤ گے جب فائل میں کاغذات موجود ہوں گے۔ ہماری رپورٹ کے مطابق تم دونوں نے وہ فائل یہاں سے تھوڑی دیر کے لیے غائب کروا دی ہے اور اب اسی کی واپسی کے منتظر ہو — لیکن مطمئن رہو باہر

"اگر عمر نے گھیرا ڈالا ہوا ہے اور کوئی بچ کر اندر نہیں آسکتا"۔۔۔ پرکاش نے اُسے ٹوکتے ہوئے الفاظ چبا چبا کر اس طرح کہے کہ دونوں کے پاؤں تلے سے زمین سرک گئی انہیں سوائے اپنی بے گناہی ثابت کرنے کے اور کوئی چارہ کار نہ رہا۔

"سر۔۔۔ یہ ہمارے خلاف کسی نے جھوٹی رپورٹ دی ہے۔ بالکل غلط"۔

"اچھا زیادہ بحث نہ کرو اور فائل نکالو"۔۔۔ خان غرّایا۔

سارجنٹ ڈیلا نے اپنا دراز کھول کر چابیوں کا ایک گچھا نکالا اور دائیں کونے میں رکھے سیف کی طرف بڑھا۔ اُس کی چال سے اُس کی گھبراہٹ عیاں تھی۔ سارجنٹ ڈیلا کے دوسرے ساتھی کی حالت بھی اُس سے مختلف نہیں تھی۔ کپکپاتے ہاتھوں سے اُس نے مطلوبہ فائل نکال کر سکواڈرن لیڈر پرکاش مہرہ کو تھما دی۔

"سکواڈرن لیڈر پرکاش مہرہ" نے ایک طائرانہ نظر فائل پر دوڑائی اور دوسرے ہی لمحے دونوں کی بھوؤں سے ریوالور نکل آئے۔ خان والے ریوالور پر سائیلنسر چڑھا تھا لیکن پرکاش والے پر نہیں۔

"تو ہمارا شک درست نکلا۔ میں تم دونوں کو گرفتار کر کے سٹیشن کمانڈر کے پاس لے جا رہا ہوں۔۔۔ ہینڈز اپ"۔۔۔ پرکاش غرّایا۔

"سر۔ سر۔ یہ غلط ہے۔ دُرگا ماں کی قسم مجھے اس کا علم نہیں"۔۔۔ سارجنٹ کا ساتھی گڑگڑایا۔

"تم نے جو کچھ بکنا ہے انکوائری میں بکنا"۔۔۔ خان نے اُنہیں گالی دیتے ہوئے کہا۔ دونوں نے سہم کر ہاتھ اُٹھا دیے۔

"اپنے منہ دیوار کی طرف کر کے کھڑے ہو جاؤ"۔۔۔ اُنہیں اگلا حکم موصول ہوا۔

ابھی منہ دیوار کی طرف کر کے کھڑے ہوئے اُنہیں ایک آدھ منٹ ہی گزرا تھا جب دونوں کے سروں پر قیامت ٹوٹی۔ پستولوں کے دستے دونوں کے سر کے نازک حصوں پر پڑے اور

Scanned and PDF by Dawar Abbas

وہ بغیر آواز نکالے زمین بوس ہو گئے۔

فائل کو خان نے اپنی وردی کے اندر اچھی طرح محفوظ کر لیا تھا۔ دونوں اُسی طرح دبے قدموں باہر آئے۔ دم رخصت خان نے کمرے میں موجود ٹیلیفون کا پلگ نکال دیا تھا۔

کارپورل نے اُنہیں دُور ہی سے آتے پہچان لیا تھا۔ تینوں تھوڑی دیر بعد اُسی پوزیشن میں آ گئے تھے۔ اس مرتبہ دونوں افسران نے اپنے ہاتھ پستولوں کے دستوں پر جمائے ہوئے تھے۔ جیپ کی لائٹس آف تھیں۔ صرف اُسی مدھم سی روشنی کے سہارے جو راستے کی راہنمائی کے لیے جلائی گئی تھی۔ وہ اُسی طرح گارڈ روم تک آ گئے۔

بیرل پر موجود گارڈ نے ٹارچ کی روشنی اُن کی طرف پھینکی۔ اجے ساہنی نے ٹوپی اتنی جھکائی ہوئی تھی کہ اُس کا چہرہ دکھائی پڑنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ روشنی میں افسران کی شکل دیکھتے ہی اُس نے سیلوٹ مارا اور اجے ساہنی نے ایکسیلیٹر پر پاؤں بڑھا دیا۔

جیپ آندھی کی طرح اُڑی چلی جا رہی تھی۔۔۔!!

اُسی ویرانے میں پہنچ کر جہاں سے دونوں سوار ہوئے تھے۔ اُنہوں نے اپنی وردیاں اور جیپ کی نمبر پلیٹ سے نجات حاصل کی۔

"تھینک یو فرینڈ"۔ پرکاش نے گرمجوشی سے مصافحہ کرتے ہوئے ایک اور لفافہ اُس کی طرف بڑھا دیا:

"اچھا بھیا! اب شاید تم سے یورپ ہی کے کسی ملک میں ملاقات ہو۔ میں تو اپنا ٹاسک مکمل کر چکا ہوں۔۔۔ کل یہ لوگ مجھے جرمنی پہنچا دیں گے پھر عیش ہی عیش"۔

خان بھی اُس سے باقاعدہ بغلگیر ہو گیا۔ اُس نے کچھ اس طرح اجے ساہنی سے باتیں کی تھیں کہ ساہنی تڑپ کر ہی تو رہ گیا۔۔۔ اُس کے دل میں یورپ جا کر عیش و عشرت کی زندگی گزارنے کی خواہش پہلے سے دوچند ہو گئی تھی۔ بڑی پھرتی سے جیپ کا ہنڈ

Scanend and PDF by: Qamar Abbas

اٹھا کر پرکاش نے اُس کے ڈائنمو میں معمولی سی خرابی پیدا کر دی تھی۔

دونوں یہیں اُس سے الگ ہو گئے۔ اس کام میں بمشکل ایک گھنٹہ صرف ہوا تھا جب وہ جیپ لے کر ورکشاپ پہنچا تو رات کے آٹھ بج رہے تھے۔ مستری ایک دوسری گاڑی کے نیچے لیٹا اپنے شاگردوں کو گالیاں دے رہا تھا۔ ساہنی کو شاید وہ پہچانتا تھا کیونکہ اُس نے جیپ کی لائٹس آف ہونے کے باوجود اُسے نام لے کر سلام کیا تھا۔

وہیں کھڑے کھڑے اُس نے مستری کو خرابی سے آگاہ کیا اور یہ بھی کہہ دیا کہ وہ صبح جاتے سے جیپ لے جائے گا۔ اُس نے رخصت ہوتے وقت جان بوجھ کر اُونچی آواز میں کہہ دیا تھا: "ابھی سات بجے ہیں اور صبح تک کام مکمل ہونا چاہیئے۔"

کارپورل جانتا تھا کہ اوّل تو کینک کے پاس گھڑی ہے ہی نہیں اور اگر ہوئی بھی تو وہ اس میں ٹائم دیکھنے کا تکلف نہیں کرے گا۔

"جیپ کو ذرا چمکا بھی دینا۔" اُس نے کسی ممکنہ نشان کی موجودگی کو بھی نظر انداز نہیں کیا تھا۔

"اچھا مہاراج جی! مطمئن رہیں۔ مجھے علم ہے بڑے صاحب کی جیپ ہے۔" مستری نے لیٹے لیٹے جواب دیا۔

کارپورل اجے ساہنی اُسے "رام رام" کہہ کر واپس آگیا۔ "صبح اگر انکوائری بھی ہوئی تو دُنیا کی کوئی طاقت یہ ثابت نہیں کر سکتی تھی کہ وہ جیپ لے کر اس ورکشاپ سے آگے بھی کہیں گیا ہے کیونکہ سات بجے تک وہ بمشکل یہیں پہنچ سکتا تھا۔"

اپنے دوستوں کی طرف سے بتائی گئی حفاظتی تدابیر پر اُس نے فوراً عمل کیا: جیپ کی سیٹ کے نیچے ہی اُس نے ایک سویلین ڈریس رکھا ہوا تھا۔ کپڑے اُس نے ایک اندھیرے گوشے میں تبدیل کیے اور آج وہ خلافِ معمول بس کے بجائے ساڑھے آٹھ بجے والی ٹرین سے اپنے گاؤں جا رہا تھا۔

دوسرا اسٹیشن اُس کے گاؤں کا تھا۔ ٹرین میں کوئی شناسا چہرہ اُسے دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ گھر تک وہ اسی طرح پہنچا تھا۔ کھیتوں میں اُس نے دوبارہ اپنی وردی تبدیل کر لی تھی۔ وہ آج قدم قدم پر احتیاط برت رہا تھا۔ کوئی غیر معمولی حرکت اُس سے سرزد نہیں ہوئی تھی۔ نہ ہی اُس نے گھر والوں کو دیر سے آنے کا احساس ہونے دیا تھا۔

رات کافی دیر گئے اُسے نیند آئی لیکن صبح وہ پورے وقت پر جیپ سمیت اپنے افسر کے سامنے موجود تھا۔

○

خان اور منوہر لال نے جیپ کے لنگروں سے اوجھل ہوتے ہی رختِ سفر باندھ لیا ـــــ دونوں چپ چاپ سڑک کے کنارے کنارے چلتے گئے۔

"ہمیں انبالہ نہیں جانا چاہیئے۔" خان نے اپنی رائے پیش کی۔

"بالکل ٹھیک ہے۔ میرے خیال سے کسی نزدیکی اسٹیشن سے کوئی پسنجر ٹرین پکڑنے کی کوشش کرتے ہیں اور ہاں آج شاید ہمیں دہلی کے بجائے پنجاب کی طرف جانا پڑے۔" منوہر لال نے اُسے اگلے پروگرام سے آگاہ کیا۔

"جیسے آپ کی اچھیا۔"

"اس مرتبہ تم پگڑی کے بغیر ٹھاکر بنے رہو گے۔" منوہر لال نے سمجھایا۔

خان مسکرا کر چپ ہو رہا۔ دو ڈھائی گھنٹے پیدل چلنے کے بعد بالآخر انہیں ایک بڑے اسٹیشن کے آثار دکھائی دیئے۔ منوہر لال کو اندازہ تھا کہ انبالہ سے شام کے بعد تین چار پسنجر ٹرینیں مختلف جنکشنوں تک جاتی ہیں اور وہ کوئی نہ کوئی ایسی ٹرین پکڑنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

خان کے لیے یہ خوشگوار حیرت باعثِ اطمینان تھی کہ اس لائن پر آنے والے بہت